صفحۂ تعارف کتاب موعظۃ للمتقین

قارئین کرام سے ایک ضروری التماس

حضرات! فقیر یہ گزارش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کہ فی زمانہ ایک مسلمان کیلئے عقائد کا معاملہ جسقدر اہم ہے۔ اُسی قدر اُس کی طرف سے عوام و خواص کو ذہول ہو رہا ہے۔ دین و مذہب جن جن مصائب کے نرغے میں ہے۔ اور اسلام کا گلشن عمل و عقیدت جسطرح پامالِ خزاں ہو رہا ہے۔ اس سے کوئی سچا مسلمان بے خبر نہیں۔ اتباع ہوائے نفس کا دروازہ ایسا کھل گیا ہے۔ کہ اپنے مذہب کے مقدس و مطہر اصولوں سے اکثر مسلمان ناواقف ہو کر قعر مذلت میں گرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ نئی تہذیب کے حامیوں میں تقلید یورپ اور اتباع مشرکین کا اس قدر عام ذوق ہو گیا ہے۔ کہ وہ عقائد صحیحہ اسلامیہ سے ہٹ کر صبح و شام خدا خدا نہ سہی رام رام کریں گے" کی مالا جپتے رہتے ہیں۔ پھر اس پر طرّہ یہ کہ علمائے سو نے اس کھوٹے سونے پہ سہاگے کا وہ کام کیا ہے۔ کہ توبہ بھلی۔ ان کے تمامتر فتوے کلمۃ الحق کی بجائے کوٹ پتلون والوں کی ہمنوائی میں ایسا ریاکارانہ پہلو لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ کہ ایمانی جرائت سے فرائض مذہبی کی ادائیگی اور بے ریائی سے تبلیغ احکام الٰہی کرنا دشوار ترین ہو گیا ہے۔

لہذا۔ محض خدمتِ دین جان کر مجلسِ سہروردیہ نے یہ مفید علمی تحفہ شائع کرایا ہے۔ تاکہ مسائل شرعی سے ناواقف مسلمان اس سے نفع اٹھائیں۔ اور عقائد کو درست کر لیں۔ خود پڑھیں سنیں۔ عزیز و اقارب کو پڑھائیں۔ اور اس پر کاربند رہنے کی ہدایت فرمائیں۔ تاکہ وہ عمر بھر کیلئے بدعقیدگی سے بچ جائیں۔ اور اگر ہو سکے تو مصنف کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

الملتمس ابو الفیض

بِسمِ اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

دیباچہ

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں میں مذہبی تحقیق کا جو شغف پایا جاتا تھا فی زمانہ قریباً مفقود ہوتا جارہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان اپنے معتقدات میں اسقدر دور جا پڑا ہے۔ کہ ہندوستان جیسی مذہب انگیز زمین میں اس کا کوئی اصولی معیار نہیں رہا۔ جو چیز عقلِ نارسا میں اس کی نفسانیت نے قبول کی وہ جائز تصوّر کر لی گئی۔ اور جو سمجھ میں نہ آئی اُسے ناجائز قرار دے دیا گیا۔ نہ اُس کیلئے کسی شرعی دلیل کی حاجت لازمی سمجھی گئی۔ اور نہ متقدمین کی روایت کا پاس رکھا گیا۔ بیشمار مسائل شرعیہ جو صلوٰۃ وصیام تجہیز وتکفین۔ صدقہ وخیرات۔ اکل وشرب۔ طریق عبادات۔ جہاد۔ تقسیم میراث وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں مسلمانوں کی دست بُرد سے مجروح ہو چکے ہیں۔ اور اُن کو بدانتی یا مغروی رنگ میں پیش کرنا۔ اور اُن پر عمل پیرا ہونا فخر سمجھا جاتا ہے۔ یہ کیفیت کیوں پیدا ہوئی۔ اور ہندوستان کا مسلمان اپنے سلف صالحین کے معتقدات کو کیوں کھو بیٹھا اس کی وجہ مجملاً صرف یہی ہے۔ کہ اُس کے نزدیک اتباعِ سنت ضروری نہیں سمجھا گیا۔ قرآن اور حدیث کے اتباع سے ایسا بُعد ہوا۔ کہ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امتدادِ زمانہ سے تحریفات نے زور پکڑا۔ اِنشقق

وافتراق نے قدم جمایا۔ اعتقادی خرافات اسلام میں پیدا ہو گئے۔ اور مسلمانوں کے جماعتی نام بھی اتباع ہوا و ہوس میں بدلنے لگے۔ اب ہر ایک جماعت مسلم یا حنفی یا اہل سنت والجماعت کہلانے کی بجائے اپنے آپ کو اسی مقام سے منسوب کرنے لگی۔ جہاں اُس کا بانی پیدا ہُوا۔ جیسے دیوبندی۔ امرتسری۔ قادیانی لاہوری وغیرہ وغیرہ۔ ہر ایک فرقہ دوسرے کو فاسق۔ فاجر۔ ضال۔ گمراہ کہنے کیلئے عقلی دلائل کی لاٹھی ہاتھ میں لئے نظر آتا ہے۔ حالانکہ اُسے اپنی ہی تمیز نہیں۔ اور بلا دلیل و سند ہر ایک عمل شرک و بدعت قرار دیئے جاتا ہے۔ دراصل بات یہ ہے۔ کہ موجودہ نوجوان طبقہ جس نے مغربی تعلیم و تہذیب میں ہوش سنبھالا ہے۔ مذہب سے کوسوں دور جا پڑا ہے۔ اور اُسکی اس مذہبی لاعلمی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے علمائے سُو کیلئے قرآن کو غلط بیان کرنا احادیث کو بدل دینا۔ اور متقدمین کے معتقدات کو جھٹلانا بہت آسان ہو گیا ہے۔ یہ فریب خوردہ جماعت اپنی لاعلمی کے ماتحت بسا اوقات توہین نبوّت اور کذب باریتعالےٰ جیسے ایمان سوز اقوال کو اُنکے سامنے جائز بیان کر دیتی ہے موجودہ مسلمان اُس کے ہر ایک قول کو صحیفہ آسمانی سمجھ کر آمنّا و صدّقنا کہتے ہوئے چاہِ ضلالت میں گر جاتا ہے۔ ضرورت تھی۔ کہ ایسے وقت میں قانونی مسلمانوں کی ہدایت کیلئے ضروری اعتقادی مسائل اُن کے سامنے رکھے جائیں تاکہ وہ ایسے علمائے سُو کے دام تزویر میں پھنس جانے سے بچ جاویں چنانچہ اسی ضرورت کے مدِ نظر میرے محترم بزرگ حضرت مولانا الحاج صوفی ابو الفیض قلندر علی صاحب سہروردی نے نہایت عرق ریزی اور تحقیق سے کام لیکر اسلامی عقائد کی مختصر کتاب موسومہ بہ موعظۃ للمتقین طیار کر کے اسلامی دُنیا پہ ایک احسان عظیم فرمایا ہے جس کی تحریر مدلل۔ عام فہم اور قرآن و حدیث پر مبنی ہے مولا کریم حضرت مصنف کو جزائے خیر دے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ اسکے پڑھنے کے بعد کسی مسلمان کے دل میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔ لہذا صحیح اعتقادات کی واقفیت حاصل کرنے کیلئے مسلمانوں کے ہر گھر میں یہ کتاب موجود رہنی چاہیئے۔ فقط (ایم اکبر علی۔ بی۔ اے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اختلاف عقائد اور اسلامیان ہند کے مناقشات

جس وقت فضائے دُنیا پر ظلمت و گمراہی کے تاریک بادل ہر سو چھا گئے اور اقصائے عالم میں کفر و الحاد کا دور دورہ ہو کر تمام کائنات ظلمت کدہ بن گئی آپس کے انشقاق و افتراق نے نسل انسانی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ وحشت۔ درندگی۔ جہالت۔ بربریت نے اولادِ آدم کے قلوب قاسیہ پر نہایت مضبوطی سے قبضہ جما لیا۔ تو خدائے واحد جل مجدہٗ نے اس بھٹکی ہوئی مخلوق کی رہنمائی کیلئے تاجدارِ کائنات باعثِ تخلیق شش جہات فخر رسل سید ولد آدم، سرورِ دو عالم، نبی مختار، آقائے نامدار۔ خاتم النبیین شفیع المذنبین حضور پُر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اور حضورؐ کے ذریعہ اپنے آخری اور مکمل پیغام قرآن مجید و فرقانِ حمید کو اپنے بندوں تک پہنچایا جس نے دنیا میں آ کر تمام نسل انسانی کو امن و سلامتی، اتحاد و یگانگت کا پیغام دیتے ہوئے نفاق و افتراق کی ان عالیشان عمارتوں کو جو انسانی ناعاقبت اندیش متکبّر دماغوں نے تعمیر کر رکھی تھیں یکسر منہدم کر دیا۔ اور نہ صرف اولاد آدم کو ملکر رہنے

کا سبق ہی دیا بلکہ ان کے جسدِ بے جان میں وہ روحِ عمل پھونک دی جس سے ایک عالمگیر برادری کا ڈھانچہ مرتب ہو گیا۔ اور ہر انسان نے سمجھ لیا کہ "کل مومن اخوۃٌ" کا صحیح مفہوم کیا ہے۔

مگر افسوس کہ اسلامی اتحاد و اتفاق اور اخوّت و یگانگت کے وہ روح پرور نظّارے چشمِ فلک نادیر گوارا نہ کر سکی۔ اور سیّد المرسلین رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہان سے تشریف لے جانے کے بعد امتِ محمدیہ نے اپنی اسلامی اخوّت کی غیر متزلزل دیواروں کو اختلاف عقائد کی بے محل ضربوں سے صدمہ پہنچانے کی کوشش شروع کر دی لیکن سبحان اللہ قرونِ اولیٰ کا اختلاف بھی کیا محبت آمیز اختلاف تھا۔ کہ نیک نیتی سے صداقت کی حمایت کرنا ہر متنفس اپنا فرض تصوّر کرتا تھا۔ اور اختلاف رائے نے کبھی الجھاؤ کا وہ رنگ اختیار نہ کیا تھا جو آج چودھویں صدی کے مسلمان کا امتیازی نشان بنا ہوا ہے چنانچہ حضور علیہ السلام کے سانحہ ارتحال کے بعد ثقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت کا حل معاہدہ حدیبیہ کے وقت باوجود گری ہوئی شرطوں اور ناقابل قبول عہد نامہ کے خلاف رائے ہوتے ہوئے صحابہ کرامؓ کا متحد ہو جانا۔ اُسامہؓ بن زید کی قیادت میں بیت المقدس پر حملہ کرنے کو اولوالعزم صحابہؓ کا ماتحت ہونا پھر قائد بدلنے پر صحابہ کرامؓ کا بعد رحلت سرکارِ دو عالم یہ سوال پیدا کرنا کہ ابن زید کو ہٹا کر کوئی دوسرا تجربہ کار نبرد آزما قائد معیّن کیا جائے۔ اور اس پر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ کا یہ فرمانا۔ کہ سرکارِ دو عالم کے معیّن فرمودہ قائد کو ابن ابی قحافہ نہیں بدل سکتا۔ اور اس پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اختلاف کا رفع ہو کر سب کی گردنیں جھک جانا ایک وہ منظر ہے جس کی للّہیّت پرستی اور حق نوازی کو اغیار بھی مان گئے ہیں۔ کیونکہ یہ اختلاف نہ تو مذہبی اور

اجتماعی مسائل کو ذاتیات کا رنگ دے کر کنارا کشی گوارا نہیں کرتا تھا۔ اور نہ ہی کبھی وہ تخریب اسلام کا باعث بنا۔

بعد ازیں رفتہ رفتہ شرعی فروعی مسائل کے اختلاف نے نہایت ہولناک صورت اختیار کرلی اور وہ منحوس وقت آیا جبکہ نفاق کے دیمک نے اہل اسلام کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کی عمارت کو کھوکھلا کر دیا۔ اور نااتفاقی کی لہریں اُمتِ مرحومہ کی کشتی کو (جو پہلے ہی بحرِ حوادث میں تھپیڑے کھا رہی تھی) ہلاکت آفرین طوفان کی شکل میں غرقابی کے درپے ہو گئیں مقتضائے حال تو یہ تھا۔ کہ مسلمان واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کے ارشاد ایزدی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہدایت کے کسی امن یافتہ ساحل کی طرف رُخ کرتے۔ مگر وائے بدبختی مسلم اور بدنصیبی مومن کہ اہل کشتی نے نت نیا جھگڑا پیدا کر کے اپنی ذلت و مسکنت اور تباہی و بربادی کے خود ایسے سامان پیدا کر لئے۔ کہ خدا کی پناہ حضرت حالی شاید ان ہی بے ڈھب انسانوں کا رونا ان الفاظ میں رو گئے ہیں ؎

یہی حال دُنیا میں اس قوم کا ہے ۔۔۔ بھنور میں جہاز آ کے جس کا گھرا ہے
کنارا ہے دور اور طوفاں بپا ہے ۔۔۔ گماں ہے یہ ہر دم کہ اب ڈوبتا ہے
نہیں لیتے کروٹ مگر اہلِ کشتی
پڑے سوتے ہیں بے خبر اہلِ کشتی

گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے ۔۔۔ فلاکت سماں اپنا دکھلا رہی ہے
نحوست پس و پیش منڈلا رہی ہے ۔۔۔ چپ و راست سے یہ صدا آ رہی ہے
کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم
ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

پر اس قوم غافل کی غفلت وہی ہے ۔۔۔ تنزل پہ اپنی قناعت وہی ہے

ہوئی صبح اور خوابِ راحت وہی ہے　　ملے خاک میں پہ رعونت وہی ہے

نہ افسوس انہیں اپنی ذلت پہ ہے کچھ
نہ رشک اور قوموں کی عزت پہ ہے کچھ

کہ جس حال میں ہیں اسی میں ہیں شاداں　　بہائم کی اور انکی حالت ہے یکساں

نہ دوزخ سے ترساں نہ جنت کے خواہاں　　نہ ذلت سے نفرت نہ عزت کا ارماں

لیا عقل و دین سے نہ کچھ کام انہوں نے
کیا دین برحق کو بدنام انہوں نے

صد افسوس۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی اسلامیان ہند کی وہ منافشت بھی ہے۔ جو سرورِ کائنات فخرِ موجودات علیہ افضل التحیہ والصلوات کے مسئلہ علمِ غیب امکانِ کذب باری تعالےٰ۔ امکانِ نظیر رسول اللہ، استمداد اولیأ اللہ۔ زیارت قبور، آمین بالجہر رفع یدین رفع سبابہ دعائے بعد نماز جنازہ ختم، درود، فاتحہ خوانی، اعراس ختم چہلم، دسواں، تیجہ متوفیان اہل سنت وغیرہ وغیرہ مختلف مسائل شرعیہ کے بارہ میں پیدا ہو گئی ہے۔ جو محض علمائے سُو کی مہربانی ہے جنہیں سوائے جلب منفعت ذاتی کے مذہب کا قطعاً احساس نہیں۔ ورنہ بنظر استحسان غور کرنے سے ہر طالب حقیقت پر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ یہ تمام بکھیڑ خانی چند غلط فہمیوں کی بنا پر جن کی ابتداء ہمیشہ علمأ دیوبند کی طرف سے ہوتی پائی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ مسائل ایسے نہیں ہیں۔ جو علمائے ربّانی کی موجودگی میں مسلمانوں کیلئے ایک عقدہ لاینحل بن کر اسلامی افتراق کی خلیج کو وسیع کرنے میں معین و ممد ہو سکتے۔ فقیر نے علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کے عقائد کو اچھی طرح وزن کیا ہے۔ بحیثیت سراج الامت سیدنا امام الائمہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے مقلد انہ حنفی اہل سنت والجماعت ہونے کے بہت کم مسائل

میں کچھ غیر معمولی فروعی اختلافات رکھتے ہیں۔ جو علمائے ربانی کی ایک متحدہ نظر کرم سے دور ہو سکتے ہیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ دیوبندی مشین کے بعض وہ ردی پرزے جو محض لوگوں کی رگڑ سے اپنے پیٹ کی جلا چاہتے ہیں۔ اور غیر مقلدین سے بھی ریاکاری کے توحید پرست بن کر ان کی بداعتقادی کا جوا اپنی گردن میں ڈال لیتے ہیں۔ تاکہ ان سے بھی خراج تحسین ملتا رہے۔ اور مال ہتھیایا جاسکے۔ عوام کو چین سے صحیح عقیدہ پر زندگی نہیں گزارنے دیتے۔ مردہ جنت میں جائے یا جہنم میں ان کو اپنے حلوے مانڈے سے غرض ہے۔

اسی ذہنیت کی ایک مریض القلب اور خود پسند ہستی کوئی مولوی اشفاق علی صاحب سنبھلی ملتانی ہیں جنہوں نے حال ہی میں اپنے سلسلۂ اشاعت نمبر کے ماتحت ایک ٹریکٹ موسومہ بہ مواعظ المسلمین فی مراسم المرتحلین شائع کیا ہے جس میں انہوں نے اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت ذکر کرتے ہوئے حنفی نما وہابی ہونے کا ثبوت دیکر اہل اسلام کے لئے موت کے بعد کے وہ اعمال سوالاً جواباً درج کتاب کئے ہیں۔ جن میں بعض پر تو جماعت احناف کا عمل ہے۔ اور بفضلہ تعالےٰ جن کے کرنے میں وہ اسوۂ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دستور العمل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ تابعین تبع تابعین سے مکمل و مدلل ثبوت رکھتے ہیں۔ اور ایسا کرنے میں وہ حق بجانب وحق پرست بھی ہیں۔ مگر بعض محض عوام کو بہکانے کے لئے من گھڑت طور پر جماعت احناف کے ذمہ چسپاں کر دیئے ہیں۔ جو ایک عالم کی شان کے شایاں نہیں۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کی۔ انصاف و علم اور تہذیب و اخلاق سے پہلوتہی کر کے غصہ ناری میں علمائے احناف پر ان سوقیانہ الفاظ میں گرجے اور برسے ہیں۔ کہ خدا کی پناہ۔ بازاری بھٹیاریاں بھی علماء کی شان میں ایسی دریدہ دہنی سے

کام نہ لیں گی۔ یعنی عام جماعت احناف اور علمائے احناف کو جن مہذبانہ اور متشرعانہ الفاظ میں یاد کیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل ہیں۔ جن کو بالکل معمولی اخلاق کا آدمی بھی پڑھ کر اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ مولوی صاحب اپنی اخلاقی کمزوری میں کہاں تک ترقی کر چکے ہیں۔ مثلاً

لکھتے ہیں۔ بدعتی۔ اہل بدعات۔ مبتلائے رسومات۔ نیم ملّانوں۔ نام کے مولوی۔ پیشوائی کے مدّعی۔ علمائے حقانی کو غیر مقلد کہنے والے۔ فقہ حنفیہ کے مخالف۔ نفس پرست۔ غیر مقلد۔ بے ایمان۔ بد دیانت۔ بے دین۔ غیر مشروعہ رسومات کے حامل۔ کور دماغ۔ علمِ فقہ سے جاہل۔ حدیث سے بے خبر۔ برساتی اندھے علم سے کورے۔ فہم و فراست سے عاری۔ ہٹ دھرم۔ بدعات سے بھرپور۔ تلبیس ابلیس کرنیوالے۔ عقل کے دشمن۔ ضلالت کے شکار۔ بے علم و سوءِ فہم محروم العقل دھوکے باز۔ سنت سے دور اور بدعت سے قریب۔ قابو چیانہ چال چلنے والے جھوٹے۔ بندگانِ نفس وہوس۔ خبث باطن رکھنے والے۔ بدحواس۔ ابوجہل محروم و نابلد۔ مسلمانوں کو بہکانیوالے۔ احمق۔ شیطنیت کے حامل۔ کٹ حجت۔ بدباطن بے جا دلیل باز۔ غیر اللہ کی دوہائی دینے والے۔ منافق۔ سینہ زور۔ مردہ عقل مخرّب ایمان۔ رسومات کے پجاری۔ ہیشہ ور وغیرہ وغیرہ۔ یہ ہے مولوی صاحب کی اخلاقی حیثیت اور علمی قابلیت۔ جس کے بل بوتے پر یوں حد سے گذر رہے ہیں۔ ہم یہ مانتے ہیں۔ کہ ان کو اپنی بساطِ علمی کے مطابق عوام کو تبلیغ کا حق حاصل ہے۔ اور وہ شوق سے کریں۔ مگر یہ کیا کہ انسان کھسیانی بلّی کھمبا نوچے کا مصداق۔ تہذیب کے دائرہ سے باہر نکلکر اسقدر بے قابو ہو جائے۔ کہ اخلاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بھول جائے۔ یہ طریقۂ تبلیغ تو سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے غلاموں نے کبھی بھی اختیار نہیں فرمایا۔ بلکہ

آپ تو خلقِ عظیم کے حامل تھے۔ مولوی صاحب کو غور و فکر سے تبلیغ کرنا چاہیئے ورنہ ہر ایک منہ میں زبان رکھتا ہے۔ تہذیب و اخلاق سے گری ہوئی گفتگو اہلِ علم کے لئے کوئی خوبی کی بات نہیں۔ دل تو چاہتا ہے۔ کہ ایک ایک ناپاک لفظ کی بجائے (جو آپ نے علمائے ربّانی کی شان میں استعمال کئے ہیں) سینکڑوں سے جواب لکھوں۔ مگر داناؤں کا مقولہ یاد آتا ہے۔ کہ کوئی دیوانہ اگر گالی دے تو عقلمند اس کو گالی نہیں دیا کرتے۔ سرکارِ مدینہ کا خلق سامنے رکھنا لازم ہوتا ہے۔

مولوی جی نے جہاں اپنے کو ایک عالم دین تصور کرتے ہوئے کتاب کے آخری صفحہ پر اپنے القابات کا تانتا باندھ دیا ہے۔ کاش کہ وہاں یہ بھی خیال فرما لیتے۔ کہ آخر میری کتاب کے مخاطب صرفِ عوام کالانعام ہی نہیں۔ بلکہ علمائے کرام کی بھی ایک جماعت ہے۔ اپنی تو یہ تعریف کہ آپ اپنے منہ سے سیّد بھی ہیں۔ ہاشمی بھی ہیں۔ مولوی فاضل بھی ہیں۔ فاضل دیوبند بھی ہیں خطیب الجامع بھی ہیں۔ صدر مدرس بھی ہیں۔ مفتی بھی ہیں۔ اور صدر انجمن بھی ہیں۔ اور خدا جانے ابھی اُنہوں نے کسرِ نفسی سے کام لے کر کئی عہدے نہ بھی ذکر کئے ہوں۔ مگر بندگانِ خدا سے یہ برتاؤ۔ کیا اتنی قابلیت کا انسان یوں قلم و زبان کو جنبش دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ میں یہاں مولوی جی کو اخلاق سکھانے کے لئے اتنا ضرور کہوں گا۔ کہ یا تو مولوی جی ان اوصاف کے اہل نہیں۔ جو قلم میں یوں گندہ روانی پائی جاتی ہے۔ اور اگر واقعی فاضل ہیں۔ تو اس فاضل کا مادہ فضول سے ہوگا۔ فضل سے نہیں۔ اور صدارت بھی آپ کی محض صدر بازار کی رہائش کی وجہ سے ہے۔ ورنہ یہ اخلاق اور مومنین کے صدر جماعت۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

فقیر کو رب العزت توفیق عطا فرمائے۔ کہ دریدہ دہنی میں آپ کی مطابقت نہ کرتے ہوئے اور زبان و قلم سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالتے ہوئے آپ کی معترضانہ باتوں کا وہ جواب عرض کرے جس سے مخالفین اسلام کو ہنسنے کا موقعہ بھی نہ ملے۔ اور اہل اسلام کے سامنے حق حق اور باطل باطل نظر آجائے۔ اس وقت یہ ذکر کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا۔ کہ اس مختصر کتاب میں ان باتوں کے متعلق لکھا گیا ہے۔ جو مولوی صاحب کے نزدیک زیادہ اہمیت رکھتی تھیں۔ لہذا اس سے یہ اندازہ نہ لگا لیا جائے۔ کہ ان کی باقی تمام باتوں سے ہم کو اتفاق ہے۔ خدا نیکی اور نیک عمل کی توفیق عطا کرے۔ تو یہی چند مسائل ہدایت کے لئے کافی ہیں۔ اس کتاب کا مقصد نہ کسی پر حملہ کرنا نہ کسی کو گالی دینا۔ نہ پگڑی اچھالنا۔ اور نہ بحث و مباحثہ کی دعوت دینا ہے لہذا حق پرست حق قبول کرے گا۔ اور معاندین و مخالفین اپنی فطرت پر متحرک ہوں گے۔

ایسے ہی علمائے مریض القلب کے لئے میرے ایک محترم بزرگ نے ایک نظم لکھی ہے جسمیں بہت مختصر مگر جامع الفاظ میں حالاتِ حاضرہ کا نقشہ اور ایسے لوگوں کی بدعقیدگی کا خاکہ کھینچا ہے۔ جن کے علم و عمل میں ساری اگلی پچھلی دنیا مشرک ہے۔ میرے محترم بزرگ نے سرکارِ مدینہ نبی الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں منظوم التجا کی ہے۔ جو قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کر دینا کتاب کی زینت اور لوگوں کی ہدایت کا باعث سمجھتا ہوں۔ وہ نظم حضرت مولانا مولوی حاجی حکیم صوفی خادم علی صاحب قبلہ کوٹلوی مدظلہ کی ہے۔ نظم صفحہ ۱۳ پر ملاحظہ فرماویں۔

نظم

للہ ذرا گنبد خضرا کے مکیں دیکھ
برباد فسادوں سے ہے سب روئے زمیں دیکھ
کیا حال ہے اب دین کا اے صاحبِ دیں دیکھ
جز تیرے کوئی اس کا سہارا ہی نہیں دیکھ

جو چارہ تھا بیچاروں کا بیچارہ ہؤا دیکھ
وہ دینِ مقدس ترا صد پارہ ہؤا دیکھ

ہر گھر میں نیا دین ہے مذہب بھی نیا ہے
دیکھیں جسے وہ مجتہد عصر بنا ہے
قبلے کے تعین میں بھی خطرہ سا پڑا ہے
لڑنے میں اسی واسطے ہر قبلہ نما ہے

ہم لوگوں پہ آفت سی کوئی ٹوٹ پڑی ہے
ایکے کے ارادوں میں بھی اب پھوٹ پڑی ہے

برپا ہے مساجد میں اماموں کا تقاضا
اک کھیل نمازیں ہیں عبادت ہے تماشا
ہر اک نے طریقہ ہے نیا اپنا نکالا
اور آڑ میں مذہب کی لگا بیٹھے ہیں پھندا

کہتا ہے انہیں کون کہ کچھ کام کرینگے
ہاں آپ کے اسلام کو بدنام کرینگے

اس قوم نے اس لعل گراں مایہ کو توڑا
تھا خونِ جگر سے جسے سادات نے جوڑا
منہ دیکھ کے تجار نے ٹوٹا ہؤا۔ موڑا
بیگانوں کی صورت اسے اپنوں نے بھی چھوڑا

دنیا میں وہ پہلا سا نہ اسلام ہے باقی
باقی ہے اگر آج تو اک نام ہے باقی

پابندیٔ صلوٰت وصیام اب نہیں باقی
تمیز حلال اور حرام اب نہیں باقی

وہ سلسلہ حسن نظام اب نہیں باقی　　پہلی سی جمعیت اسلام اب نہیں باقی

ہر چیز نگل جاتے ہیں یاجوج کی صورت
اک پاؤں کے بل چلتے ہیں مفلوج کی صورت

ظاہر میں تو ہیں قائل توحید و رسالت　　باطن میں مگر آپ سے ہے ان کو عداوت
پاتے ہیں وہ نیکوں کی عداوت میں حلاوت　　ہے شکوہ کسی کا تو کسی کی ہے شکایت

اخلاص و محبت سے کوئی کام نہیں ہے
معلوم انہیں پھوٹ کا انجام نہیں ہے

وہ آپ کو کہتے ہیں بلانا بھی گناہ ہے　　اور قصہ مصیبت کا سنانا بھی گناہ ہے
اور آپ کے دربار میں جانا بھی گناہ ہے　　اور آپ کا میلاد پڑھانا بھی گناہ ہے

یا کہنے سے کیوں منع یہ بیداد نہ کر دیں
ڈرتے ہیں کہ ہم آپ سے فریاد نہ کر دیں

آ اگر توں کو تو تھام کے پھر آج بٹھا دے　　تکبیر کے نعرے سے زمانے کو جگا دے
اس آتش افسردہ کو اک پھونک لگا دے　　جو اس پہ پڑے ہیں خس و خاشاک جلا دے

خادم پہ عنایت کی اگر ایک نظر ہو
اک آن میں آباد یہ اجڑا ہوا گھر ہو

مولوی صاحب کی مجوزہ بدعت اور اس پر ایک حقیقت کشا نظر

مولوی جی نے اپنے زعم میں حنفیت کے پردہ میں وہابیت کی اشاعت کرتے ہوئے بدعت پر تبصرہ فرمایا ہے۔ کہ ہر نئی بات بدعت و گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا نتیجہ دوزخ ہے۔ اور ان الفاظ کو سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے اپنی محققانہ شان کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ ان الفاظ میں اس مقام پر کوئی حدیث نہیں نقل فرمائی گئی۔ خیر اس کے ذمہ دار مولوی صاحب خود ہیں۔ مجھے ان کی بدعتِ مجوزہ کی اس تعریف پر اظہار خیال کرنا ہے۔ کہ مولوی جی بدعت کے مفہوم کو کیا سمجھے ہیں۔ اور متقدمین کے نزدیک وہ کیا ہے۔ اگر کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار سے متقدمین بھی واقف تھے۔ اور یقیناً تھے۔ تو پھر انہوں نے بدعت کسے سمجھا۔ اور بیشمار نئی باتوں کو انہوں نے عمل کے لئے کس عقیدہ کے ماتحت جگہ دی جن کو فقیر آگے چلکر ذکر کرے گا۔ خدا کرے کہ ہر نئی بات بدعت و گمراہی کے قول کو مولوی صاحب سمجھ جائیں۔ اور موجودہ حنفیوں کے ساتھ ذاتی عناد کی بنا پر تمام متقدمین کو نعوذ باللہ گمراہ نہ خیال فرمائیں۔ یہ ایک نفسانی فریب ہے جسمیں اعمال کے ضائع ہو جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئاتِ اعمالنا

سُنیئے بدعت شرعی وہ محدث فی الدین ہے۔ جو قرآن و حدیث و آثار صحابہ و اجماع کے خلاف ہو۔ اور جو خلاف نہ ہو۔ وہ بدعتِ شرعی نہیں دُرِّ مختار میں ہے۔ ھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول۔ یعنی بدعت

اس اعتقاد کو کہتے ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معروف سے خلاف ہو۔ نور الایضاح میں ہے۔ ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ۔ بدعت وہ نئی چیز ہے۔ جو اس حق کے خلاف ہو۔ جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ فتح الباری جزء ۸ صـ۳۱۶ میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بدعت کے متعلق اپنی تحقیق ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ بدعت شرعی وہ ہے۔ جو مقابل سنت ہو۔ اگر کسی مستحسن شرعی کے ماتحت آسکے تو مستحسن ہے۔ اگر قبیح شرعی کے تحت میں آئے۔ تو قبیح ہے۔ اگر دونو کے تحت میں نہ آسکے۔ تو مباح ہے۔ اس کی اصل عربی عبارت ملاحظہ ہو۔ تطلق فی الشرع فی مقابل السنۃ فتکون مذمومۃ والتحقیق انہا ان کانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع فہی حسنۃ وان کانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فہی مستقبحۃ والا فہی من قسم المباح۔ پھر صـ۳۳۳/۲ میں فرماتے ہیں۔ کہ مبتدع وہ شخص ہے۔ من اعتقد شیئاً مما یخالف اہل السنۃ والجماعۃ۔ جو اہل سنت والجماعت کے خلاف اعتقاد رکھے۔ علامہ شامی درِ مختار جلد اول صـ۴۱۳ میں فرماتے ہیں۔ کل من ابتدع شیئاً من الخیر کان لہ مثل اجر کل من یعمل بہ الی یوم القیامۃ۔ یعنی جو شخص کوئی نیک کام۔ بنیا نکالے قیامت تک جو لوگ اُس پر عمل کرینگے۔ اُن سب کے اجر کے برابر اس نکالنے والے کو اجر ملے گا۔ اور امام نووی نے بھی شرح صحیح مسلم جلد ۲ صـ۶ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ عزیزی شرح جامع صغیر سیوطی جلد ۲ صـ۱۵ میں لکھا ہے۔ ھی ما خالفت قانون الشرع کہ بدعت وہ چیز ہے۔ جو قانون شرع کے مخالف ہو پھر علامہ شامی بدعت کے اقسام میں ایک قسم مندوبہ لکھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں

ومنہ وبۃ کاحداث نحو رباط و من مدرسۃ وکل احسان لم یکن فی الصدر الاوّل صـ۴۱۳ ج ۱۔ یعنی نئی چیز مستحب وہ ہے۔ جیسے سرائے بنانا۔ اور مدرسہ اور ہر وہ نیک چیز جو کہ زمانہ اوّل میں نہ ہو۔ اُس کا احداث مستحب ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم جلد اوّل صـ۱۹۲ میں فرماتے ہیں۔ کم من محدث حسن۔ یعنی بہت نئی چیزیں اچھی ہوتی ہیں۔ پھر آگے فرماتے ہیں۔ انما البدعۃ المذمومۃ مایصادم السنۃ القدیمۃ ویکاد یقضی الی تغیرھا۔ ترجمہ بُری بدعت وہ ہے۔ جو سنتِ قدیمہ کے خلاف اور اُس کی مغیر ہو۔ پھر جلد ۲ صـ۲۲۳ میں فرماتے ہیں۔ وقول القائل ان ذالک بدعۃ لم یکن فی الصحابۃ فلیس کل مایحکم باباحۃ منقولا عن الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم انما المحذور بدعۃ تراغم سنۃ ماموراًبھا اور ایسا ہی صـ۲۴۷ ج ۲ میں بھی ہے۔ یعنی یہ کہنا۔ کہ یہ بات بدعت ہے۔ اسلئے کہ صحابہ میں نہ تھی۔ (صحیح نہیں)، کیونکہ کل مباحات صحابہ سے منقول نہیں ہیں بدعت وہ ہے۔ جو سنت کے مخالف ہو۔ اور جس امر کی ممانعت شرع میں وارد نہیں ہوئی۔ اس کو بدعت یا مکروہ کہنا لائق نہیں۔ اسی طرح نواب قطب الدین مظاہر حق میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ اشعۃ اللمعات میں اور شاہ عبدالعزیز تفسیر فتح العزیز میں لکھتے ہیں

علامہ اسمٰعیل حنفی تفسیر روح البیان جلد ۴ صـ۱۷ میں تحریر فرماتے ہیں۔ البدعۃ ھی الفعلۃ المخترعۃ فی الدین علی خلاف ماکان علیہ النبی علیہ السلام۔ کہ بدعت وہ فعل ہے۔ جو دین میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف پیدا کیا گیا ہو۔ پھر اسی جلد کے صـ۲۵۷ میں لکھتے ہیں۔ جمیع ماابتدعہ العلماء والعارفون مما لم تصرح

الشریعۃ بالامربہ لایکون بدعۃ الا ان خالف صریح السنۃ فان لم یخالفھا فھو محمود۔ یعنی وہ سب کام جن کو علماء اور عارفین نے نکالا ہے۔ جن کے امر کی شریعت میں تصریح نہیں۔ وہ بدعت نہیں۔ البتہ وہ بدعت ہے۔ جو صریح سنت کے خلاف ہو۔ اگر خلاف نہ ہو تو اچھا ہے۔

علامہ تفتازانی شرح مقاصد جلد ثانی ص۲۷۱ میں فرماتے ہیں۔ ومن الجھلۃ من یجعل کل امر لم یکن فی زمن الصحابۃ بدعۃ مذمومۃ وان لم یقم دلیل علی قبحۃ الاخر۔ ترجمہ۔ بعض جاہل ہر اس امر کو جو زمانہ صحابہ میں نہ ہو۔ بدعت مذمومہ کہتے ہیں۔ اگرچہ اس کے قبح پر کوئی دلیل نہ ہو۔

کیوں جی مولوی صاحب! بدعت کا مفہوم سمجھ میں آیا یا نہیں۔ کہ وہ کیا ہے۔ اور کسے کہتے ہیں۔ صاحب درمختار کے قول سے لے کر علامہ تفتازانی کے ارشاد تک اس تمام بحث و تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا۔ کہ اُن کی تحقیق کے مطابق ہر نئے کام کو بدعت نہیں کہتے۔ بلکہ بدعت کا مفہوم شرح شریف میں ہر اُس نئے کام یا قول یا اعتقاد سے ہے۔ جو قرآنِ کریم یا حدیث شریف یا آثار صحابہ یا اجماع اُمت کے خلاف ہو۔ بقول صاحب دُرمختار جو کام قول یا اعتقاد معروف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو۔ بدعت نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجر نے سنت کے مقابلہ میں مخالفت کرنے والے قول و فعل یا اعتقاد کو بدعت فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا ہے۔ کہ اہل سنت والجماعت کے خلاف اعتقاد رکھنے والا (وہابی۔ نجدی۔ دیوبندی۔ شیعہ۔ چکڑالوی خارجی غرضیکہ تمام غیر اہل سنت فرقے بدعتی ہیں۔ صرف ایک اہل سنت والجماعت بدعت سے الگ ہیں۔ اور علامہ شامی نے تو نہایت بہترین طریق پر اس

قول کی دکہ ہر ایک نیا کام بدعت ہے تردید فرماکر مسئلہ صاف کر دیا۔ کہ جو شخص کوئی نیا نیک کام نکالے۔ قیامت تک اس پر عمل کرنیوالوں کے ثواب کے برابر اُس کو بھی مولا کریم ثواب عطا فرمائے گا۔ بلکہ اس کا احداث اپنے مستحسن ہونے کی وجہ سے مستحب امر ہے۔ گو زمانہ اوّل میں نہ ہو۔ مگر یہاں مولوی صاحب بدعت کی فکر میں اسقدر گھلے جاتے ہیں۔ کہ نہ متقدمین کی تحقیق کا خیال۔ اور نہ اپنی بے راہ روی کا ڈر۔ بے تحاشہ قلم اُٹھائے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ بدعت شرعی ہمیشہ مردود و سیئہ ہوتی ہے۔ اُس کو حسنہ سمجھنا شیطانی فریب و دھوکا ہوگا۔ اور حوالہ دیا حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات کا۔ جن کے نزدیک ذکر جہر۔ تصوّر شیخ۔ استمداد عن الغیر۔ علم غیب۔ اتباع پیر۔ استمداد من اہل القبور زیارت روضۂ نبی علیہ السلام اور یا شیخ کا وظیفہ اور حضورؐ کو حاضر و ناظر سمجھنا سب جائز و ثواب ہیں۔ اگر مولوی صاحب کے سامنے ان کی زندگی اور اُن کے تمام اعمال پیش کیے جائیں۔ تو یقیناً بے ہوشی طاری ہو جائے۔ اور سوائے چند مطلب کے مسائل کے حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام اعمال و اقوال کا کبھی اتباع کرنے کو تیار نہ ہوں۔ واہ کیا ہے شان آپ کی مسلمانی کی ٭

اور حجۃ السلام امام غزالی علیہ الرحمۃ نے تو اس فریب میں مبتلا ہونیوالوں کو بالکل ہی متنبہ کر کے اس وہم کو قطعاً دور کر دیا ہے۔ کہ بدعت سنتِ قدیمہ کے خلاف اور مُغیر کا نام ہے۔ اور محض تبلیغ وہابیت و نجدیت کے ماتحت بہ ظاہر ہانک دینا کہ فلاں بات بدعت ہے۔ اس لئے کہ زمانۂ صحابہ میں نہ تھی صحیح نہیں۔ کیونکہ کلّی مباحات صحابہ سے منقول نہیں۔ نہ عدم نقل عدم و تورع کو مستلزم ہو سکتا ہے۔ یعنی کسی چیز کا ہم تک بذریعہ نقل نہ پہنچنا۔ اس بات کو مستلزم نہیں

کہ اس کا وقوع بھی نہیں ہُوا۔ مثلاً کوئی حادثہ کسی مقام پر ہُوا ہے۔ لیکن اُس کی خبر ہم تک نہیں پہنچی۔ تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہمیں اس حادثہ کی خبر نہیں۔ مگر یہ نہیں کہہ سکیں گے۔ کہ چونکہ ہمیں خبر نہیں۔ لہذا وہ حادثہ ہُوا ہی نہیں۔ مثلاً ایک فعل ایسا ہے۔ جس کی ممانعت قرآن و حدیث میں نہیں۔ اور ہمیں معلوم نہیں ہُوا۔ کہ یہ کام حضورؐ علیہ السلام کے زمانہ میں ہُوا ہے یا نہیں تو ہمیں اُس کے نہ ہونے کا علم ہے نہ نہ ہونے کا۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ فی الواقع وہ کام اس زمانہ میں نہیں ہُوا۔ ممکن ہے۔ ہُوا ہو۔ اور ہمیں اُس کی نقل نہ پہنچی ہو۔ تو یہ ارشاد حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ بدعت وہ ہو گی۔ جو سنت کے مخالف ہو۔ اور جس امر کی ممانعت شرع شریف میں وارد نہیں ہوئی۔ اُس کو بدعت یا مکروہ کہنا لائق نہیں۔ کیا مولوی صاحب کے استدلال کے خلاف جا کر ان باتوں کو بدعت نہ ماننے سے بقول مولوی صاحب موجودہ بدعتی حنفیوں کی طرح یہ تمام متقدمین اور حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ جن کا عقیدہ اُوپر ذکر کیا گیا ہے نعوذ باللہ بدعتی ہیں۔ اگر ان پر بھی یہی فتویٰ ہے۔ تو مولوی صاحب اپنے دماغ کا علاج کرائیں۔ کیونکہ ان کی تحقیق کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ اس پر حضرت علامہ اسمٰعیل حنفی کا یہ ارشاد بدعت کے مطلب میں بالکل واضح ہے۔ کہ دین میں جو فعل رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف پیدا کیا گیا ہو۔ وہ بدعت ہے۔ اور جو کام علماء و عارفین نے نئے نکالے ہیں جن کے متعلق شریعت میں کوئی تصریح موجود نہیں۔ وہ بدعت نہیں۔ یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور نواب قطب الدین مرحوم کا فتویٰ ہے۔ اور اگر ہر نئی چیز بدعت ہے۔ تو مولوی صاحب خود سرتاپا بدعت آپ کا مطبوعہ کتب خانہ بدعت۔ پریس میں چھپے ہوئے اعراب دار قرآن کریم

کی تلاوت بدعت ۔مطبوعہ کتب حدیث بدعت ۔کتب نحو وصرف بدعت تقلید شخصی بدعت۔ آلہ جہیر الصوت یعنے لاؤڈ سپیکر سے نمازوں میں مکبّروں کا کام لینا بدعت ۔ریکارڈوں اور گراموفونوں میں قرآنِ کریم کا بھروانا۔ وعظوں کا درج کرنا۔ اذانوں کا دینا اور سُننا بدعت ۔ریڈیو پر تقریریں اور اُن کا سُننا بدعت اور ریڈیو کا جہیز میں لڑکیوں کو دینا بدعت ۔ اور چکّی ۔ مصلّے اور تین کپڑوں کے علاوہ جہیز میں رسموں کی پابندی بدعت ، بازوؤں پر یا جیب میں گھڑیوں کا رکھنا بدعت ۔ریل ۔ہوائی جہاز موٹر۔ سائیکل وغیرہ وغیرہ کی بیع اور شرا اور سواری بدعت ۔پان اور کتھے چونے کا کھانا بغیر ضرورت شرعی بدعت ۔ دیوبند کا مدرسہ اور سندیں اور دستارِ فضیلت کی تقسیم بدعت ۔کفّار سے غلامانہ ذہنیت کے ماتحت اتحاد بدعت کانگرس کا وجود بدعت ۔غرضیکہ کئی زندگیوں کو نئے اسباب کے ماتحت گزارنے کے لئے کس کس چیز پر بدعت کا فتویٰ لگایا جائے ۔اگر مولوی صاحب ان کی بے جا تاویلیں کر سکتے ہیں۔ تو میّت کے پاس تلاوت قرآن ۔ اور بوقت موت منادی کرانے وکورے گھڑے غسل کے لئے مہیّا کرنے ۔بعد نماز جنازہ دعا مانگنے سورۂ فاتحہ پڑھ کر ایصالِ ثواب کرانے اور مال صدقہ وخیرات واسقاط کو ایک دوسرے کی ملک کرنے ۔قبرستان جاتے ہوئے ذکر الٰہی پکارنے ۔قبر کو پختہ اور بلند بنوانے ۔میت کے گھر پر جمع ہو کر میت کے پسماندگان کی دلجوئی کرنے ۔ختم ۔تیجا ۔ساتواں ۔چہلم کے ایّام مقرر کرنے وغیرہ وغیرہ کے جواز میں بھی دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں ۔اور یہ تمام افعال مندوب ثابت ہو جائیں گے ۔ انشاءاللہ جس کو آگے ذکر کیا جائے گا ۔ انسان میں خوفِ خدا ہو ۔ اور ہٹ دھرمی یا تعصب کام نہ کرے ۔ تو حق حق اور باطل باطل نظر آجاتا ہے ۔

ان عام مسائل پر ٹکریں مار کر لوگوں کو بہکانے سے آپ مجاہد نہیں ہو سکتے جن کی اصل کے قریباً تمام کے تمام ہی متقدمین قائل ہیں۔ مگر یہاں بڑی مصیبت تو مطلب پرستی کی ہے۔ اتباع سنت کا کسے فکر۔ اور یہ ظلمت یہاں تک بڑھ گئی۔ کہ مولوی صاحب خود سُنت و بدعت میں فرق نہیں رکھتے۔ اسی طرح کا ایک مطلب پرست اور برائے نام متبع سُنت چوہدری کریم بخش ہوا ہے جس نے اپنے خالہ زاد بھائی نبی بخش کے ہاں لڑکے کی منگنی کی۔ جب شادی کا موقع آیا۔ اور آپ نے شادی میں تمام رسومات جائز و ناجائز کو جن پر کچھ رقمیں خرچ ہو سکتی تھیں۔ ناجائز ٹھہرا دیا۔ اور نبی بخش سے کہا۔ کہ میں نکاح مسنون کروں گا۔ اُس نے کہا بسم اللہ چشم ما روشن۔ دلِ ما شاد۔ اتباع سنت سے بڑھکر اور کونسی نیک بختی ہے۔ چنانچہ نکاح کی تاریخ معین ہوئی۔ (جس کے تعین کو آج دیوبندی ملاں بات بات میں ناجائز قرار دیتے ہیں) اور چوہدری کریم بخش معہ صاحبزادہ کے سمدھیانے میں آدھمکے۔ چوہدری نبی بخش صاحب نے بھی سنت پر عمل پیرا ہو کر لڑکی کا نکاح کر دیا۔ اور بعد ازاں مسنون کھانا۔ اُبلا ہُوا کدّو۔ اور ان چھنے پسے ہوئے جو کے آٹے کی روٹیاں اور ساتھ ہی کھجوریں براتیوں کے سامنے (جس میں چوہدری کریم بخش کے علاوہ بڑے بڑے رئیس اور خان بہادر شامل تھے) پیش کر دیں۔ پھر کیا تھا مسنون کھانا دیکھ کر سب کے حلق سوکھ گئے۔ نہ ہاتھ آگے۔ نہ ہاتھ پیچھے۔ چوہدری کریم بخش پر دنیوی بے عزتی کا ایسا احساس سوار ہوا۔ کہ چہرہ زرد۔ اور سنت کی سب تابعداری بھول گئی۔ لگے غش آنے۔ سمندھی نبی بخش کو پوچھا۔ کہ یہ کیا کیا۔ اُس نے کہا۔ سنت ادا کی ہے۔ اگر کوئی ناجائز کام ہُوا ہو۔ تو معافی دیجئے اب خود کردہ را علاجے نیست۔ بے حد پریشان ہوئے۔ نہ پائے رفتن نہ جائے

ماندن۔ آخر بولے تو کہنے لگے۔ کہ تُو نے اتنے بڑے آدمیوں میں میری ناک کاٹ دی ہے۔ اُس نے کہا سُنت کی تابعداری میں کٹتی ہے۔ تو اس کمبخت کو کٹنے دو۔ اور اپنے خدّام کو کہا۔ کہ یہ برتن اُٹھالو۔ اور دوسرا کھانا جسے یہ لوگ خلاف سُنت کہکر خوشی سے کھاتے ہیں۔ ان کے سامنے لے آؤ۔ تاکہ یہ سُنت کے مُدعی خوش ہو جائیں۔ پھر پلاؤ۔ قورمہ۔ زردہ۔ چٹنی۔ نان۔ کوفتے فرنی جب آگئی۔ تو کریم بخش کی باچھیں کھلیں۔ مگر ندامت سے سر نہ اُٹھا سکا نبی بخش کہنے لگا۔ کہ آئندہ سُنت کے مطابق عمل کرنے کے بہانہ سے خرچ میں تخفیف کرنے کیلئے شادی کا اہتمام نہ کیا کرنا۔ یہ اتباع سنت نہیں۔ بلکہ سراسر نفس پروری اور مطلب پرستی ہے۔

اسیطرح سنت رسولِ کریم علیہ السلام کا دعوےٰ اتباع آج سینکڑوں نام نہاد موحدوں کو ہے۔ لیکن شکم پروری میں بہے جاتے ہیں۔

ہم بفضلہ تعالےٰ یہ آپ پر واضح کر دیں گے۔ کہ آپ کے تمام اقوال اور اپنے مطلب کے حوالہ جات جو کتاب مراسم المرتحلین میں درج کئے گئے ہیں۔ کہاں تک صحیح اور حق بجانب ہیں۔ آپ کا سب سے پہلا حوالہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا جو محاسن الاسرار سے آپ نے بدعت کی حقیقت میں درج کتاب ہذا کیا ہے۔ اس ضرورت کا مقتضی ہے کہ بالاختصار اس پر بھی روشنی ڈال دی جائے۔ تاکہ اہل حق اور اہل علم حضرات اسکی صدق بیانی سے واقف ہو جائیں۔ اور معلوم فرما لیں۔ کہ اس روایت میں ذاکرین کے ذکر کرنے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ کے ان کے خلاف ارشاد فرمانے میں کونسی حقیقت تھی۔ اور اب ہمارے لئے اس میں کونسا حکم پوشیدہ ہے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد میں تکبیر تہلیل و تسبیح سو سو بار پڑھنے

والوں کو فرمایا۔ تم لوگوں نے نہایت تاریک بدعت اختیار کر لی ہے۔ یا تم اصحاب کرام سے بڑھ گئے ہو۔ یہ ارشاد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ کا محض اس لئے تھا۔ کہ وہ ذکرِ جہر کو اپنے مذہب کے خلاف سمجھتے تھے۔ ورنہ محض تکبیر تسبیح۔ تحمید کا سو سو بار پڑھنا۔ اور مساجد میں آہستہ پڑھنا۔ حدیث مرفوع میں ثابت ہے۔ دیکھو ترغیب امام منذری تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے برگزیدہ اور عاشقِ نبی کریمؐ صحابی مرفوع حدیث کی مخالفت نہ فرما سکتے تھے۔ کہ تکبیر تسبیح۔ تحمید کے ذکر خفیہ کو بھی منع فرما دیتے۔ بلکہ اُن کا منشا اس طریق تلاوت کی مخالفت کرنا تھا۔ جو ذکرِ جہر کی صورت میں پیدا کر لیا گیا۔ پھر یہ بھی غور طلب بات ہے۔ کہ مولوی صاحب کی تعریف بدعت کے مطابق کہ اس کا وجود تین زمانوں (نبی کریم۔ صحابہ۔ تابعین) میں نہ پایا جائے۔ اور ادلہ اربعہ سے اس کی اصل نہ ہو۔ معلوم ہو گیا ہے۔ کہ یہاں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار ذاکرین پر جن کا زمانہ ان تین زمانوں میں سے ایک تھا۔ جن میں اگر کوئی امر ایجاد ہو۔ تو آپ کے نزدیک بھی بدعت نہیں ہوتا۔ پھر جس امر پر انکار ہو۔ اُس کا اصل بھی موجود ہو۔ تو ذاکرین کا ذکر اُس زمانہ میں ہونے کی وجہ سے بدعت نہ ہوا۔ بدعت کی تعریف اگر وہی صحیح ہے۔ جو آپ نے کی ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا انکارِ ذکر مطلق صحیح نہیں۔ اور اگر ان کا انکار صحیح ہے۔ تو جو تعریف بدعت کی کی گئی ہے۔ وہ غلط ہے۔ فافہم۔

ان کنت لا تدری فتلک مصیبتہ　　وان کنت تدری فالمصیبتہ اعظم

کفنی لکھنے کا شرعی حکم

مولوی صاحب نے منجملہ ان مسائل کے جو کتاب مراسم المرتحلین میں لکھے ہیں۔ ایک مسئلہ کفنی پر برائے حصول ثواب یا حفظ از عذابِ قبر کے لئے بعض کلمات طیبات لکھنے کا بھی ذکر کیا ہے۔ جسمیں آپ نے شامی کا حوالہ دیتے ہوئے بڑی چھلانگ ماری ہے۔ تو ابن صلاح کے فتوے کی ڈیڑھ سطر نقل کر کے لکھ دیا ہے۔ کہ کفن پر سورۂ یاسین و کہف وغیرہ لکھنا ناجائز ہے۔ کہ مردے کی پیپ سے بے ادبی ہوگی۔ پھر لکھا ہے۔ کہ اگر ان جیلے حوالوں سے جنت مل جایا کرتی۔ تو پھر ایمان و عمل صالح کی کیا ضرورت ہوتی۔

واہ مولوی صاحب واہ۔ کیا اتباع سنت وحدیث ہے۔ کہ ابن صلاح کے فتویٰ کے بغیر تعصب کی پٹی باندھے ہوئے حدیثوں تک کو نہ دیکھ سکے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاکیزہ ومبارک عمل کو بھی پس پشت ڈالدیا۔ اور ایک موجب ثواب فعل کو بدعقیدگی و امر بدعی سے تعبیر کر کے متبع سنت ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے عوام کو حقیقت مسئلہ سے دور رکھنے کی سعی کی۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ اپنی علمی قابلیت سے معذور ہیں یا صحت عقیدہ سے مجبور۔ خدا آپ کو عقیدۂ حقہ کی توفیق رفیق فرمائے۔ کفنی لکھنے کا مسئلہ یوں ہے۔ کہ کفنِ میّت پر کلمہ شریف۔ عہدنامہ یا اور کلمات طیبات لکھنے صرف جائز ہی نہیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے موجب ثواب اور عذابِ قبر سے محفوظ کرنیوالے اور منکر و نکیر کو اہل قبر کی نظر سے پوشیدہ رکھنے والے بیان فرمایا ہے۔ نہ

یہ منع ہے۔ نہ ناجائز ہے۔ نہ مکروہ۔ نہ بدعت۔ اس لئے کہ ان کے منع اور کراہت ہونے میں کوئی حکم شرعی نہیں۔ اور نہ یہ کسی آیت و حدیث مرفوع یا موقوف یا اجماع کے خلاف ہے۔ بلکہ ہمارے علمائے کرام نے فرمایا ہے۔ کہ میّت کی پیشانی و کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے اُمیدِ مغفرت ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں بروایت معمر عن عبداللہ بن محمدؒ بن عقیل آیا ہے۔ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہ سے پانی منگوایا اور غسل کیا اور کفن منگوایا اور پہنا۔ خوشبو لگائی۔ پھر حضرت علیؓ کو فرمایا۔ کہ وفات کے بعد نہ کھولنا۔ اور اسی طرح کفن میں لپیٹ دینا۔ راوی کہتے ہیں۔ مَیں نے اُن سے پوچھا۔ کہ کیا آپ جانتے ہیں۔ کسی اور نے بھی ایسا کیا ہو۔ تو فرمایا کہ ہاں کثیر ابن عباس ابنِ عبدالمطلب نے ایسا کیا تھا اور اُنہوں نے اپنے کفن کے اطراف پر لکھا کہ کثیر بن عباس اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یہ کثیر بن عباس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور صحابی ہیں۔ جنہوں نے خود اپنے کفن پر کلمہ شہادت لکھا۔ اس حدیث میں کفن پر کلمہ شہادت لکھنے کی تصریح موجود اور یہ حدیث اس مسئلہ میں نص ہے۔ کیونکہ صحابی کا فعل جواز و استحباب کے لئے کافی ہے۔ مگر ان حضرات مدعیانِ عمل بالحدیث کے لئے عمل بالحدیث کہاں نصیب۔ ان کے لئے حدیث کے مقابلے میں اپنا اتنا اجتہاد ہی کافی ہے۔ کہ حدیث ہے تو ہُوا کرے۔ چونکہ مردہ کی آلائشوں سے ملوث ہو کر بے ادبی ہوگی۔ لہٰذا ناجائز۔ پھر ان کو کبھی تو یاد نہیں۔ کہ تمام مردوں کے اجسام قبر میں خراب ہو جاتے ہیں۔ یا بعض کے نہیں بھی ہوتے۔ مثلاً یہ جو ذکر کیا گیا ہے۔ کہ دس شخصوں انبیاؑ۔ اولیاؒ۔ علمائے دینؒ۔ شہدا۔ حفاظؒ۔ موذنؒ۔ کہ للہ

اذاں کہا کرتا ہو۔ سرحد اسلامیہ پر حفاظت بلاد اسلامیہ کے لئے قیام رکھنے والا۔ طاعون سے مرنے والا۔ صابرؓ و طالبِ ثواب۔ ذکرِ الٰہی بکثرت کرنے والا۔ بے گناہ بندہ۔ کے اجسام قبروں میں سلامت رہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہؤا۔ کہ اگر کسی کی پیپ وغیرہ نکلنے کا شبہ نہ ہو۔ تو مولوی جی کے نزدیک بھی کلمہ طیبہ وغیرہ کفنِ میت پر لکھنے میں کوئی ہرج نہیں۔ کیونکہ ان کی نہ لکھنے والی رائے غائب ہو گئی ہے۔ پھر اگر انہی سے مسئلہ پوچھا جائے۔ کہ پُرانے قرآنِ کریم جن کا کاغذ بوسیدہ ہو گیا ہو۔ کیا کئے جائیں۔ تو یہی فتویٰ دیں گے۔ کہ قبروں میں دبا دو۔ حالانکہ بے ادبی کا امکان وہاں بھی باقی ہے۔ کیا آبِ زمزم کی تعظیم مسلمہ نہیں۔ اور کیا اُس کے استعمال میں اس بے ادبی کا احتمال نہیں ہوتا۔ پھر وہاں بے ادبی کیوں مباح کر دی گئی۔ یہ ادب بھی محض عوام الناس کے مغالطہ کا ایک ہتھیار تیار کر لیا ہے ورنہ بے ادب ہونے کو تو خدائے واحد جل وعلا مجدہٗ اور افضل المرسلین محبوبِ خدا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہو جاتے ہو۔ بلکہ بے ادب نہ ہونیوالے کو مُشرک کا فتوےٰ بھی دے دیا جاتا ہے ؎

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

اس کے علاوہ امام ترمذی حکیم الٰہی سیدی محمدؐ بن علی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی ہے۔ کہ خود حضورؐ پُر نور سرورِ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من کتب ھٰذہ الدعاء وجعلہ بین صدر المیت وکفنہ فی رقعۃ لم ینلہ عذاب القبر ولا یری منکرا ونکیرا وھو ھٰذا۔ ترجمہ۔ یعنی جو یہ دعا لکھ کر میت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھ دے اُس کو عذاب قبر نہ ہو نہ منکر ونکیر اس کو نظر آئیں۔ اور وہ دعا یہ ہے۔ لا الٰہ

الا اللہ واللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد لا الٰہ الا اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ایسا ہی امام اجل طاؤس تابعی شاگردِ رشید سیدنا حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے مروی ہے۔ کہ اُنھوں نے اپنے کفن میں عہد نامہ لکھے جانے کی وصیّت فرمائی اور حسب وصیت اُن کے کفن میں لکھا گیا۔ امام نصیر نے فعل امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اس عہدنامہ کفن پر لکھنے کی تائید و تقویت کی ہے۔ اور علامہ مدقق علائی نے درِ مختار میں اس پر اعتماد فرمایا ہے۔ امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہدنامہ کی نسبت فرمایا۔ اذا کتب ھٰذہ الدعاء وجعل مع المیت فی قبرہ وقاہ اللہ فتنۃ القبر وعذابہ۔ جب یہ دعا لکھ کر میّت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں۔ تو اللہ تعالےٰ اسے سوالِ نکیرین و عذابِ قبر سے امان دے۔ پھر یہی امام ایک دوسری دعا کے متعلق فرماتے ہیں۔ من کتب ھٰذہ الدعاء فی کفن المیت رفع اللہ عنہ العذاب الی یوم ینفخ الصور وھو ھذا۔ یعنی جو یہ دعا میت کے کفن میں لکھے۔ اللہ تعالیٰ قیامت تک اُس سے عذاب اُٹھالے۔ اور وہ دعا یہ ہے۔ اللھم انی اسئلک یا عالم السر یا عظیم الخطر یا خالق البشر یا موقع الظفر یا معروف الاثر یا ذا الطول والمن یا کاشف الضر والمحن یا الٰہ الاولین والاخرین فرج عنی ھمومی واکشف عنی غمومی وصلی اللھم علی سیدنا محمد وسلم۔ اسی طرح امام ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں ایک تسبیح کی نسبت جسے کہا جاتا ہے۔ کہ اس کا فضل اور اس کی برکت

مشہور و معروف ہے۔ بعض علمائے دین سے نقل کیا ہے۔ کہ من کتبہٗ و جعلہٗ بین صدر المیت وکفنہٖ لا ینالہ عذاب القبر ولا ینالہ منکراً ونکیراً ولہ شرح عظیم وھو دعاء الانس۔ یعنی جو اسے لکھ کر میت کے سینہ اور کفن کے بیچ میں رکھ دے۔ اُسے عذاب قبر نہ ہو نہ منکر و نکیر اُس تک پہنچیں۔ اور اس دعا کی شرح بہت عظمت والی ہے۔ اور وہ چین اور راحت کی دعا ہے۔ اسی طرح بوضاحت درِ مختار میں لکھا ہے کہ مُردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ امام کردری کتاب الاستحسان میں لکھتے ہیں۔ ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبھۃ المیت او علی عمامتہ او کفنہٖ عھد نامہ یرجی ان یغفر اللہ تعالیٰ للمیت ویجعلہ امنا من عذاب القبر ترجمہ۔ امام صفار نے ذکر فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے۔ تو امید ہے کہ اللہ تعالےٰ اُسے بخشش دے۔ اور عذاب قبر سے مامون فرمائے۔ لیجئے مولوی صاحب یہ ہے کفنی لکھنے کا حکم شرعی۔ اگر" اس پر بھی نہ سمجھو۔ تو پھر تم سے خدا سمجھے"۔ اگر یہ شرعی حیلے حوالے اور خدا کا نام میت کے شامل حال ہونا میت کی نجات کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔ تو پھر حضرت آپ کی نجات ہی مشکل ہے رب العزت جل شانہٗ کا نام ساتھ رکھنے والے تو ضرور بفضلہٖ تعالےٰ نجات پاویں گے۔ کیونکہ شعر

رحمتِ حق بہانہ می جوید
رحمتِ حق بہانمی جوید

مسئلہ اسقاط

مسئلہ اسقاط ایک وہ مسئلہ ہے۔ جس کو متقدمین و متاخرین نے صرف ذکر ہی نہیں فرمایا۔ بلکہ اُس پر عمل بھی کرتے رہے ہیں۔ اور تو اور مولوی سنبھلی صاحب جیسے حنفی نما وہابی بھی مسئلہ اسقاط کے اس عمل و طریق کے قائل ہیں جو پنجاب میں کچھ کچھ تبدیلی صورت سے رائج ہے۔ جس کی تشریح مولوی صاحب اپنی کتاب کے ص۱۹۴ میں چار طریق بیان فرما کر یوں کرتے ہیں۔ اور دو رنگی دکھاتے ہیں۔

"کہ بعد دفن ملاں یا فقیر سے کہا کہ یہ قرآنِ مجید اللہ کا کلام انمول و بے حساب قیمت کا ہے۔ اس لئے میت کے ذمے جتنے نماز روزے و دیگر واجبات و کفارات و گُناہ وغیرہ وغیرہ ہیں۔ ان سب کے بدلے ہم تجھے یہ قرآن دیتے ہیں۔ تو نے قبول کیا۔ وہ ملاں یا فقیر کہتا ہے۔ ہاں قبول کیا"۔

دوسرا طریقہ یہ بھی مرّوج ہے۔ کہ چند آدمی کھڑے ہو گئے۔ اور قرآن مجید کو ایک دوسرے کے ہاتھ میں دے کر کہنا شروع کیا۔ کہ جو گناہ و کفارات نماز وغیرہ وغیرہ اس مُردے کے ذمے ہیں۔ اس کے بدلے یہ انمول قرآن تمہیں بخشا۔ اس نے کہا۔ قبول کیا۔ اسی طرح کچھ دیر قرآن مجید کو پھرانے اور کہنے کا دور جاری رہتا ہے۔ تا آنکہ مُلاں جی کی مِلک ہو جاتا ہے۔ پس یہ اسقاط کے دونو طریقے ناجائز و بدعت ہیں۔

اس عبارت کے بعد مولوی صاحب نے اپنی فصاحت و بلاغت کے ماتحت (میٹھا میٹھا ھڑپ اور کڑوا کڑوا تھو) کی تشریح فرماتے ہوئے یہاں

تک کہہ دیا ہے۔ کہ یہ خدا کو دھوکا دینا ہے۔ اور یہ بازار سے خریدتے وقت قرآنِ کریم کے بے حساب ہونے کا خیال نہیں کرتے۔ اور روپیہ کی جگہ دس بارہ آنے دینے کے لئے جھگڑ جھگڑ کر خریدتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ملخصاً۔

پھر لکھتے ہیں۔ کہ اس اسقاط کے طریقہ کا سلف صالحین سے بالکل ثبوت نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں قرآنِ مجید کی بے ادبی و بے حرمتی ہے۔ کہ مُردے کے ساتھ قرآنِ مجید کا جنازہ نکالتے ہیں۔ اور یہ گناہ و جرم ہے۔ ملخصاً۔

آگے چلکر آیت وازرۃٌ وزر اخریٰ محض اس لئے لکھکر کہ کوئی یہ نہ کہے کہ مولوی جی کو قرآن کی کوئی آیت یاد نہیں۔ یا لکھ نہیں سکتے۔ یہ فرد جرم لگاتے ہیں۔ کہ فرمانِ خداوندی کے خلاف یہ عقیدہ جمانا۔ کہ میت کے گناہوں کے بدلے میں یہ چند پیسے یا روپیہ وغیرہ فدیہ بن گئے۔ الاخر باطل و مردود ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہیں مولوی صاحب کے ارشادات محققانہ جو اسقاط کے عدم جواز میں لکھے گئے ہیں۔ مندرجہ بالا تمام عبارات کا مفہوم یہ ہے۔ کہ اسقاط کرانا حرام۔ ناجائز۔ مردود و باطل ہے۔ چونکہ آپ کو یہ بھی یاد تھا۔ کہ متقدمین میں اور اپنی جماعت کے اکابر علماء میں یہ فعل پایا جاتا رہا ہے۔ اور اس پر فتوے بھی دیتے رہے ہیں۔ اور وہ فتوےٰ بھی منہ پر آئیں گے۔ پھر آگے چلکر خود ہی مسئلہ اسقاط کو صریح الفاظ میں جائز۔ ثواب اور اسقاط ذنوب کا ذریعہ تسلیم کر گئے ہیں۔ اور سر کے اُوپر سے ہاتھ گھما کر ناک کو پکڑتے ہیں۔ اسے مولوی جی کی چال سمجھئے۔ یا دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔ خیال فرمایئے بہرحال

مولوی جی دبی زبان میں نہیں بلکہ علانیہ طور پر اقرار کرتے ہیں۔ کہ اسقاط جائز۔ ثواب اور لازم ہے۔ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ اپنی طرف سے جواب عرض کرنے سے قبل مولوی جی ہی کی وہ عبارات نقل کردوں۔ جو آپ کے اپنے قول کی آپ ہی تردید ہیں۔ اس کے بعد بطور تفہیم جو تواضع ہوگی اپنی طرف سے بھی کردی جائے گی۔ صفحہ ۸۶ پر لکھتے ہیں:-

"اسقاط کرنے والوں نے) رواجی اسقاط کرکے بجائے اسقاط ذنوب وگناہ کے اپنے ایمان کا اسقاط کرالیا"۔

اس عبارت سے مولوی صاحب کا اصلی عقیدہ اور صحیح منشا معلوم ہو گیا۔ کہ اسقاط ذنوب وگناہ کے لئے اسقاط کرانا جائز ہے۔ مگر ایسے طریق پر نہیں جس سے دوسرے مُلّاں یا فقیر کھا جائیں۔ اور ان بزرگوں کو کوئی صُلح تک نہ کرے۔ آخر یہ بھی تو ملتان شریف میں ہی رہتے ہیں۔ لوگوں کے صدر ہیں۔ اس حال میں زیادہ نہیں تو عشر تک تو ان کو بھی ہر میت کے مال اسقاط سے مل جانا چاہیئے۔ بیچاروں کے ہل تو چلتے نہیں۔ اہل ملتان خاص خیال کیا کریں۔ ورنہ یہ اسقاط کا تمامتر عمل اسوقت تک حرام رہے گا۔ جب عشر ادا نہ کیا جائے گا۔ اور مولوی صاحب کو نہ پہنچے گا۔

پھر اسی صفحہ ۸۶ سطر ۱۴ میں فرماتے ہیں "اگر اسقاط کرنا ہی ہے۔ تو شرعی طریقہ مذکور فی کتب الفقہ پر عمل کرنا چاہیئے۔ جو یہ ہے۔ کہ اگر کسی شخص کا انتقال ہوجائے۔ اور اس کے ذمہ کچھ فرائض و واجبات قضا باقی ہوں جن میں نماز روزے۔ قسموں کے کفارے۔ قربانی۔ فطرانہ وغیرہ وغیرہ داخل ہیں۔ تو ان فرائض و واجبات کا فدیہ اگر مرنے والے کی طرف سے ادا کردیا جائے۔ تو فضل خداوندی سے اُمید ہے۔ کہ اس کا ذمہ بری

ہو جائے۔ پھر اگر میت نے وصیّت کی ہو۔ کہ میری طرف سے میری قضا شدہ نمازوں۔ روزوں وغیرہ کا فدیہ ادا کیا جائے۔ تو اس صورت میں وارثوں پر لازم ہے۔ کہ جسقدر نماز۔ روزے وغیرہ میت نے بتائے ہیں۔ یا وارث کو معلوم ہیں۔ تو ان کا پورا پورا فدیہ ادا کرے۔ اور یہ ادائیگی تہائی مال میت سے کی جاوے گی۔ پھر وصیّت کی نسبت وضاحت کرتے ہوئے ص۷۵ پہ لکھتے ہیں۔ کہ ہر نماز فرض یا واجب اور ہر روزے کا فدیہ پونے دو سیر (۱ ۳/۴ سیر) گندم یا اس کی قیمت ہے۔ اور وتر بھی مستقل نماز ہے۔ تو گویا دن رات کی چھ نمازوں کا فدیہ ساڑھے دس سیر گندم یا اسکی قیمت ہوئی تو اس حساب سے چھ نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے اور قسم وغیرہ کے مسائل کسی عالم باعمل سے معلوم کر کے ادا کر دیئے جائیں۔

واہ مولوی صاحب ایک طرف سرے سے عمل اسقاط مردود و باطل اور دوسری طرف جائز۔ ثواب اور لازم۔ سبحان اللہ کیا اُلٹی منطق ہے۔ اگر یہی قوتِ علمیہ تھی۔ تو پہلے ہی یوں لکھ دیا ہوتا۔ کہ اسقاط جائز۔ ثواب اور لازم ہے۔ مگر بعض جہلا میں شرعی طریقہ مفقود نظر آتا ہے۔ یا وہ علما سے پوچھ کر کام نہیں کرتے۔ ان کو شرعی کام شریعت کے علمائے ربّانی سے (اگر خود وہ ناواقف ہیں۔) پوچھ کر کرنے چاہئیں۔ اسقدر ورق سیاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہی طریقہ اسقاط کا درج کتاب کر دیا جاتا۔ تو آپ کو پہلے وہابیت کا پرچار کر کے پھر نادم ہونے کی ضرورت نہ پڑتی۔ آپ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کُتب فقہ کی رو سے اسقاط جائز و مستحسن ہے۔ بشرطیکہ پوری پوری ادا کی جائے۔ اور یوں اسقاط کرانا جو عوام میں مسخ صورت کے ساتھ رائج ہے اپنی اصل صورت میں گناہ میّت کا کفارہ ہو سکتا ہے۔ اور فرائض و واجبات کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔ پھر پہلے یہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ کہ اس اسقاط کا سلف

صالحین سے بالکل ثبوت ہی نہیں۔ اور عملِ اسقاط سے ایمان ساقط ہو جاتا ہے اور یہ خدا کو دھوکا دہی ہے۔ یہ چند پیسے یا روپے گناہوں کا فدیہ نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہ عقیدہ رکھنا بھی مردود و باطل ہے۔ اور فرمانِ خداوندی کے خلاف ہے۔ کہ اس عمل سے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔

مولوی سنبھلی صاحب "شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور" تبلیغ کا یہ رنگ اہل علم کے لئے اچھا نہیں۔ کہ پہلے وہابیت کے پردے میں گفتگو کر کے عوام کو نفس مسئلہ سے متنفر کر لیا۔ اور اُس کے بعد یہ کہہ دیا۔ کہ اگر کرنا ہی ہو۔ تو یوں کر لینا چاہیئے۔ یہ طرزِ بیان حقیقت سے بہت دُور ہے جب آپ ایک مسئلے کے قائل ہیں۔ تو مغالطہ دہی کے لئے اس کی صورت بدل کر بیان کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اگر اس سے غیر مقلدوں کی خوشنودی منظور ہے۔ اور اپنی نام نہاد بے ریائی کا چرچا۔ تو یقین جانئے۔ کہ یہ تبلیغی سلسلے کا تمام عمل باطل ہے۔ اور اس کا اجر آپ کو مِل چکا ہے۔ "لاخلاق فی الآخرۃ من نصیب"۔

قاعدہ یہ ہے۔ کہ عوام کی اصلاح کے لئے اُس نقص کو بیان کیا جائے جو عوام میں پایا جاتا ہو۔ ساتھ ہی نفس مسئلہ کا اقرار کیا جائے۔ اور علمائے کرام پر زبان طعن کھولنے سے اپنے آپ کو روکا جائے۔ کیونکہ شریعت میں جُہلا کا فعل حجت نہیں ہُوا کرتا۔ اور جاہل خواہ دیوبندی ہو یا امرتسری ہر حال میں جاہل ہے۔ اس کا فعل عوام کے لئے دلیل نہیں۔ آپ نے فعل تو مدِ نظر رکھا عوام کالانعام کا اور کوسا پانی پی پی کر علمائے ذوی الاحترام کو۔ یہ کہاں کی علمی قابلیت اور دانشمندی ہے۔ ہاں علمائے کرام جب اس بات کے مستحق ٹھیر سکتے تھے۔ کہ وہ خود کرتے۔ یا ایسا کرنے کی رجوع فعل احکامِ خداوندی کے

خلاف ہو) عوام کو جرأت دلاتے۔ یا حوصلہ افزائی کرتے۔ علمائے احناف نے کبھی کوئی ایسا فعل جواز کی صورت میں نہیں لیا۔ جو احکام ربّانی کے خلاف ہو اور نہ آپ کسی حنفی عالم کی کتاب سے اپنے اس بے سروپا قول کی تصدیق کر سکیں گے۔ عوام کے پردہ میں علمائے کرام کو ذاتی بغض و عناد کے ماتحت کوسنا اور بات ہے۔ اور ان میں سے کسی کی تحریر بہ ثبوت میں پیش کرنا اور بات ہے۔ اور یہ بفضلہٖ تعالےٰ آپ قیامت تک نہیں کر سکتے۔ کہ کسی حنفی عالم کی کسی کتاب سے اسقاط کا وہ نقشہ ذکر کیا ہوا پیش کر دیں۔ جس کی بنا پر آپ نے یوں دشنام دہی کی ہے۔

یہ اسقاط جہاں جہاں یہ لوگ کرانے کے عامل ہیں۔ وہ اُسی حکم کے ماتحت کراتے ہیں جس کا آپ نے بیشمار اعتراضوں کے بعد عاجزانہ اعتراف کیا ہے۔ اور ان کا منشا نافرمانی خدائے واحد کا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اسقاطِ ذنوب کے خواہاں ہو کر یہ حیلہ شرعی اختیار کرتے ہیں۔ تاکہ میت کی نجات ہو جائے باقی رہا یہ فعل۔ کہ اس اسقاط کرنے یا کرانے میں ان سے کوئی قصور سرزد ہوتا ہے۔ تو یہ چیز قابلِ حجت نہیں۔ نہ ہی سرے سے اسے مردود قرار دیا جا سکتا ہے۔ آپ نے بارہا دیکھا ہوگا۔ کہ ایک آپ کا مقتدی جس کو آپ نے صحیح طریق نماز کا سمجھایا ہے۔ جب علیحدہ نماز پڑھتا ہے۔ تو آپ کے سکھائے ہوئے بعض طریق پر عمل کرتا ہے۔ اور بعض کو اپنی کسی فوری ضرورت یا نفس کی کوتاہی کے ماتحت عمل میں نہیں لاتا۔ تو اس کے یہ معنی نہیں ہوں گے۔ اور نہ اس کی نماز سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا۔ کہ صدر بازار کے مولوی صاحب کو نماز نہیں آتی جبھی تو ان کا فلاں شاگرد شریعت کے حکم کے مطابق نماز نہیں پڑھتا۔ کیا آپ اس نتیجہ کو صحیح اور یقینی خیال کر کے اپنے ذمے لینے کی زحمت گوارا کرتے ہیں۔ ہرگز

ہرگز نہیں۔ تو پھر عوام کا فعل سامنے رکھ کر علمائے کرام کو بدزبانی کرنا یہ کس شرعی مسئلہ کی جزئی ہے۔ خداوندِ عالم آپ کو نیک گوئی کی عادت رفیق فرمادے۔

سُنیئے اس مسئلہ میں علمائے جماعت احناف کثرہم اللہ تعالےٰ فیوضہم کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور جن کو آپ نے بے تحاشا مطعون کیا ہے۔ ان کے نزدیک مسئلہ اسقاط کیا ہے۔ اور کیونکر اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اسقاط کا مطلب ہے گرانے کا۔ اور عرف شرح میں اُس فعل صدقہ و خیرات کو کہتے ہیں جس کے ذریعے میت کے گناہوں کے میّت سے گرانے کی اور اُس کی نجات کی کوشش کی جائے خواہ وہ اس متشرعہ مرّوجہ صورت سے ہو۔ جو قبل یا بعد نماز جنازہ فی الوقت قبر پر ہی عمل میں لائی جانے کا حکم ہے۔ یا بعد ازاں بصورتِ ختم۔ درود۔ نوافل حج۔ نماز وغیرہ وغیرہ ہو جس کے لئے بے شمار احادیث ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ زندوں کی اعانت سے مُردوں کو نفع پہنچتا ہے۔ اور بفضل اللہ تعالےٰ ان کی نجات ہو جاتی ہے۔ ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ جیسا کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میری اُمت کے بعض وہ لوگ ہوں گے جو مریں گے گنہگار۔ اور اُٹھیں گے بخشے ہوئے۔ سو اُس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا یہ کہ قبر میں وہ فارغ ہوتے ہوئے اس قدر وہ ذکر الٰہی کریں کہ ان کی بلندی مراتب ہو جائے۔ اور قیامت تک وہ سابقہ خامیوں کو پورا کر لیں۔ یا یہ کہ ان کے پسماندگان ان کی موت کے بعد ان کے لئے قرآن کریم کی تلاوت۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ قربانی۔ صدقات و خیرات نوافل وغیرہ کا اسقدر ایصالِ ثواب کریں۔ کہ ان کے نامۂ اعمال میں نیکیاں زیادہ ہو کر برائیاں محو ہو جاویں۔ پھر رحمتِ الٰہی سے وہ بخشے بخشائے اُٹھ سکتے ہیں۔ اور پسماندگاں کے صدقہ و خیرات للموتیٰ کا احادیث مبارکہ میں بڑی وضاحت سے ذکر آیا ہے جس

کو فقیر مومنوں کی آگاہی کے لئے مختصراً یہاں درج کرتا ہے:۔

حدیث اوّل۔ ایک انصاری رضی اللہ عنہ نے خدمتِ اقدس سرکارِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی کوئی طریقہ اُن کے ساتھ نیکوئی کرنے کا باقی ہے۔ جسے میں بجا لاؤں۔ فرمایا۔ نعم اربعۃ الصلٰوۃ علیہما والاستغفار لہما وانفاذ عہدھما من بعدھما واکرام صدیقھما وصلۃ الرحم التی لا رحم لک الا من قبلھما فھذا الذی بقی من برھما بعد موتھما۔ ترجمہ۔ ہاں چار باتیں ہیں۔ ان پر نماز اور ان کے لئے دعائے مغفرت اور ان کی وصیّت کو نافذ کرنا۔ اور ان کے دوستوں کی بزرگداشت اور جو رشتہ صرف انہی کی جانب سے ہو نیک برتاؤ سے اُس کا قائم رکھنا۔ یہ وہ نکوئی ہے۔ کہ ان کی موت کے بعد ان کے ساتھ کرنی باقی ہے۔

حدیث دوئم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اذا تصدق احدکم بصدقۃ تطوعاً فلیجعلھا عن ابویہ فیکون لھما اجرھا ولا ینقص من اجرہ شیئاً۔ ترجمہ۔ جب تم میں کوئی شخص نفل خیرات کرے۔ تو چاہیئے کہ اپنے ماں باپ کی طرف سے کرے۔ کہ اُس کا ثواب اُن کو ملے گا۔ اور اس کے ثواب سے کچھ بھی کم نہ ہو گا۔

حدیث سوئم۔ سرکارِ کائنات مختارِ شش جہات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من حج عن والدیہ او قضی عنھما مغرما بعثہ اللہ یوم القیامۃ مع الابرار ترجمہ۔ یعنی جو شخص اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے۔ یا ان کا قرض ادا کرے۔ تو قیامت کے دن نیکوں کے ساتھ اُٹھے۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط والدارقطنی فی السنن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰے عنھما۔

حدیث چہارم۔ قبیلہ جہنیہ سے ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا خدمتِ اقدس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں۔ اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں نے حج کرنے کی منت مانی تھی۔ اور وہ ادا نہیں کر سکی۔ اور اُس کا انتقال ہو گیا ہے۔ کیا میں اپنی والدہ مرحومہ کی طرف سے حج کر لوں۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ نعم حجی عنھما ارایت لوکان علی امک دین اکنت قاضیہ اقضوا اللہ فاللہ احق بالوفاء رواہ البخاری عن ابن عباس۔ ترجمہ۔ یعنی ہاں اُس کی طرف سے حج کر۔ بھلا دیکھ تو۔ اگر تیری ماں پر قرض ہوتا۔ تو تُو ادا کرتی یا نہیں۔ یونہی خدا کا قرض ادا کرو۔ کہ وہ زیادہ ادا کا حق رکھتا ہے۔

حدیث پنجم۔ افضل الرسل تاجدارِ کائنات محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من حج عن ابیہ وعن اھلہ فقد عفی عنہ حجۃ کان لہ فضل عشر حجج رواہ دار قطنی عن جابر بن عبد اللہ۔ ترجمہ یعنی جو شخص اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے۔ ان کی طرف سے حج ادا ہو جاوے۔ اور اس کو یعنی کرنے والے کو دس حج کا ثواب زیادہ ملے۔

حدیث ششم۔ محبوبِ خدا احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من زار قبر والدیہ او احدھما یوم الجمعۃ فقرا عندہ یٰسین غفر لہ رواہ ابن عدی رضی اللہ عنہ۔ ترجمہ۔ یعنی جو شخص جمعہ کے دن اپنے ماں باپ دونو کی یا دونو میں سے ایک کی قبر کی زیارت کرے۔ اور اُس کے نزدیک یاسین پڑھے بخش دیا جائے۔

ان سب احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ عوام قرابت داروں کیلئے بالعموم اور والدین کے لئے بالخصوص موت کے بعد جو نیکی کی جائے۔ اس کا ثواب انہیں

پہنچتا ہے۔ اور پہنچانے والے کو الگ اجر ملتا ہے۔ اور ان کا حق ہے کہ بعد موت کے ان کے جنازے کی تجہیز۔ غسل۔ کفن۔ نماز دفن وغیرہ کیا جائے۔ اور ان کاموں میں ایسے سنن و مستحباب کی رعایت ضرور ملحوظ رکھی جائے۔ جس سے ان کے لئے ہر خوبی و برکت و رحمت و وسعت کی امید ہو اور اسی قبیل سے یہ مسئلہ اسقاط بھی ہے۔ جس کی وجہ سے رحمتِ الٰہی قریب ہوتی ہے۔ اور مومن کی مغفرت کے اسباب مہیا ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ اُس کی نسبت مدلّل طور پر مع طریق۔

باب قضاء الفوائت شامی اور نیز درِ مختار میں مطلب اسقاط الصلوٰت عن المیّت میں یوں لکھا ہے۔ کہ اگر میّت کی حالتِ مرض میں کچھ۔ نماز روزے فوت ہو گئے۔ اور اس نے اسقدر مال بھی چھوڑا۔ کہ اس کی تہائی سے کفّارہ نماز روزہ کا ادا ہو سکے۔ اور کفارہ کی وصیّت بھی کر مرا۔ تو وصی پر لازم ہے۔ کہ بدلے ہر نماز روزہ کے اور اسی طرح بعوض نماز وتر کے آدھا صاع گیہوں فقیروں کو دے۔ اور اگر تہائی مال میت اتنا نہ ہو۔ یا اُس نے وصیّت نہ کی ہو۔ اور ولی میّت اپنی طرف سے اس کا کفارہ دینا چاہے۔ گو اُس پر لازم نہیں۔ اور سب نمازوں۔ روزوں کے فوت شدہ کا کفارہ نہ بھی دے سکے۔ تو اندریں حالات اس مال کو تین چار بار بقدر ضرورت فقراء میں اسقدر گھمادے اور ولی ایک کو بخشے وہ دوسرے کو وہ تیسرے کو علیٰ ہذا یہانتک کہ وہ مال اس کے تمام روزوں۔ نمازوں فوت شدہ کی مقدار کے کفارہ کو پہنچ جائے۔ تو موجبِ ثواب ہے۔ بلکہ اس بحث میں لکھا ہے۔ کہ اگر میّت نے با وجود مالدار ہونے کے وصیّت نہ کی یا مقدار کفارہ سے کم مال ہیں کی۔ تو میّت

مذکورہ گنہگار رہے گی۔ یہ تمام عبارت دُرِمختار اور شامی کا خلاصہ ہے جس کی عربی عبارت کا اقتباس یہ ہے۔ ولومات وعلیہ صلوٰۃ فائتۃ و اوصٰی بالا کفادۃ یعطی لکل صلوٰۃ نصف صاع من بر کالفطرۃ و کذ احکم الوتر والصوم وانما یعطی من ثلث مالہ۔ الاآخر۔ ترجمہ۔ یعنی اگر کوئی مرجائے۔ اور اس پر فوت شدہ نمازیں ہوں۔ اور کفارہ ادا کرنے کی وہ وصیت کر گیا ہو۔ تو ہر نماز کے بدلے نصف صاع یعنی پونے دوسیر رائج الوقت گندم ادا کی جائے۔ اور یہی حکم نماز وتر اور روزے کا ہے۔ اور فدیہ اس کے تہائی مال سے ادا کیا جائے۔ اور ہماری مندرجہ بالا اُردو اور عربی عبارات کی تصدیق خود مولوی صاحب نے بھی مراسم المرتحلین میں بدیں الفاظ کی ہے۔ کہ یہ کفارہ وصیّت کرنے کی صورت میں تھا۔ لیکن اگر مرنے والے نے باوجود مال ہونیکے وصیّت نہیں کی یا وصیّت کی مگر جتنے نماز روزے اُس کے ذمے تھے۔ ان سب کے کفارہ کی مقدار وصیّت نہیں کی۔ تو پہلی صورت میں فدیہ دینا۔ اور دوسری صورت میں پورا فدیہ دینا وارثوں کے ذمے لازم و ضروری نہیں۔ بلکہ مرنے والے کے ذمے گناہ رہے گا۔ پھر آگے چلکر لکھتے ہیں۔ کہ اگر میت کے ساتھ عاقل بالغ ورثا۔ تبرع وسلوک کے طور پر اپنے مال سے اُس کے فوت شدہ نماز روزے وغیرہ کا فدیہ ادا کرنا چاہیں۔ تو اس کی قواعد شرعیہ کے مطابق یہ ہی صورت ہے۔ کہ میّت کے جس قدر نماز روزے وغیرہ ہیں۔ ان سب کا باقاعدہ حساب کر کے ہر ہر نماز روزے وغیرہ کے بدلے فدیہ کی نیت سے پونے دو سیر گندم یا ان کی قیمت ادا کر دے۔ لیکن اگر وارث مالدار نہیں ہے۔ بلکہ غریب آدمی ہے۔ اور میّت کے پورے فوت شدہ نمازوں و روزوں کے فدیہ کی گنجائش نہیں رکھتا۔ مگر مرتے سے

ہمدردی ہے۔ توحسب توفیق غلہ یا نقدی کسی ایسے ہمدرد مستحق غریب کو دیدے۔ کہ جو اس کے درد کو سمجھتا ہو۔ اور پھر اس سے اپنی غربت کے پیش نظر بطور قرض اس سے مانگ لے۔ پھر اُس کو دے دے۔ اور ہر ہر دفعہ دیتے ہوئے فدیہ کی نیت کرتا رہے۔ جب اس ہیر پھیر سے میت کے نماز روزوں کا پورا فدیہ ادا ہو جائے۔ تو اس کو بخش دے۔

لو۔ آپ اپنے دام میں صیّاد آگیا۔ پچھلی عبارتوں میں مولوی صاحب نے اسقاط کی۔ وارث کے صدقے کی اور ہیر پھیر کرکے وارث اور فقیر کے ملک کرنے کی نفی کی تھی۔ اب اس عبارت میں فدیہ کی وصیّت نہ کرنے والی میّت گنہگار۔ وارث کا میت کی طرف سے فدیہ ادا کرنا جائز اور قواعد شرعیہ کے عین مطابق ترکہ تہائی مال سے وصیّت میت لازم۔ ہر ہر نماز روزہ وتر وغیرہ وغیرہ کا پونے دو سیر گیہوں کفارہ ضروری۔ اور غریب ہونے کی صورت میں وہی دور چلانا اور ہیر پھیر کرنا جائز ہی نہیں۔ بلکہ ضروری اور اتنا ضروری کہ قرض لے کر بھی کرنا بہتر و ثواب ہو گیا ہے۔ اب اس سے زیادہ مولوی صاحب کو کیا کہنا ہے دراصل اُن کے بس کی بات نہیں۔ آپ اپنے حافظہ کی وجہ سے مجبور ہیں۔ اس ہیر پھیر اور دور چلانے کی حقیقت (جس کی مولوی صاحب نے پہلے الفاظ میں مخالفت کی ہے) صاحب درّ مختار ان الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

ولولم یترک مالا یستقرض وارثہ نصف صاع مثلا ویدفعہ الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم۔ ترجمہ۔ اگر میت مال نہ چھوڑے تو اس کا وارث آدھا صاع مقدار کم از کم قرض لے لے۔ اور فقیر مستحق کو دے دے۔ پھر فقیر اس وارث کو دے۔ پھر اسی طرح یہاں تک کہ وہ فدیہ پورا ہو جائے۔ کیوں جی مولوی صاحب یہ ہیر پھیر اور دور چلانا بھی جائز ہُوا یا نہ۔ اور اگر اس

بات پر اعتراض ہے۔ کہ قرآن رکھکر اور اُس کو انمول قرار دیکر۔ یہ ہیر پھیر کیوں کیا جاتا ہے۔ اور اُس کی قیمت کا اعتبار مال متقوم ہونے کی حیثیت سے کیوں نہیں کیا جاتا۔ تو مال متقوم کے لحاظ سے قیمت کا اندازہ ہر جنازے پر ملتان میں آپ لگا دیا کریں۔ کونسا گناہ ہے۔ شاید لوگ حقیقت سے ناواقف ہوں۔ اور جو صرف قرآن کریم کے جنازے کے ساتھ ہونے پر چیڑ ہے۔ تو آپ اپنے جنازے کے ساتھ گرنتھ کی وصیّت کر جانا۔ تاکہ قرآن کا جنازہ نکال کر آپکے پسماندگان گنہگار نہ ہوں۔ جنازہ نکلے گا تو گرنتھ ہی کا نکلے گا۔ اور یہی اچھا اجتہاد ہے۔ اللہ کریم آپکی اس منطق کو ہدایت سے تبدیل فرمائے۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولوی صاحب مولوی محمدؒ لکھوی کی زینت الاسلام کی بھی معلومات نہیں رکھتے۔ ورنہ ان کو معلوم ہو جاتا۔ کہ نئے وہابی کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔ پرانے وہابی بھی مسئلہ اسقاط کا اعتراف کرتے ہیں۔ کیونکہ بغیر اس کے کوئی چارہ اُن کو نظر نہیں آیا۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ اگر تہائی مال سے نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ ادا ہونا ممکن نہ ہو۔ اور مال کم ہو۔ تو اس کے لئے یہ شرعی حیلہ کیا جائے۔ مثلاً ساٹھ روپیہ کفارہ بنتا ہے۔ تو پانچ روپے کر ولی میّت اس کو بارہ مسکینوں میں اس طرح خیرات کرے۔ کہ ایک فقیر کو دے۔ اور وہ پھر اسے دے دے۔ یا دوسرے کو بخش دے۔ اور نیت سب کی اس بخشش سے میت کو نفع پہنچانے کی ہو۔ تو وہ بارہ مرتبہ ایسا کرنے سے کفارہ پورا ہو جائے گا۔ اور شرعی حیلہ سے میت کو نفع پہنچتا ہے دیکھو زینت الاسلام پنجابی منظوم حصہ دوسرا صہ ۳۴

یہی ہیر پھیر ہے۔ جس کو ہیر پھیر کر کے مولوی صاحب نے ہیر پھیر بنانا چاہا۔ مگر مشکل یہ بنی کہ باوجود ہیر پھیر کرنے کے یہ ہیر پھیر پھر بھی جائز ہی کہنا پڑا۔ داناؤں نے کہا*

* ہے۔ کہ اُسے بھی بھولا ہوا نہیں گنتے جو شام تک گھر آ جائے۔ مگر افسوس تو فقیر کو صرف اس بات کا ہے کہ علمیت کے مدعی یہ نہ سمجھ سکے۔ ع چہ کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی۔

مسئلہ دُعا بعد نماز جنازہ

علمائے غیر مقلدین و مقلدین دیوبندیہ نے جہاں اور چھوٹے چھوٹے مسائل عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے مختلف رسائل میں لکھ کر شائع کئے ہیں وہاں ان کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ دعائے بعد نماز جنازہ بھی وقتاً فوقتاً بڑی شد و مد کے ساتھ معرضِ تحریر میں آتا رہا ہے۔ حالانکہ یہ وہ مسائل ہیں۔ جن کے ذریعہ سوائے اسلام سے ناواقف مسلمانوں یا ان لوگوں کے جو فیشن پرستی میں مبتلا ہو کر اصل مسئلہ نماز جنازہ کے بھی واقف نہیں رہتے۔ دوسرے دین دار مسلمان کبھی بھی مغالطہ نہیں کھا سکتے۔ اور علمائے اہل سنت والجماعت کثرھم اللہ تعالے نے بارہا ان مسائل پر معترضین کے اعتراضات کی ایسی قلعی کھول دی ہے۔ کہ پھر ان کو سالہا سال تک تابِ اعتراض نہیں ہوئی۔ مگر کیا عجیب بات ہے۔ کہ پہلوں نے جواب لے کر اگر چپ سادھ لی۔ تو پچھلوں کو بھی اس پر عمل کر لینا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ نہیں ہُوا۔ مثل مشہور ہے۔ (شرم چہ کُتّیست کہ پیشِ مرداں بیاید) ان کے متاخرین نے پھر ان ہی کے پس خوردہ کی جگالی کر کے از سرِ نو اپنی علمیت کا ثبوت دیتے ہوئے پھر وہی بوسیدہ عبارتیں رٹنا اور بدعت کا ڈھول پیٹنا شروع کر دیا۔ گویا وہ نہیں جانتے کہ ہم سے قبل بھی یہ مسائل زیر بحث آچکے ہیں۔ اور ہم ہی دُنیا میں وہ پہلے انسان وارد نہیں ہوئے۔ جن کو یہ دور کی سوجھی ہے۔ انہیں اپنے متقدمین و متاخرین کے حاصل کردہ جوابات سے غالباً اعتراض کرنیوالے یا ناواقف ایک یہ صاحب مولوی ملتانی بھی ہیں جنہوں نے از سرِ نو کئی مدتوں کے بعد پھر اس اعتراض (دعائے بعد

نمازِ جنازہ ناجائز ہے ، کہ مردۂ صد سالہ کو قبر سے اُکھاڑ کر قبور و اموات مومنین پر بھاگا بھاگی کا نقشہ قائم کر دیا ہے ۔ جہاں نمازِ جنازہ کی چار تکبیریں ختم ہو کر سلام پھیرا ۔ یہ لوگ چیلوں کی طرح جنازہ پر جھپٹے ۔ تاکہ کوئی مومن میّت کے لئے مغفرت کی دعا نہ مانگنے پائے ۔ نعوذ باللہ من شرور انفسہم

کیا اچھا ہوتا کہ وہ علمائے اہل سنت والجماعت کے سابقہ جوابات کو ایک نظر مطالعہ کر لیتے ۔ تو ان کو دوبارہ اس میدان میں رینگنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی ۔ مگر کوئی بات نہیں ۔ اگر مخالفین اسلام پھر نمودار ہوئے ہیں ۔ تو مہاجرین و انصار کو بھی میدان میں آتے ہوئے دیر نہیں لگتی ۔ یہ لوگ اگر مذہب کے سچے خیر خواہ ہوتے ۔ تو مردِ میدان بن کر کوئی اسلام کی خدمت کرتے جس سے اس پُر آشوب زمانہ میں اسلام مشرکین کے حملوں سے محفوظ رہتا ۔ بار بار اُن مسائل کے خلاف قلم اُٹھانا ۔ جن کی حقیقت کو علمائے کرام کتنے عرصہ سے ہر زمانہ میں طشت از بام کرتے چلے آئے ہیں ۔ اور کر چکے ہیں ۔ اور اہلِ اسلام کے دستور العمل میں داخل بھی ہیں ۔ کوئی خدمتِ دین نہیں ۔ بلکہ اسلام دشمنی ہے ۔ کہ ایسے نیک کاموں میں وسوسہ ڈال کر لوگوں کو بہکا دیا جائے ۔ جن کا کرنا جمہور اہل اسلام میں مانا جا چکا ہو ۔ لطیفہ ۔

ایسے علمائ کے متعلق فقیر کے ایک دوست بڑی صادق اور عجیب مثال فرمایا کرتے ہیں ۔ اور حقیقتاً ان کی مجاہدوں پر صادق بھی آتی ہے ۔ وہ فرمایا کرتے ہیں ۔ کہ ان علمائ کی مثال یہ ہے ۔ کہ ہمارے گاؤں میں چند ہندو رہتے تھے ۔ ان میں ایک آدمی ذرا کچھ آزاد منش واقع ہوا تھا ۔ اس کو پرندوں کے شکار کا شوق جو چرایا ۔ تو اس نے ایک باز پال لیا ۔ تاکہ اس سے پرندوں کا شکار کیا کرے ۔ مگر باز ابھی چھوٹا اور سدھا ہوا نہ تھا ۔ اس لئے اس نے اس

کو سدھانا اور شکار پر جھپٹنا جو سکھایا۔ تو اس کا طریق یہ اختیار کیا۔ کہ گھر میں مُرغی کے نکالے ہوئے چھوٹے چھوٹے بچّے تھے۔ باز کی آنکھیں جو کھولتا۔ تو ان بچوں پر چھوڑ دیتا۔ باز اُس کے ہاتھ سے پرواز کر کے مُرغی کا ایک آدھ بچّہ جا دبوچتا۔ کچھ عرصہ اسی طرح مشق ہوتی رہی۔ جب باز والے کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ جانوروں پر جھپٹنا اور شکار کھیلنا سیکھ گیا ہے۔ تو اس نے اس سے دوسرے پرندوں کے شکار کا بھی کام لینا چاہا۔ اور باہر جنگل میں جا کر اسے چھوڑا۔ مگر باز تھا گھر کی مُرغی کے بچوں پر سدھا ہُوا۔ اس نے تیزی سے پرواز کر کے جھٹ مرغی کا ایک بچہ آن دبوچا۔ اور یہی کچھ فن تھا۔ جو باز صاحب سیکھ سکے۔ بعینہٖ یہی حال ان علمأ اسلام کا ہے۔ انہیں چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ مُشرکین پر۔ آریہ سماجیوں پر۔ عیسائی مشنریوں پر جھپٹتے۔ مگر لے دے کے جب انہیں شکار کی سُوجھی۔ فوراً پرواز کی اور فرزندانِ اسلام پر آناخن تیز کئے۔ اور شرعی مسائل سے پھیرنے کے تاک لگائی۔ اللہ کریم ان کے حال پر رحم فرمائے۔ کیا یہ اتنا بھی علم نہیں رکھتے۔ کہ دعا مانگنے کا مطلق حکم کیا ہے۔ اور اس کے لئے موقع و محل کی کوئی تخصیص کتاب اللہ جلشانہٗ۔ اور احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آئی ہے یا نہیں۔ اور یہ کونسا فرضی مسئلہ ہے۔ جس کی تحقیق کے لئے یہ مولوی سنبھلی ملتانی مردِ میدان بن کر نکلے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ عوام کو اس گناہِ کبیرہ سے نجات دلادیں اور اگر ان کے دین کا انحصار اسی پر ہے۔ تو لیجئے کتاب کی بساط و حجم کے مطابق مختصراً جواب عرض ہے۔ پڑھ لیجئے۔ اور عوام کو مغالطہ نہ دیں۔ آپ نے بڑی ہمت صرف کر کے اور بڑے دعوے کے ساتھ کتاب مراسم المرتحلین میں صلہ۳۷ پر لکھا ہے کہ:۔

"نمازِ جنازہ پڑھ کر دعا مانگنے کا ثبوت نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ اور نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اور نہ تابعین وائمہ مجتہدین و اسلافِ متقدمین سے۔ اسلئے یہ بے ثبوتی دعا بالکل بے اصل و مکروہ و ممنوع ہے۔ اور اس کو ثواب جاننا بدعت ہے"۔ ملخصاً

پھر ص۲۷ پر لکھا ہے۔ کہ :۔

"جو کام خیر القرون کے بعد ثواب سمجھ کر ایجاد کیا جائے وہ بدعت ہوتا ہے۔ اسلئے یہ رسمی دعا بعد جنازہ یقیناً بدعت سیئہ ہے"

یہ عبارت بظاہر بہت سیدھی سادھی ہے۔ جس کو عوام جب سنتے ہیں۔ تو فوراً تردّد میں پھنس جاتے ہیں۔ کہ اتنا عرصہ سے جو لوگ اس کام کو کرتے رہے ہیں۔ وہ سب کے سب یقیناً گناہ کرتے رہے ہیں جب یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہی نہیں۔ تو اس کے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور حضور علیہ السلام سے ثابت نہ ہونا ہی تو اس کے منع کی دلیل ہو سکتی ہے۔ لہذا بالکل نہ کرنا چاہیئے۔ حالانکہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثبوت کے لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ خاص اس امر کا نام لے کر ذکر کیا گیا ہو۔ بلکہ عام اجازت ہو۔ تو وہ خاص امر اس عام اجازت میں داخل ہو کر جائز سمجھا جاتا ہے۔ ایسا ہی کسی امر کے متعلق خاص حکم کا نہ ملنا اس کے منع پر دلالت نہیں کرتا۔ مثلاً کسی حدیث میں سوڈا واٹر۔ لیمونیڈ۔ کیک چائے۔ بسکٹ وغیرہ کھانے پینے کے لئے نام لے کر اجازت نہ دی گئی ہو۔ تو محض یہاں نام نہ لئے جانے سے یہ چیزیں منع نہ ہونگی۔ جب تک صریح انکی ممانعت کا ثبوت نہ ہو۔ بلکہ یہ ثابت ہو جانا بھی کہ فلاں چیز یا فلاں بات

حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھی۔ اس چیز کے منع یا مکروہ ہونے کو ثابت نہیں کرتا۔ جب تک کوئی کھلا ہوا حکم اس کے ممنوع یا مکروہ ہونے کا ثابت نہ ہو جائے۔ علامہ سرخسی رحمتہ اللہ علیہ مبسوط کی جلد ۱۲ صفحہ ۴۵ میں لکھتے ہیں۔ ان ما تعارفہ الناس لیس فی عینہ نص یبطلہ فھو جائز۔ یعنی جو کام لوگوں میں متعارف ہو۔ اور کوئی نص خاص اس کے بطلان میں نہ پائی جائے۔ تو وہ جائز ہے۔ مثلاً کوئی انجمن تبلیغی بنانا۔ اس کے ممبر چُننا۔ ان سے ماہوار چندہ لینا۔ پھر اس روپیہ سے رسالوں کی صورت میں ٹریکٹ اور اخبارات وغیرہ شائع کرنا۔ یقینی طور پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ تو گویا آپ کے اجتہاد کے ماتحت یہ بدعت سیئہ اور مکروہ وممنوع ہوگا۔ حالانکہ اس کے مکروہ یا ممنوع ہونے کو بھی کوئی کھلا حکم ثابت نہیں کرتا۔ جسطرح آپ کے رسائل واخبارات وچندے بدعت حرام۔ بے اصل اور مکروہ نہیں رہے۔ اسی طرح یہ دعائے خیر بھی رسمی وبدعت اور بے اصل نہیں رہتی۔ رمضان شریف میں افطاری وسحری کے وقت نوبت بجانا۔ مطبوعہ قرانِ کریم کی تلاوت۔ مصرب قرآنِ کریم کا مطالعہ۔ پریس کی پلیٹوں پر طبع شدہ حدیث وفقہ کی کتابیں۔ کتب حدیثہ کا بہیئت کذائیہ لکھنا وغیرہ وغیرہ۔ حدیث سے ثابت نہیں۔ اور نہ اس کے لئے کوئی حکم موجود ہے۔ کہ ایسے قرآن کریم کی طباعت وتلاوت یا ایسی کتب کا مطالعہ حرام ہوگا۔ پھر بتائیے اسے کس حکم کے ماتحت جائز کہہ لیا گیا ہے۔ جس کے لئے حضور علیہ السلام سے کوئی ثبوت ہی طباعت کتاب اللہ وجمع حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں۔ مگر اس کے لئے تو اب کوشش سے بھی کسی تاویل کو کام میں لایا جائے گا۔ اور جواز ومستحسن

ہونے کی راہ نکالی جائے گی۔ کیونکہ یہ کتاب اللہ اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ ہے۔ دعائے بعد نمازِ جنازہ تھوڑی ہی ہے۔ جو اپنے دماغی ڈھکوسلوں کے ماتحت علمائے اہلسنت والجماعت کی مخالفت کرنے کے لئے (خواہ ثابت ہی ہو) حرام۔ بدعت۔ بے اصل اور مکروہ کردی جائے گی۔

ذرا غور کا مقام ہے۔ کہ ایک فعل سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع نہیں ہُوا۔ جس کے وقوع کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ اب جب تک یہ ثابت نہ ہو۔ کہ حضورِ اقدس سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے قصداً اس سے پرہیز فرمایا ہے۔ ہم اس فعل کے چھوڑنے میں اتباع کیسے کر سکتے ہیں۔ اگر ہم قصداً اس فعل کو ترک کردیں گے۔ اور اس کے عمل کرنے سے بچ جائیں گے۔ تو ہمارا اتباع کرنا اس صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کا قصداً چھوڑنا ثابت ہو۔ اور اگر حضور علیہ السلام سے اس فعل کا ترک بالقصد ثابت نہیں۔ تو پھر ہم نے اتباع نہ کیا۔ بلکہ وہ فعل کیا جو رسول اللہ علیہ السلام سے ثابت نہ تھا۔ تو اس سے معلوم ہُوا۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کسی فعل کو محض ترک کرنا اور ہمارا اس سے قصداً بچنا واضح طور پر ثابت کرے گا کہ ہم نے وہ کام کیا۔ جو بانئے اسلام (فداہُ امی وابی) علیہ السلام سے ثابت نہیں۔

اب تحقیق طلب بات یہ ہے۔ کہ اگر بالفرض اس دعاء بعد جنازہ کا ثبوت حدیث میں نہیں ہے۔ تو کیا اُس کے ممنوع ہونے کا کوئی حکم کسی حدیث سے پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے۔ کہ بعد نمازِ جنازہ دعا نہ مانگنا چاہیئے۔ اور اگر کوئی ثبوت ممانعت بھی نہیں۔ تو پھر منع کرنیوالے کو منع کرنے کا کیا حق ہے۔ پھر تو وہ خود وہ کام کر رہا ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ یعنی اس سے

منع کرنا پھر ایک بات اپنے دل سے تراش کر قرآنِ کریم احادیث رسول کریمؐ اور سلف صالحین کے ارشادات کے خلاف جانا اور اس کو معترضانہ رنگ میں پیش کرنا کونسی امانت و دیانت ہے۔ سچائی کی کوئی رمق تو اپنے کلام میں آنے دیجئے۔ طوفان جوڑنا اور بہتان باندھنا بھی کوئی قابلیت اور محققیت ہے۔ جس دین و ملت کے پیشواؤں کی یہ حالت ہو کیا وہ قوم بھی کسی منزل پر پہنچے گی۔ اور اس کا انجام بہتر ہو سکے گا۔ خدا کے لئے اپنے اس حال پر بھی اور قوم کے حال پر بھی رحم فرمائیے۔ سچائی سے محبت پیدا کیجئے۔ صدق و دیانت سے رشتہ جوڑئیے۔ اور تبلیغ احکام الٰہی میں راستبازی کو کام میں لائیے۔ دنیا چند روزہ ہے۔ اس کے حصول میں عاقبت کو خطرے میں نہ ڈالئے۔ عوام میں پہلے ہی دین کی جانب سے افسردگی ویسے پر واہی کافی سے زیادہ بڑھ چکی ہے۔ اور اس رنگ کی تبلیغ سے بہت سے جہلاء بھی جری ہو گئے ہیں۔ وہ دین کی قطع و برید میں اسقدر شغف رکھتے ہیں کہ ایماندار مسلم کو مذہب کی طرف سے بددل کر دینا ایک فرض منصبی خیال کر لیا گیا ہے۔ اور ان کے نزدیک اسلامی زندگی کی تحقیر فخر ہو گئی ہے پھر اس سونے پر سہاگے کا کام یہ ٹریکٹی تبلیغ جب کرے گی۔ تو کیا نتیجہ برآمد ہو گا۔ لہٰذا ہٹ اور ضد کو چھوڑ کر اور تعصب کی عینک اُتار کر مندرجہ ذیل دلائل کا مطالعہ فرمائیے۔ انشاء اللہ العزیز حق نظر آجائے گا بشرطیکہ دل میں انصاف ہو۔ ورنہ متعصب غالی کے لئے تو معجزہ شق القمر بھی غیر مفید ہے۔

طلب دعا کیلئے حکم الٰہی اور اسکی مختصر تشریح

آیت اوّل۔ ادعونی استجب لکم۔ رب العزت

نے فرمایا ہے۔ کہ مجھے پکارو۔ دُعا مانگو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ یہ حکم مطلقاً فرمایا گیا ہے۔ نہ اس میں دعا مانگنے کو کسی وقت کے ساتھ مقید فرمایا ہے۔ اور نہ اس امر کے لئے کسی موقع و محل کی تخصیص کی گئی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہر وقت ہر گھڑی دعا مانگنے کی اجازت ہے۔ جتنے وقت اس تعمیم کے لحاظ سے دعا مانگنے کے ہو سکتے ہیں۔ ان میں ایک وقت بعد جنازہ بھی ہے جن لوگوں کا مقصود اس وقت کو مستثنےٰ کرنا ہے۔ وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس کا مستثنےٰ ہونا بیان کریں۔ اور اپنے دعوے کا ثبوت دیں۔ ورنہ اپنے اطلاق کی وجہ سے دعائے بعد نماز جنازہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہو گی۔ جب بنصِ صریح تعمیم امر شرع وارد ہو۔ تو جمیع ازمنہ تحتِ امر داخل ہوں گے۔ پھر کسی خاص میں عدم ورود کے کیا معنی۔ یہ استناد اگر ہو گا۔ تو ایسا ہو گا۔ کہ زید کہے اگرچہ قرآنِ کریم میں اقیموا الصلوٰۃ وغیرھا بصیغ عموم وارد ہے مگر خاص میرا نام لے کر حکم کہاں ہے۔ تو مجھ پر فرضیت نماز کا ثبوت نہیں۔ جب اس کا جواب یہی ہو گا۔ کہ جب عام نازل تو تو بھی داخل۔ اگر مدعی خروج ہے۔ تو خروج ثابت کر۔ غرض ایسا مقابرہ تو سوائے مخبوط الحواسی اور جنون کے کیا ہو گا۔

آیت دوم:۔ ادعو ربکم تضرعا وخفیہ۔ دعا مانگو اپنے رب سے عاجزی کرتے ہوئے۔ گڑگڑا کر اور آہستہ۔ اس آیت میں بھی حکم مطلق ہے۔ جو تمام مومنین کے لئے عام ہے۔ اور کسی وقتِ مخصوص کی قید نہیں۔ لہٰذا یہ آیت کریمہ بھی بِلا تقیید اپنے اطلاق میں بعد نماز جنازہ کو بھی شامل ہے۔ کیونکہ نصوص شرعیہ آیۃً و حدیثاً کا ارسال مطلق ہے۔ جن میں کسی زمانے کی تقیید و تحدید نہیں۔ کہ فلاں وقت تو مستحب و مشروع ہے۔ اور فلاں وقت ناجائز و ممنوع

مفصل بحث آگے آئے گی۔ انشاءاللہ تعالےٰ۔

آیت سوئم۔ اُجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ قبول فرماتا ہوں میں دعا دعا کرنے والے کی جب وہ دعا کرے۔ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمتہ اللہ علیہ اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔ کہ پہنچتا ہوں میں پکارنے والے کی پکار کو جس وقت مجھ کو پکارتا ہے۔ یعنے دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ جب وہ مجھ کو پکارے۔ اس ارشاد باری تعالےٰ میں بھی عام اجازت دعا بلا تخصیص وقت ہے۔ جب بھی اُس کی بارگاہ میں مانگی جائے۔ منع نہیں۔ نہ بعد نماز جنازہ کا وقت اس حکم سے باہر ہے۔ اور نہ اس کی ممنوعیت کی کوئی دلیل ہوسکتی ہے۔ انہی قرآنی آیات کے ماتحت سرکارِ دوعالم نبی مکرم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا مانگنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ ان ارشادات سے بھی واضح ہو جائے گا۔ کہ دعا بعد نماز جنازہ کا کیا حکم ہے۔ اور کیا کوئی وقت ایسا بھی ہے جس میں طلب کرنے سے منع فرمایا گیا ہو۔ لہٰذا احادیث ملاحظہ ہوں۔

حدیث اوّل۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ لقد بارك اللہ لرجل فی حاجۃ اکثر الدعاء فیھا۔ للبیھقی فی الشعب والخطیب فی التاریخ عن جابر رضی اللہ عنہ۔ بے شک اللہ تعالےٰ نے برکت رکھی آدمی کی اس حاجت میں جس میں وہ دعا کی کثرت کرے۔

حدیث دوم۔ حدیث حسن میں تصریحاً ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اطلبوا الخیر دھرکم کلما وتعرضوا لنفحات رحمۃ اللہ فان للہ نفحات من رحمتہ یصیب بھا من یشاء من عبادہ۔ فرمایا ہر گھڑی ہر وقت عمر بھر مانگے جاؤ۔ اور تجلیاتِ رحمتِ الٰہی کی تلاش رکھو۔ کہ

اللہ عزوجل کے لئے اس کی رحمت کی کچھ تجلیاں ہیں۔ کہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے پہنچاتا ہے۔

حدیث سوم۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذا اسئل احدکم فلیکثر فانھا یسئال ربہ۔ ابن حبان فی صحیحہ والطبرانی فی الاوسط عن ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ عنھا بسند صحیح۔ یعنی جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے۔ تو کثرت کرے کہ رب اپنے سے مانگ رہا ہے۔ یہ حدیث سوال اور مسئول دونوں میں تکثیر کی طرف ارشاد فرماتی ہے۔ مسئول میں یوں کہ بہت کچھ مانگے۔ بڑی چیز مانگے۔ کہ آخر اپنے رب قدیر سے سوال کرتا ہے۔ اور سوال میں یوں کہ بار بار مانگے۔ بکثرت مانگے۔ کہ آخر کریم سے مانگ رہا ہے۔ وہ تکثیر سوال سے خوش ہوتا ہے۔ بخلاف ابن آدم کے بار بار مانگنے سے جھنجھلا جاتا ہے۔ اور تنگ ہوتا ہے۔

حدیث چہارم۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلثۃ الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ۔ یعنی جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین عمل بند نہیں ہوتے۔ صدقہ جاریہ یا علم کہ اس کے مرنے کے بعد اس سے نفع حاصل کیا جائے۔ یا اولاد صالح کہ اس کے لئے دعا کرے۔ اس حدیث میں میّت کے لئے دعا کا نافع ہونا مذکور ہے۔ لیکن یہ دعا کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں۔ خواہ جنازے سے پہلے ہو یا پیچھے۔ اور مانعین دعا کے لئے اس میں عجیب طرح رغبت ہے۔ کہ میّت کے نفع پہنچانے کو ہر وقت دعا مانگنا شروع کر دیں۔ اور میّت کی منفعت کو مدِّنظر رکھیں۔

حدیث پنجم۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اذا فرغ احدکم من صلوٰۃ فلیدع۔ الخ بیہقی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ مرفوعا۔ یعنی جب کوئی تم میں سے نماز سے فارغ ہو۔ تو چاہیئے کہ دعا مانگے۔ اب قابلِ غور مسئلہ یہ ہے۔ کہ نماز جنازہ نماز ہے یا نہیں۔ اور مانعین دعا اس کو دعا سمجھ کر اسی نیت سے ادا کرتے ہیں یا نماز جان کر۔ اور اگر نماز ہے۔ اور یقیناً ہے۔ تو نماز سے فراغت ہونے پر دعا مانگنے کا ارشاد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر دعا مانگنا مندوب ہے اگر نہ مانگی جائے گی۔ تو اس حدیث کا خلاف لازم آئے گا۔ اور یہ جاننے کے لئے کہ نماز جنازہ نماز ہے۔ کہ نہیں۔ بخاری کو دیکھئے جس میں ارشاد ہے۔ سماھا صلوٰۃ لیس فیھا رکوع ولا سجود۔ نام اس کا نماز ہے۔ پر اس میں رکوع وسجود نہیں ہے۔ تو یہ حدیث اپنے عموم کے باعث نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے کی احسن دلیل ہے۔

یہ تو مختصراً مطلق حکم دعا عرض کیا گیا جس سے دعائے بعد نماز جنازہ ہر طرح جائز وثواب معلوم ہوتی ہے۔ اور ان عبارات سے منترشح معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسی دعا کے لئے کوئی شرعی ممانعت نہیں۔ بلکہ اجازت ثابت ہوئی اور یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ یہ دعا ان عبادات سے نہیں ہے جن کا ذکر کرنا کسی مکان یا زمان میں ممنوع شرعی ٹھہرا ہو۔ لہٰذا کامل طور پر نفس مسئلہ دعا بعد نماز جنازہ کے وہ شرعی دلائل بھی لکھ دوں۔ جن سے یہ پتہ چل جائے کہ دعا بعد نماز جنازہ حدیث سے ثابت اور متقدمین اسلام و بزرگان دین کا فعل ہے۔ اور مانعین دعا سوائے اس کے نہیں کہ محض ناواقفیت یا جہالت سے کام لے کر اپنی لیاقت کی اشتہار بازی کرتے ہیں۔ اور اس

موضوع کو اپنی تشہیر کا ذریعہ بنانے میں کوشاں ہیں۔ ورنہ اس کی حقیقت واہمیت اتنی نہیں۔ جسقدر بات کا بتنگڑ بنایا جاتا ہے۔ چونکہ مذہب ائمہ کا یہ تھا۔ کہ تجہیز وتکفین میت میں تاخیر سے کام نہ لیا جائے۔ بلکہ جلدی کی جائے۔ جیساکہ فتح القدیر اور مرقات ومراقی الفلاح حاشیہ طحطاوی وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے۔ یستحب الاسراع بتجہیزہ کلہ ای من حال موتہ الی ان یدفن۔ اور حد اسراع کی بحرالرائق وغیرہ میں بھی لکھی ہے۔ کہ میّت تعفن اور بدبو نہ چھوڑے۔ کہ اسمیں میت کا احتقار وبیعزتی ہوتی ہے۔ اس تعجیل اور اس کی علت پر نظر کر کے بعض علمائے کرام مثل صاحب بزازیہ اور محیط برہانی وغیرہ نے لکھ دیا۔ کہ لا یقوم الرجل بالدعا بعد صلوۃ جنازۃ لانہ دعا مرۃ لان اکثر صلاۃ الجنازۃ دعاء یعنی کہ جب صلوات جنازہ معنوی لحاظ سے دعا ہے۔ تو اب دوسری دعاء کی حاجت نہیں۔ دفن میّت میں جلدی کریں۔ اور بزیادۃ فی الجنازہ کی تشبیہہ وتوجیہہ رکھ کر کافی شرح وافی اور قنیہ وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ ظاہر ہے۔ کہ مشابہ بزیادت کا یہاں کوئی امکان نہیں۔ اور اگر فرض کر لیا جائے۔ کہ ہوسکتی ہے۔ جیساکہ بعض علماء کا خیال ہے۔ تو اس صورت میں ہوسکنی ممکن ہے۔ کہ جنازہ کی صفیں بدستور کھڑی رہیں اور کھڑے کھڑے قبلہ رو دعا مانگیں۔ پھر اگر بیٹھ کر یا صفوف توڑ کر آگے پیچھے ہو جائیں اور دعا مانگیں تو مشابہ بہ زیادت نہیں۔ ہاں یہ ہوسکتا تھا۔ کہ قبل سلام بعد تکبیر چہارم دعا مانگنا مشابہ بہ زیادت ہوتا۔ لیکن بعض محققین علمائے ائمہ رحمہم اللہ تعالےٰ مثل شیخ ابن الہمام وابن نجیم شرنبلالی وغیرہم نے بلکہ صاحب محیط نے بھی بعد تکبیر رابع قبل از سلام دعا کرنے کو مختار ومستحب لکھا

ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ حیث قال ثم فی ظاھر الحدیث لیس بعد
تکبیرۃ الرابعۃ دعاء وقد اختار بعض مشائخنا رحمھم اللہ ما یختم
بہ سائر الصلوٰۃ اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ
وقنا عذاب النار وقال شمس الائمۃ رحمۃ اللہ ھو مخیر بین السکوت
والدعاء وقال بعضھم یقرء ربنا لا تزغ قلوبنا۔ الخ۔ وقال بعضھم
یقرء سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون۔ اور مفتاح الصلوٰۃ میں
اور اس کے حواشی میں یہ تمام عبارت لکھ کر یہ بھی لکھا ہے۔ کہ اللھم لا تحرمنا
اجرہ ولا تفتنا بعدہ واغفر لنا ولہ۔ الخ۔ اور فرمایا کہ خواندن ایں ہا
مستحب است۔ و آنچہ قبل از تکبیر رابع خواند مسنون ست۔ جب محققین علماء
نے استجاب دعا بعد تکبیر رابع قبل از سلام کو مختار لکھا ہے۔ تو لا یقوم الرجل
بالدعاء بعد صلوٰۃ الجنازۃ کے مذعیوں کی دونو تعلیلیں بیکار ہو
گئیں۔ اسلئے کہ بالاتفاق نماز جنازہ چار تکبیریں ہے۔ نہ زائد۔ تو جو شخص
بعد تکبیر رابع کے قبل از سلام دعا کرنے میں دیر لگاتا ہے۔ تو ہر دیکھنے والا
اس پر یقین کر سکتا ہے۔ کہ یہ زیادۃ فی الجنازہ کر رہا ہے۔ اور چاہیئے یہ
تھا۔ کہ بقول معترض نماز جنازہ پر یہ دعا سخت مکروہ ہوتی۔ نہ کہ بعد سلام
کے کہ مظنہ صلات کا باقی ہی نہیں رہا۔ کہ نماز تمام ہو چکی۔ اور قطع ہو گئی۔
اور بھی اسی دعا کو بولا جاتا ہے۔ کہ مکروہ ہے۔ کیونکہ ایک دفعہ دعائے
عمدہ جو صلوٰۃ جنازہ اکثر دعا ہی ہے ہو چکی۔ اب اس کی حاجت نہیں
جلد دفنا دیں کہ وہ مقصود ہے۔ تو اس دعا کے استحباب کو مختار بنانے سے
اس دعوے کی ہر دو علتیں بیجا ہیں۔ بلکہ یہ علت کہ لا نہ دعی مرۃ بالکل
بے معنی ہے جس کی ایک دفعہ دعا کر چکے۔ اب اس کے لئے عمر بھر میں ثانیاً

دعا مانگنا منع ہے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ابو سلمہ کے دم نکلنے کے بعد یہ دعا پڑھی۔ اللھم اغفر لابی سلمۃ وارفع درجتہ فی المھدیین۔ الخ پھر بعد اس کے آپ نے اُس کا جنازہ نہیں پڑھا تھا۔ کہ ایک دفعہ دعا ہو چکی تھی۔ یا جس کا جنازہ پڑھا جائے۔ اس کے لئے پھر دعا نہ کی جائے۔ تو یہ تعلیل بالاتفاق اہل قبلہ کے مُردود ہے۔ تعجب کی بات ہے۔ کہ پھر کس قدر اِن علمأ نے تعجیل میت کو ہر وجہ سے مدِ نظر رکھ کر ادعیہ معروفہ سے بھی میت کو محروم کر دیا ہے۔ اور اس طرف خیال تک بھی نہیں کیا۔ کہ میت کی اس تعجیل مفرط میں بھی تحقیر و بے عزتی ہے۔ جو باتفاق حرام اور ناجائز ہے۔

اور علمائے محققین نے دونو جانب کی تحقیر اور بے عزتی لازم آنے سے میت کو بچایا۔ کیونکہ جب میّت نے گھر کے اقربا اور عزیزوں کے حبس سے نجات پائی اور محل صلوٰۃ جنازہ میں پہنچ گیا۔ تو اب اس کو خوف متعفن ہونے کا بھی نہ رہا۔ کیونکہ وہ غسل دیا گیا اور خوشبو کیا گیا۔ پھر اس کو تحقیر و بے عزتی عدم فاتحہ و دعا سے بچا کر ساتھ استحباب کرنے دعا کے بعد نماز جنازہ کے سرفراز بھی فرمایا۔ اور فرمایا کہ بعد تکبیر چہارم قبل از سلام کے دعا کرنی مستحب ہے۔ کمافی کرنا۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ بعد سلام کے بھی دعا کرنی مستحب ہے چنانچہ زاد الآخرت میں نہر فائق اور بحر ذخار سے لایا ہے۔ کہ بعد از سلام بخوانند۔ اللھم لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ واغفر لنا ولہ۔ اور اسی پر جمیع علمأ و صلحائے اہلِ سنت والجماعت کا عمل چلا آیا ہے۔ اور یہی قول محمد بن فضل کا مختار اور راجح ہے۔ اس میں میت کا فائدہ دنیوی و اخروی اور عزت و توقیر اس کی اور اس کے اعزّہ و اقارب اور اہلِ قبیلہ کی ہے۔ اگر صرف

تجہیز میں میت کی عزت و توقیر ہوتی۔ تو جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فوراً سپرد زمین فرما دیتے۔ اور تین دن تک نہ رکھتے منتخب کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۵۳ میں ابراہیم ہجری سے روایت ہے۔ قال رایت ابن ابی ادفی وکان من اصحٰب الشجرۃ وماتت ابنتہ فتبعہا علی بغل خلفہا فجعل النساء یرثین فقال لا ترثین فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المراثاء ولتفیض احد یکن من عبرتہا ماشأت ثم کبر علیہا اربعا ثم قام بعد ذالک قدر ما بین التکبیر تین یدعوا وقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصنع علی الجنائز ھکذا (ابن النجار)

ابراہیم ہجری کہتے ہیں۔ کہ میں نے عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ جو اصحاب شجرہ میں سے تھے۔ کہ ان کی بیٹی فوت ہو گئی۔ تو وہ ایک خچر پر سوار ہو کر اس کے پیچھے گئے۔ تو وہ عورتیں مرثیہ کہنا شروع ہو گئیں۔ یعنی میت کی تعریف کر کر کے رونے لگیں۔ تو اُنہوں نے فرمایا۔ کہ مرثیہ نہ کرو۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرثیہ سے منع فرمایا ہے۔ ہاں آنسو جسقدر بہانا چاہو بہاؤ۔ پھر ابن ابی اوفی صحابیؓ نے (اپنی بیٹی کے جنازہ پر) چار تکبیریں کہیں۔ یعنی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر اتنی دیر کھڑے ہو کر دعا مانگتے رہے۔ کہ جسقدر دو تکبیروں کے درمیان کھڑے ہوتے۔ اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح جنازوں پر کیا کرتے تھے۔

اس حدیث سے صاف طور پر دعا بعد نماز جنازہ ثابت ہو گئی۔ اور معلوم ہو گیا۔ کہ حضور علیہ السلام خود دعا مانگا کرتے تھے۔ کیونکہ اس حدیث میں جو لفظ ثم آیا ہے۔ یہ اہل اصول کے نزدیک تراخی یعنی مہلت کے لئے

آتا ہے۔ جو اس امر کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے۔ کہ بعد نماز جنازہ متقدمین و صحابہ میں دعا مانگی جاتی تھی۔ اور طبرانی میں ہے۔ عن العرباض رضی اللہ عنہ مرفوعا من صلی صلوٰۃ فریضۃ فلہ دعوۃ مستجابۃ۔ یعنی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص فرض نماز پڑھے (پھر دعا مانگے) اس کی دعا مقبول ہو گی۔ امام مناوی شرح جامع صغیر میں اس حدیث کی شرح یوں فرماتے ہیں۔ فلہ اثرعقبہا دعوۃ مستجابۃ۔ یعنی فرض نماز پڑھ چکنے کے بعد جو دعا مانگی جائے گی۔ وہ مقبول ہو گی۔ یہ تشریح اس امر پر دلیل ہے۔ کہ نماز جنازہ بھی چونکہ فرض نماز ہے۔ اس لئے اس کے بعد بھی دعا مانگنا قبولیت کی یقینی حیثیت رکھتا ہے۔ اور عام کتب فقہ میں بھی اس کے جواز پر ہی فتویٰ ہے۔ چنانچہ کشف الغطاء میں بعد ذکر عبارت قنیہ وغیرہا لکھا ہے۔ کہ فاتحہ و دعا برائے میت پیش از دفن درست است و ہمیں است روایت معمولہ کذافی الخلاصۃ الفقہ یعنی فاتحہ و دعا میت کے واسطے جنازہ کے بعد دفن کرنے سے پہلے درست ہے۔ اور یہی روایت معمولہ خلاصۃ الفقہ میں ہے۔ اس پر علامہ شامی افادہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ لفظ فتویٰ یعنی ہمیں است روایت معمولہ قوت و شوکت میں علیہ الفتویٰ درپہ یفتی کے برابر ہے۔

جوہر النقی صـ۲۷۸ جلد اوّل میں ہے۔ عن نافع قال ابن عمر اذا انتھی الی الجنازۃ قد صلی علیہ دعا وانصرف ولم یعد الصلوٰۃ۔ یعنی نافع فرماتے ہیں۔ کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب کسی جنازہ پر نماز ہو جانے کے بعد آتے صرف دعا کرتے اور واپس آجاتے۔ نماز کا اعادہ نہ کرتے اس حدیث سے بھی بعد نماز جنازہ دعا مانگنا ثابت ہوتا ہے۔ ابن ماجہ وابو

داؤد میں ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء۔ کہ جب تم نماز جنازہ پڑھو یا پڑھ چکو۔ تو میّت کے لئے خالص دعا کرو۔ اس حدیث سے نماز جنازہ میں اور بعد نماز جنازہ کے دونو وقت دعا مانگنے کی اجازت ہے۔ بلکہ بعد نماز جنازہ قریب الفہم ہے۔ کیونکہ فاخلصوا کی فا جو تعقیب کے لئے ہوتی ہے۔ اس پر قوی قرینہ ہے اہل اصول نے لکھا ہے کہ فا حرف تعقیب کے لئے آتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب نماز جنازہ پڑھ لو۔ تو اس کے بعد بلا مہلت میت کیلئے دعا کرو۔ جس طرح حدیث اذا صلیتم الفجر فلا تقاموا میں اذا فرغتم عن صلوٰۃ الفجر مراد ہے۔ اسی طرح اذا صلیتم علی المیت میں اذا فرغتم عن الصلوٰۃ علی المیت مراد ہے۔ یعنی جب میت پر نماز پڑھنے سے فراغت پا چکو۔ تو میت کے لئے خالص دعا کرو۔ اس کے بعد یہ کہنا کہ بعد نماز جنازہ دعا مانگنا ثابت نہیں۔ ایک سخت ترین غلط فہمی ہے۔ اور دعائے بعد نماز جنازہ بصراحت ثابت ہو گئی۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ثانی ہندی ص۴۲۲ اور کشف الغمہ عن جمیع الامہ جلد ثانی مصری ص۳۲ پر بھی موجود ہے۔ عن انس رضی اللہ عنہ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجنازۃ فلما قام یکبر سئال صلی اللہ علیہ وسلم ھل علی صاحبکم دین قالوا نعم دینا وان نعدل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال صلوا علی صاحبکم فقال علی رضی اللہ عنہ دینہ علی یا رسول اللہ بری منہا فتقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصل علیہ ثم قال لعلی رضی اللہ عنہ جزاک اللہ خیرا فک اللہ رھانک کما

فکّکت رھان اخیك انہ لیس من میت بموت وعلیہ دین الاوھو مرتھن بدینہ ومن فك رھان میت فك اللہ رھانہ یوم القیامۃ فقال بعض القوم یارسول اللہ ھذ العلی خاصۃ ام المسلمین عامۃ قال بل للمسلمین عامۃ۔ ترجمہ۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جنازہ لایا گیا جب آپ تکبیرات جنازہ کہنے لگے۔ تو آپ نے پوچھا۔ کیا تمہارے دوست پر کوئی قرض تو نہیں۔ سب نے کہا ہاں (صرف) دو دینار۔ اس پر آپ نے اس کی جانب سے منہ پھیر لیا۔ اور ارشاد فرمایا۔ اپنے رفیق کا تم خود ہی جنازہ پڑھو تو علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کی۔ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا قرض میرے ذمہ رہنے دیجئے۔ وہ ان دو دیناروں کی قید سے بری ہوا۔ تو آپ آگے بڑھے۔ اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ پھر حضرت علیؓ کے حق میں جزائے خیر کے لئے دعا فرمائی۔ "اللہ تمہیں بھی اسی طرح (دوزخ کی آگ سے) نجات دے جس طرح تم نے اپنے بھائی کو نجات دلائی۔ کیونکہ ہر مردہ جو (کچھ) قرض چھوڑ مرے۔ (تو) وہ اپنے قرض کی قید میں ہوتا ہے۔ جو اپنے (چل بسے ہوئے (بھائی) کی جان (کو قرض سے) آزاد کرے۔ تو اللہ کریم اسے قیامت کے دن نجات بخشیں گے۔ اب کچھ لوگوں نے عرض گردانی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ معاملہ حضرت علی کے لئے خاص ہے۔ یا مسلمانوں کی لئے عام ہے۔ آپ نے فرمایا مسلمانوں کے لئے بھی۔ کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۲ و ۲۳

اس حدیث میں تو بعد تمام کرنے نماز جنازہ کے دعا کرنی اسی مقام پر بواقی وعظ ونصیحت وتعلیم وتعلم مخاطبین وموجودین کو بھی مذکور ہے بھلا کیا اب بھی کہا جا سکتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس قدر دعا

بعد جنازہ کے کی ہے۔ یا اور مواعظ و علم بیانی اور صحابہ نے بھی اس قدر کلام و گفتگو کی یہ سب حرام و شرک ہے۔ نعوذ باللہ۔ یا اس میں مشابہت تکبیرات اربعہ پر زیادتی کرنے والوں کی ہے۔ یا ایک دفعہ جنازہ کی دعا ہو گئی تھی۔ پھر اس کی حاجت نہ تھی۔ اور جلدی میت کو اُٹھا کر قبر میں ڈال دیتے۔ خداوند عزوجل ایسے مدعیوں کو ہدایت دے۔ جو ارشادات و اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بڑی بیباکی سے جھٹلانے کی سعی کرتے رہتے ہیں۔

مبسوط جلد دوم ص۶۷ میں علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازے پر آئے۔ تو جنازہ ہو چکا ہُوا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء لہ۔ یعنی نمازِ جنازہ تم مجھ سے پہلے پڑھ چکے ہو۔ تو اب دعا کے ساتھ مجھ پر سبقت نہ کرو۔ یعنی مجھے دعا میں تو شامل کر لو۔ کسقدر واضح اور کھلا ہُوا حکم ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بعد نماز جنازہ اس زمانہ میں بھی دُعا مانگی جاتی تھی۔ جس میں شمولیت کے لئے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اپنی تمنا کا اظہار فرما رہے ہیں۔

کیا دعا بعد نماز جنازہ مانگنے میں اب کوئی کسر ہے۔ کہ اہل ہوا مسلمانوں کو لفظی تاویلوں میں ڈال کر متوفیوں کو بغیر دعا کے قبر میں پھینکنے کی ترغیب دیتے رہیں گے۔ مسئلہ فی نفسہٖ بالوضاحت ذکر ہو چکا ہے۔ اب ضد و تعصب میں بے معنی ڈھکوسلے مارنا اور دلیں نہ ماننا کا ورد کرنا ایک جداگانہ چیز ہے۔ حق ظاہر ہونے کے بعد وہی شخص انکار کریگا جسکو نیکی کی توفیق رفیق نہ ہو گی۔ اہلسنت والجماعت بفضلہٖ تعالیٰ اس پر عامل ہیں۔ اور رہیں گے۔ ذالک فضل اللہ علینا وعلی الناس٭

٭ ولکن اکثر الناس لا یشکرون۔

پکّی قبر اور اُس پر گنبد بنانے کا حکم شرعی

خدا کی قدرت ہے۔ کہ عبدالوہاب نجدی کے متبعین اور ہم عقیدہ لوگوں کو خدا کے نیک بندوں اور اُن کے ہر ایک نیک فعل سے ایک خاص قسم کی کد ہے۔ جائز ہو یا مستحسن۔ جو ایک بزرگ سے متعلق نظر آئے۔ ان کی یہی کوشش ہوتی ہے۔ کہ اہلِ دین میں مقبول نہ ہونے پائے۔ بات وہی جائز سمجھی جانی چاہیئے۔ جو ہم کہیں یا ہماری قلم سے نکلے۔ خدا اس حسد کا بُرا کرے۔ کیا کیا چالیں سکھاتا ہے۔ اور کس طرح پڑھے لکھوں کو بھی حق سے پھیر دیتا ہے۔ قبر پختہ بنانے کا عمل بھی چونکہ اہل اسلام نے خدا کے نیک بندوں اور اہل اللہ کے لئے ہی خاص کر رکھا تھا۔ اور ان معترضین کی قبروں پر گنبدوں کی بجائے کبھی کسی چیل کا سایہ بھی نہ ہُوا۔ لہذا حسد میں آ کر اس مسئلہ پر بھی ٹرٹرانے لگے۔ چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ اپنے اعمال کو درست کرتے اور اپنے آپ کو گنبدوں کے قابل بناتے مگر جب توفیق نہ حاصل ہوئی۔ تو لگے کُبڑی بڑھیا کی طرح سیدھی کمر والوں کا حسد کرنے۔ تاکہ جس نظر سے خلقِ خدا ہیں ہم دیکھے گئے ہیں۔ یہ بھی دیکھے جائیں مگر یہ کیسے ہو۔ ہمیشہ حق حق ہوتا ہے۔ اور باطل باطل۔ معترضین جب اس قابل نظر ہی نہ آئیں۔ تو لوگ ان کی قبروں پر چراغ کیوں جلائیں۔ اور قبے و گنبد کیوں بنائیں۔ یہ تکریم تو خاصانِ خدا کا حصّہ ہوتی ہے۔ اور قبر پختہ بنانا وہ فعل ہے۔ جو ایک آدھ فرد نہیں بلکہ بے شمار متقدمین اہل اسلام کا فعل ہے۔ جیسے انشاء اللہ ثابت کر دیا جائے گا۔ مگر اس کا کیا علاج ہے ؎

شور بختاں بہ آرزو خواہند — مقبلاں را زوال نعمت و جاہ

گرنہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

معترض صاحب کو تو ابھی دنیا پر تشریف لائے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے۔ اور یہ عمل اہل اسلام میں اُن کی پیدائش سے پہلے کا پایا جاتا ہے کیا اس نے نہیں دیکھا۔ کہ یہ جسقدر شاہانِ اسلام کے عہد میں اولیاء اللہ یا اکابر مسلمین کی قبریں بنی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ کیا یہ سب شاہانِ اسلام نعوذ باللہ حرام فعل کرنے والے ناجائز کے مرتکب اور بدعتی تھے۔ یا اُس زمانہ میں کوئی عالم اُن کو شریعت کا حکم سکھانے والا موجود نہ تھا۔ کیا سب کے سب لوگ جاہل تھے۔ یا معترض سے کم علم رکھتے تھے۔ جو انہوں نے اپنی جہالت کے ماتحت اپنے پیشواؤں۔ علماؤں اور صوفیاؤں کے اتنے اتنے بڑے گنبد اور مقبرے بنائے۔ مثلاً بانئے اسلام تاجدارِ کائنات احمد مجتبےٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ۔ حضرت فاروق اعظمؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرتِ علی المرتضیٰؓ۔ حضرت حسینؑ۔ حضرتِ موسیٰ کاظمؓ۔ حضرت ابو ایوبؓ انصاری حضرت امام اعظمؒ۔ حضرت غوث اعظم سید عبد القادرؒ جیلانی۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ۔ حضرت بہاؤ الدین نقشبندؒ۔ حضرت شاہ بوعلی قلندرؒ۔ حضرت حضرت شاہ شرفؒ قلندر۔ حضرت حسنؒ رسول نما دہلوی۔ خواجہ قطبؒ الدین بختیار کاکی دہلوی۔ حضرت گنج بخشؒ علی ہجویری لاہوری۔ حضرت میاں میرؒ لاہوری شاہ خیر الدینؒ ابو المعالی لاہوری۔ شاہ محمد غوث صاحب لاہوری۔ میراں موجؒ دریا لاہوری۔ شاہ جہانگیر بادشاہ۔ شاہ امام علی الحق سیالکوٹی۔ حضرت غوث بہاؤ الحقؒ۔ زکریا ملتانی۔ حضرت شاہ رکن عالمؒ نوری ملتانی۔ حضرت شاہ شمس تبریزؒ ملتانی۔ حضرت مخدومؒ وشاہ جمالؒ ملتانی۔ حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند معین الدین اجمیری۔ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی

شاہ ہمایوں۔ خواجہ فریدالدین گنج شکر۔ اجودھنی پاکپٹنی رحمہم اللہ تعالےٰ اور ان کے علاوہ ایسی بے شمار اور ہستیاں غلامانِ رسول صلعم اللہ کی ہیں جن کے مقابر پر گنبد اور قبہ جات اُن شاہانِ اسلام نے بنوائے جن کی ادنیٰ ترین خدمتِ اسلام مولوی صاحب ملتانی جیسے اہل علم کو فقہی مسائل سکھانے کے لئے فتاویٰ عالمگیری کی صورت میں آج بھی موجود ہے۔ ان کو نہ کسی نے منع کیا۔ اور نہ وہ خود ہی اپنے اتقا کے ماتحت یہ معلوم کر سکے۔ کہ یہ فعل ناجائز ہم کیوں کر رہے ہیں۔ بلکہ بقول مولوی صاحب تمام عمر نعوذ باللہ یہ ناجائز عمائر بنا کر گناہ کا ہی ارتکاب کرتے رہے۔ مذکورہ بالا مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ حدود ہند سے باہر نکلکر پتہ چلتا ہے۔ کہ متقدمین نے بقول معترض یہ ناجائز فعل کس افراط سے کیا ہے۔ اور کون کون علما دہر سے ان کی اس بدعت میں اعانت فرماتے رہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اللہ کریم ایسے مریض القلب مسلمانوں کو توفیق تحقیق رفیق فرمائے۔ تاکہ یہ بات کرنے سے قبل اپنی بے بضاعتیٔ معلومات پر غور کر لیا کریں۔ پھر متقدمین اسلام کے حق میں زبانِ طعن کھولیں۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولوی ملتانی صاحب یا تو ہندوستان اور بیرونی۔ ممالک اسلامیہ کی ایسی عمارت سازی سے قطعاً ناواقف ہیں۔ اور زمانہ میں بیچاروں نے لے دے کے ملتان کے سوا اور کچھ دیکھا ہی نہیں۔ یا اگر دیکھا ہے۔ تو جان بوجھ کر اعتراض کر رہے ہیں۔ اور محض ہٹ دھرمی سے لکھ رہے ہیں :۔

قبروں کو پکا بنانے یا اُن پر قبہ وغیرہ بنانے نبی پاک صلعم وصحابہ کرامؓ سلف صالحین سے بالکل ثابت نہیں۔ بلکہ مخالفت رسولِ مقدس

صلعم و سلف صالحین ہے۔ اسلئے قطعاً حرام و ناجائز ہے۔ بلکہ مال کی اضاعیت اور رسولِ خدا کی مخالفت ہے۔ دیکھو مواعظ المسلمین فی مراسم المرتحلین مولوی صاحب سبھلی ملتانی ص ۱۳۸ بلفظ"

حالانکہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام اہل بیت عظام۔ اولیاءُ اللہ۔ بزرگان دین۔ شہداء وصالحین اور بادشاہانِ اسلام کے تمام کے تمام مقابر پختہ اور قبہ ساختہ صفحۂ دنیا پر ظاہر و باہر موجود اور جمیع اہل اسلام کی شریعت پسندی کے شواہد کھڑے ہیں۔ اگر یہ مولوی صاحب ان سب پر مبتدع اور فعل خلاف شرع کرنے والے کا بے اصل فتوےٰ دیتے ہیں۔ تو ان کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ رب العزت نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ماتبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ماتولےٰ ونصلہ جھنم وساءت مصیراً۔ یعنی جو شخص حضور علیہ السلام کی مخالفت کرے۔ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد اور مومنوں کے راہ کے علاوہ کسی اور راہ کی پیروی کرے۔ تو اللہ تعالےٰ اُس کو اُسی طرف چلائے۔ جو اُس نے اختیار کی۔ اور ڈالے اُس کو جہنم میں جو بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اب آپ بتائیے۔ کہ پہلے تمام پادشاہانِ اسلام اور بزرگان دین متقدمین مومن تھے یا نہیں۔ اور اگر نعوذ باللہ من ذالک ان کے متعلق بھی یہی خیال ہو۔ جو آجکل کے اہل سنت والجماعت کے مسلمانوں کے متعلق ہے۔ تو پھر کسی درویش سے علاج کروائیے۔ اور اگر ان کو مومن مانتے ہو اور یقیناً ماننا پڑے گا۔ تو پھر بتائیے۔ اُن کے راہ کو چھوڑ کر کون جہنمی ہُوا۔ کیونکہ مولا کریم نے کھُلے الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ میرے محبوب کی مخالفت کرنے والا۔ اور مومنوں کے راہ کے سوا کسی اور راہ چلنے والا جہنمی ہے۔ ہم

بفضلِ تعالےٰ اس فعل کے صرف قائل ہی نہیں۔ بلکہ صدق دِل سے ایمان رکھنے والے ہیں۔ کہ ہمارے وہ متقدمین خواہ وہ درویش تھے۔ یا پادشاہ جنہوں نے یہ مقبرے اور گنبد بنائے۔ وہ حقیقتاً اسلام کے پھیلانے والے پکّے مسلمان اور غلامانِ رسول اللہؐ تھے۔ انسان کو قلم اُٹھانے سے پیشتر سوچ لینا چاہیئے۔ کہ میں جو کچھ لکھوں گا۔ اس کی زد کہاں پڑے گی۔ اور میرے نامۂ اعمال کا کیا حشر ہو گا ؎

چراغے راکہ ایزد بر فروزد ہر آں کو تُف زند ریشش بسوزد

جب ربّ العزت جل وعلےٰ شانہ نے اپنی عزت کے ساتھ رسول علیہ السلام اور مومنوں کی عزت کا ارشاد فرمایا ہے۔ العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین۔ تو آپ اُس کو اس حسد کے ماتحت کس طرح مٹا سکتے ہیں۔ یہ ایمانداروں کا حق ہے۔ کہ اُن کی عزت قیامت تک ہوتی رہے گی۔ اور یہی وہ اللہ کا بڑا افضل ہے۔ جس سے حاسدوں کی چشم کور ہمیشہ نا واقف رہی ہے اور رہے گی۔ یہ باتیں تمام جملے بطور تمہید عرض کرنے کے بعد فقیر گنبد و قبہ بنانے کے شرعی دلائل پیش کرتا ہے۔ تاکہ ہدایت کے پہنچانے میں اپنی طرف سے سبکدوش ہو جائے۔ وباللہ التوفیق۔

قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے۔ ولمن یعظم شعائر اللہ فانّھا من تقوی القلوب۔ ترجمہ۔ جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرے پس تحقیق وہ پرہیز گار دلوں سے ہے۔ اور اولیاء اللہ بلا شبہ شعائر اللہ میں داخل ہیں۔ اور قبہ جات بنانے سے عوام میں شعائر اللہ کی تعظیم مقصود ہے۔

خود نبی الانبیاءؑ۔ سرکارِ کائنات۔ مختارِ شش جہات محمد رسول اللہؐ

صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ پر عالیشان گنبد کی بِنا ہے۔ اور یہ بھی مخفی نہیں۔ کہ حجرہ شریفہ کی تعمیر امہات المومنین اور خلفائے راشدین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں ہوئی ہے۔ جیساکہ مولوی صاحب خود قائل ہیں۔ اور تمام متقدمین اسی گنبد کے قیام کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ اسلامی مؤرخین اور مصنف مواعظ المسلمین خود لکھتے ہیں کہ جب نبی اکرم تاجدارِ عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آں حضور صلعم کو حضرت ام المومنین سیدہ طاہرہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں متابعت حدیث پاک دفن کیا گیا۔ مگر جب زائرین کی کثرت ہوئی تو ایک دیوار بنائی گئی۔ سنہ ۱۳ھ میں حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفۂ اوّل مدفون ہوئے۔ سنہ ۱۷ھ میں حضرت سیّدنا فاروق اعظمؓ خلیفہ ثانی نے کچّی اینٹوں کا حصیر بنوایا۔ دو دروازے رکھے گئے۔ اور ایک دیوار میں ذرا سا سوراخ رکھا گیا۔ کہ قبر مبارک کی زیارت ہوتی رہے۔ سنہ ۲۵ھ میں خلیفہ ثانی حضرت سیّدنا فاروق اعظمؓ بحسب وصیت باجازت حضرت سیدنا ام المومنین صدیقہؓ اس جگہ دفن ہوئے۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ خلیفہ سوم نے سنہ ۲۹-۳۰ھ میں مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی توسیع وتعمیر کی سنہ ۹۱ھ میں ولید بن عبدالملک خلیفہ بنو امیہ کے حکم سے حضرت عمر بن عبدالعزیز تکملہ عمرین گورنر مدینہ منورہ زادہ اللہ شرفاً وتعظیماً نے اس حجرہ کو پکا بنوادیا اور اس کے چاروں طرف ایک دوسرا حجرہ بنوادیا۔ مگر دروازہ دونوں میں سے کسی میں نہ رکھا۔ اور اسی زمانے میں مسجد مبارک کی توسیع کرادی۔ جو سنہ ۸۸ھ سے سنہ ۹۰ھ تک ہوتی رہی۔ پھر سنہ ۱۷۰ھ میں ملکہ خیزران والدہ ماجدہ ہارون رشید خلیفہ عباسی نے روضہ مبارک پر غلاف چڑھایا۔ سنہ ۵۵۰ھ میں

نور الدین زندگی شہید اتابک موصلی نے روضۂ مبارک کے گرداگرد صندلی کی جالی لگوادی۔ ۵۵۵ھ میں محمود بن زندگی شہید والئے شام خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہُوا اور سُنا کہ آنحضور صلعم فرما رہے ہیں۔ کہ اے محمود تو سوتا ہے۔ اور مجھ پر دو کُتّے مُسلّط ہیں۔ اس کو بہت حیرت ہوئی۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ اور دوسری رات کو پھر بھی ماجرا پیش ہُوا سلطان کو پریشانی بڑھی۔ اور حیص بیص میں مبتلا ہونے کی وجہ سے کچھ رائے قائم نہ کر سکا۔ آخر کار تیسری رات کو جو سویا۔ تو وہی ماجرا پھر دیکھا۔ مگر اس مرتبہ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک تھے۔ اور فرما رہے تھے۔ دیکھ یہ دو کُتّے مجھ پر مُسلّط ہیں۔ سُلطان نے بغور ان دونوں آدمیوں کو دیکھا اور بیدار ہو گیا۔ اُسی وقت مدینۂ منوّرہ روانہ ہو گیا۔ اور وہاں پہنچکر تمام اہل مدینہ کی دعوت کرا دی۔ اور ہر آنے جانے والے کو بغور دیکھتا رہا۔ مگر وہ دو آدمی جن کو خواب میں دیکھا تھا اور جن کو حضور پاک صلعم نے کتّا فرمایا تھا نظر نہ آئے۔ حکم دیا کہ ابھی مدینۂ منوّرہ کے تمام آدمی دعوت میں نہیں آئے۔ تلاش بسیار کے بعد معلوم ہُوا۔ کہ دو بڑے عابد و زاہد رہ گئے ہیں۔ جو اپنے حجرہ سے بالکل باہر نہیں نکلا کرتے۔ سلطانی حُکم ہُوا کہ ان دونو کو بھی حاضر کرو۔ چنانچہ جب وہ پیش ہوئے تو سلطان سمجھ گیا۔ کہ وہ کُتّے یہی مکار ہیں۔ فوراً ہی اُن کی جائے رہائش پہ پہنچا۔ مگر وہاں سوائے مصلے و لوٹے کے کچھ نظر نہ آیا۔ بعالم اضطراب مصلے جو اُٹھایا۔ تو وہاں کی زمین نرم اور کھدی ہوئی تھی۔ مٹی ہٹوائی گئی تو سُرنگ نظر پڑی۔ جو حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کی قبر مبارک تک پہنچ چکی تھی۔ آپ کے پیر مبارک کا انگوٹھا نظر آتا تھا۔ سُلطان انتہائی غضبناک ہُوا۔ پوچھا کہ تُم نے یہ ناپاک حرکت کیوں کی۔ جس پر انہوں نے بتلایا۔ کہ ہم دونوں عیسائی ہیں۔ اور جسدِ مبارک نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم

کے نکالکر لے جانے پر مامور ہیں۔ تاکہ اسلامی دُنیا کو تڑپایا جاسکے۔ یہ سُن کر محمود بن زنگی نے ان کے سر قلم کرادیئے۔ اور حفظِ ماتقدم کے لئے دوسرے حجرے کے گرداگرد قد آدم خندق کھدوا کر اس میں رانگ پلوا دیا جس کو خندق الرصاص کہا جاتا ہے پھر ۶۵۴ھ میں رمضان المبارک بروز جمعہ خادم روضہ پاک قندیل روشن کر رہا تھا کہ آگ لگ گئی۔ جس سے اُس کی چھت جل گئی۔ ۶۵۵ھ میں خلیفہ معتصم باللہ نے مسجد نبویؐ کی ازسرِ نو تعمیر کرائی۔ اور خلیفہ نور الدین کے عہد ۶۵۸ھ میں اختتام پذیر ہوئی۔ ۶۶۸ھ میں ملک الظاہر رکن الدین جبرس والئے مصر نے لکڑی کی جالی بنوائی جس کی بلندی قد آدم تھی۔ ۶۷۸ء میں ملک منصور مقدونی صالحی نے قبہ بنوایا۔ اور ۶۹۴ھ میں زین الدین سلطانِ مصر نے حجرہ شریف کے باہر جالی لگوائی۔ پھر ۸۸۰ھ میں ابو النصر قایتبائی حاکمِ مصر و حجاز ملقب بہ قائد بے نے چھت کی دیواریں نکلوا کر گنبدِ خضرا بنوایا۔ جو شمس بن ترین کی نگرانی میں ۸۸۱ھ بروز پنجشنبہ کو پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ مگر ۱۳- رمضان المبارک ۸۸۶ھ منارۂ اذان پر بجلی گری جس کی وجہ سے مسجد نبوی و گنبد خضرا پر گزند پہنچا۔ تو پھر اسی سلطان مصر قایتبائی نے ازسرِ نو گنبدِ خضرا کی تعمیر کرائی۔ اور گرداگرد تانبے کی جالی نصب کرادی جس کی تکمیل رمضان المبارک ۸۸۸ھ میں ہوئی۔

اب فقیر عرض پرداز ہے۔ کہ اس مجمل تاریخی بحث سے یہ ثابت ہوا۔ کہ سید العالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر گنبدِ خضرا کی تعمیر بغرض دشمنانِ اسلام کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملانے کے لئے ہوئی۔ کہ اُوپر سے بھی کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آسکے۔ تو جب گنبدِ خضرا کی تعمیر اس غرض سے ہوئی۔ تو پھر کسی دوسرے کی قبر پر قبہ بنانا کیونکر جائز نہ ہوگا۔

جبکہ آج بھی مخالفین اسلام اسی مقصد اور نظریئے کے ماتحت قبور صالحین کو روندنا جائز جانتے ہیں۔ اور گنبد خضرا جیسی مطوّف ملائکہ تعمیر کو نعوذ باللہ صنم اکبر کہتے ہیں۔ پھر یہ اور غور طلب مسئلہ ہے۔ کہ اسوقت جبکہ گنبد خضرا کی تعمیر ہوئی کسی صحابی یا تابعی سے انکار مروی نہیں۔ اور نہ ہی کسی نے منع بناء کی کوئی حدیث پیش کی۔ پس معلوم ہوا کہ صلحا کی قبور پر قبہ بنانا عملی اور اجماعی مسئلہ ہے۔ اگر منع اور حرام ہوتا۔ تو صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین اور ان کے بعد کے اہل اسلام کبھی بھی نہ خود بناتے۔ اور نہ بننے دیتے۔ دیکھو جذب القلوب میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمتہ اس اعتراض کی۔ کہ سلفِ صالحین سے قبہ بنانا بالکل ثابت نہیں۔ کس طرح تردید فرماتے ہیں چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:۔

"عمر بن عبدالعزیز بحکم ولید ابن عبدالملک آنرا ہدم کرد بحجار منقوشہ برآورد وبرظاہر آں خطیرہ دیگر بنا کرد"۔

ترجمہ:۔ یعنی عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ولید ابن عبدالملک کے حکم سے حجرہ شریفہ کو شہید کر کے عمدہ عمدہ منقش پتھروں سے روضۂ اطہر تعمیر کرایا۔

بخاری شریف مطبوعہ مطبع مجتبائی جلد اول صفحہ ۱۸۶ میں ہے ہشام ابن عروہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ لما سقط علیھم الحائط فی زمان الولید بن عبد الملک اخذوا فی بنائہ فبدت لھم قدم ففزعوا وظنوا انھا قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فما وجدوا احد یعلم ذالک حتی قال لھم عروۃ لا واللہ ما ھی قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما ھی الا قدم عمرؓ۔

یعنی ولید ابن عبدالملک کے عہد میں جبکہ روضۂ مطہرہ کی دیوار گری۔

اور اس کی تعمیر کرنے لگے۔ تو ایک قدم ظاہر ہُوا۔ (یعنی ننگا ہو گیا)، لوگ گھبرا گئے۔ کہ یہ قدم مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ کوئی پہچاننے والا نہ تھا۔ حضرت عروہ نے کہا۔ کہ یہ قدم مبارک حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں۔ اس روایت سے بھی یہ ثابت ہُوا۔ کہ روضہ مطہرہ دیوار گرنے کے بعد از سرِ نو بنا اور مرمت ہُوا۔ اور یہی قبر پہ بنا کرنے کا متقدمین سے عملی ثبوت ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ یہ بنا بعد دفن ہوئی۔ اور اس کے ناظم حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ ارشد تھے۔

بعض نافہم لوگوں کو یہ شبہ بھی پیدا ہُوا کرتا ہے۔ کہ یہ گنُبد شریف یا روضہ اطہر بنایا جانا صرف آنحضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی خصوصیات سے ہے مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر صرف یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی خصوصیت ہوتی۔ تو سیدنا حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما حجرۂ مطہرہ میں مدفون نہ ہوتے۔ اس سے اور بھی مسئلہ واضح ہو گیا۔ کہ سرکار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کی قبروں پر بھی بنا کرنا اور گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوت جلد اوّل ص۴۸۶ باب دہم در انواع عبادات فرماتے ہیں:۔

"در مطالب المومنین گفتہ است کہ مباح داشتہ اند سلف کہ بناء کردہ شود بر قبر مشائخ و علماء مشہور تا زیارت کنند ایشاں را مردم۔ و استراحت یابند در آں و بنشینند در سایہ آں۔ نقل کردہ است آں را از مفاتیح شرح مصابیح و گفتہ است کہ دیدم بہ بخارا قبور کہ عمارت کردہ شدہ است۔ بخشت ہائے تراشیدہ و تجویز کرد آنرا اسماعیل زاہد کہ از مشاہیر فقہا است و رخصت کردہ اند بعضے از اہل علم کہ

حسن رضؓ بصری از ایشاں است در گل کردن قبور و شافعی رحمۃ اللہ علیہ نیز ہم برایں است"

ترجمہ:۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوت کے دسویں باب در انواع عبادات میں فرمایا ہے۔ مطالب المومنین میں لکھا ہے۔ کہ متقدمین بزرگانِ دین نے قبور مشائخین وعلماؒ کرام اور صلحاء عظام پر گنبد و قبہ کا بناؔ کرنا مباح رکھا ہے۔ تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں۔ اور آرام پکڑیں اور ان کے سایہ میں بیٹھیں۔ اور نقل کیا اس کو مفاتیح شرح مصابیح سے اور کہا ہے۔ کہ میں نے بخارا میں اکثر قبروں کو دیکھا۔ جو تراشی ہوئی اینٹوں سے بنائی گئی ہیں۔ اور اس بنا کو حضرت اسمٰعیل زاہد نے جو مشہور فقہاسے ہیں۔ تجویز فرمایا ہے۔ اور بعض مشہور اہلِ علم حضرت حسن بصریؓ کے مانند بھی اس کی اجازت فرماتے ہیں۔ کہ قبر کو بنا کرنا بھی مباح ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مذہب یہی ہے۔

حضرت علامہ ملاں علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۲ صے ۳ میں لکھا ہے۔ قد اباح السلف البناء علی قبر المشائخ والعلماء المشہورین لیزورہم الناس ویستریحوا بالجلوس فیہ۔ ترجمہ علماؒ ومشائخ مشہورین کی قبور پر تعمیر بنا کرنا اس لئے کہ لوگ زیارت کریں اور استراحت حاصل کریں۔ سلف صالحین اس کو مباح تحریر فرماتے آئے ہیں۔ یعنی اس کی اباحت کے قائل ہوئے ہیں۔

عینی شرح بخاری جلد ۴ ص ۱۴۹ میں ہے۔ وضرب محمد بن الحنفیہ علی قبر ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ یعنی محمد بن حنفیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قبر پر قبہ بنایا۔

پھر روح البیان جلد ا صفحہ ۴۷۹ میں ہے۔ فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء امر جائز اذا قصد بذالک التعظیم فی عین العامۃ حتی لا یحتقر واصاحب ھذا القبر۔ ترجمہ:۔ یعنی قبوں کا بنانا اولیاء وصلحاء وعلماء کی قبور پر امر جائز ہے جبکہ اس میں عام لوگوں کی نظروں میں تعظیم کا مقصد ہو۔ تاکہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ سمجھیں۔

بدایۃ المجتہد جلد اول صفحہ ۱۹۴ میں ہے۔ کرہ مالک والشافعی تجصیص القبور وجاز ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالےٰ۔ یعنی حضرت امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ نے قبروں کو چونا و گچ کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔ اور حضرت امام الائمہ سراج الامت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے جائز فرمایا ہے۔ اور صاحب مجمع البحار نے بھی جلد ۲ صفحہ ۱۸۶ میں اور تکملہ صفحہ ۱۴۰ میں علمائے سلف سے اس کی اباحت نقل فرمائی ہے۔ ایسا ہی میزان شعرانی جلد اول صفحہ ۱۹۰ میں لکھا ہے۔ ومن ذالک قول الائمۃ الثلاثۃ ان القبر لا یبنی ولا یجصص مع قول ابی حنیفہ بجواز ذالک۔ یعنی بعض ان مسائل اختلافی سے قول آئمہ ثلاثہ کا ہے۔ کہ قبر پر بناء نہ کی جائے۔ اور نہ چونہ نہ گچ کی جائے۔ اور قول ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس کے جواز میں ہے۔

مشکواۃ شریف مطبوعہ مطبع مجتبائی باب دفن المیت صفحہ ۱۴۹ میں ہے۔ کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قبر پر ایک بڑا بھاری پتھر اُٹھا کر رکھا اور فرمایا۔ اعلم بھا قبر اخی وادفن الیہ من مات من اھلی۔ یعنی میں اس پتھر کے ساتھ اپنے بھائی کی قبر پر نشان کرتا ہوں۔ اور جو میرے اہل سے فوت ہوگا۔ اس کے پاس اُس کو دفن کروں گا۔ اس سے قبر پر پتھر رکھ کر صرف پختگی قبر کی مراد نہ تھی۔

بلکہ قبر پر نشان گاڑنا یا بنانا بھی مستحب ثابت کرتا تھا۔

بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ صحیح مسلم میں آیا ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو ہیاج اسدی کو فرمایا تھا۔ کہ کیا میں تمہیں اس کام کے لئے نہ بھیجوں جس کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بھیجا تھا۔ یعنی کوئی تصویر نہ چھوڑ۔ مگر اس کو تو مٹا دے۔ اور کوئی اونچی قبر نہ چھوڑ کہ اس کو برابر کر دے۔ لہذا اس قول علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بلند قبر نہ ہونی چاہئے بلکہ ہو بھی تو اس کو گرا دیا جائے۔ سو اس اعتراض کا جواب یوں ہے۔ کہ محدثین کے نزدیک اس حدیث کی سند میں ایک راوی حبیب بن ثابت کوفی ہے۔ جو مدلس معنعن روایت کرتا ہے۔ دیکھو تہذیب التہذیب میں اس کو مدلس بیان کیا گیا ہے۔ اور مدلس کی معنعن حجت نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں اس حدیث کے متعلق علامہ ابن الترکمانی علیہ الرحمتہ نے جوہر النقی جلد اول ص۲۶۵ میں یوں فرمایا ہے۔ قلت الظاهر ان المراد قبور المشركين بقرينة عطف التمثال عليها وكانوا يجعلون عليها الانصاب والابنية فاراد عليه السلام ازالة آثار الشرك۔ یعنی ظاہر یہ ہے۔ کہ حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں مراد قبور مشرکین ہیں۔ اور اس پہ قرینہ یہ ہے۔ کہ تمثال (تصویر) کا عطف قبر پر ڈالا گیا ہے۔ اور مشرکین ہی قبروں پر بت اور عمارتیں بنایا کرتے تھے۔ تو حضور علیہ السلام نے ان آثار کو مٹانے کے لئے قبور مشرکین کے تسویہ یعنی برابر کر دینے کا حکم فرمایا۔ بعض کتابوں میں یوں بھی ذکر ہوا ہے۔ کہ مشرکین اپنے موتیٰ کی قبر پر مرنے والے کی تصویر یا مجسمہ بنا دیا کرتے تھے۔ جن کو سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستی کی خشت اوّل خیال فرماتے ہوئے مٹا دینے کا ارشاد فرمایا۔ جیسے اساف اور نائیلہ کے بتوں کا قصہ مشہور رہا ہے۔ جنہوں نے کعبۃ اللہ میں زنا کاری

کی تھی اور عذاب الٰہی سے پتھر ہو گئے تھے۔ پھر لوگوں نے اس مغضوب جوڑے کو عبرت عوام کے لئے صفا مروہ پہاڑیوں پر گاڑ دیا تھا۔ مگر بعد کو صفا مروہ کی تقدیس کا باعث سمجھ کر جہلائے عرب نے ان کو پوجنا شروع کر دیا۔

علامہ ابن الترکمانی علیہ الرحمتہ ہی کے قول سے ملتی جلتی حقیقت حافظ ابن حجر فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۶ میں لکھتے ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس ارشاد کو جو آپ نے ہیاج اسدی کو فرمایا تھا۔ مومنوں کی قبروں پر محمول کرنا ایک فاش غلطی کا ارتکاب کرنا ہے۔ کیونکہ مومنوں کی قبریں بالارادہ گرا دینا تو درکنار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر پاؤں رکھنے یا بیٹھنے کو بھی منع فرما کر ایذاء اہل قبر سے تعبیر فرمایا ہے۔ جیسا کہ فقیر نے اسی کتاب کے کسی دوسرے باب میں بیان کر دیا ہے۔ حافظ ابن حجر کی عبارت فتح الباری جو کفار کی قبروں کے متعلق ہے۔ یوں ہے۔

یعنی کافروں کی قبریں اکھاڑ دینے اور ان کی توہین میں کوئی حرج نہیں پس معلوم ہوا۔ کہ مومن کی قبر کے اکھاڑنے اور گرانے میں حرج شرعی ہے۔ اور حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں صرف مشرکین کی قبریں ہی گرانے کا حکم تھا۔ نہ کہ اہل اسلام کی۔

ہاں اگر نجدیوں کی طرح روضتہ النبی علیہ السلام اور مقابر مشائخین عظام و اولیاء کرام سے کوئی قلبی عداوت ہے۔ تو اس کا مسلمانوں کے پاس کوئی علاج نہیں۔ مخالفین بناء مزارات و قبہ جات کو لازم ہے۔ کہ وہ صرف یہ ثابت کر دیں۔ کہ مومنین متقدمین نے بزرگوں کے مزارات پر قبے نہیں بنائے۔ یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یا حضور کے بعد صحابہؓ میں سے کسی نے کسی دوسرے بزرگ کو اہل ایمان کی قبریں گرانے

کے لئے بھیجا ہو۔ یا حکم ہی صادر فرمایا ہو۔ یا خود گرا کر کوئی ثبوت مقابر مسلمین کے گرانے کا دیا ہو۔ ورنہ لایعنی من گھڑت اور بے بنیاد ڈھکوسلوں اور اُن روایات سے جو قبورِ مشرکین کے متعلق ہیں۔ استدلال کرنا حق پرستی نہیں۔ جبکہ اجماع امت قبور پر بنا کرنے کے حق میں ہو۔ وما علینا الا البلاغ۔

تعزیت کیلئے اہل میت کے گھر جمع ہونا

مولوی صاحب نے اپنے ذوقِ بدعت میں ایک اور "بڑ" ایسی ہانکی ہے جس کا شروع مولوی صاحب کے قلم سے ناجائز لکھا گیا ہے۔ اور آگے چلکر انجام پر مستحب و مسنون ہو گیا ہے۔ یعنی یہ کہ اہل میت سے کوئی ہمدردی نہ کرے۔ نہ اُن کو پوچھے۔ نہ ان کے مکان پر جائے۔ نہ اُن کی دلجوئی کرے۔ نہ اُن کو کھانا کھانے کی ترغیب دلائے۔ صرف بے مروتی کر کے مولوی صاحب کی خود ساختہ سنت کا پابند ہو جائے۔ اور اہل میت خواہ بالغ ہوں یا نابالغ یتیم ہوں یا مسکین ان کے قریب نہ بھٹکے۔ ورنہ مکروہ تحریمہ کا عامل ہو کر گناہ میں ماخوذ ہو جائے گا۔ وہ مرتے مریں۔ جیتے جیئں۔ مولوی صاحب کا مذہب یہی ہے کہ ان کے نزدیک تک نہ جایا جائے۔ اور یہی طریقہ مسنون سمجھا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ کیا نفاق انگیز تعلیم ہے۔ کہ:۔ آپ مواعظ المسلمین میں۔ فرماتے ہیں۔

اے دفن سے فارغ ہو کر اہل میت کے یہاں جمع ہونا مکروہ و ممنوع ہے۔ بلکہ اہل میت کو اور دوسروں کو اپنے اپنے کام میں مشغول

ہو جانا چاہیئے۔

۲۔میت کے دفن کے بعد شرکائے تجہیز و تکفین کا اہل میت کے مکان پر جمع ہو کر دعوت اڑانا۔جس کو عرف عام میں (کوڑا وٹا) بھی کہتے ہیں۔ناجائز و بدعت ہے۔کہ زمانہ جاہلیت کی رسم ہے۔ص۸۹ وص۹۰"۔

کسی گذشتہ بحث میں فقیر اس دوسری عبارت کا جواب حدیث صحیح سے دے چکا ہے۔کہ خود رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میت کے گھر پر ان کی دعوت دیئے جانے پر تشریف لے جا کر کھانا تناول فرمایا۔اور مع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس جماعت کے ساتھ جو جنازہ میں شریک تھے اور وہ دعوت بھی ورثاء میت کی طرف سے تھی۔مگر مولوی صاحب اپنے زعم میں وہی بدعت کے مُرغ کی ایک ٹانگ پکارے چلے جاتے ہیں۔رہا عرف عام کا کوڑا وٹہ سو وہ کھانا ہوتا ہے، جو اہل میت کا کوئی قریبی یا بعیدی رشتہ دار یا دوست یا پڑوسی محض اس وجہ سے اُن کے لئے لاتا ہے۔کہ ان کو حادثہ پیش آگیا ہے۔اور اُن کے دل مجروح ہیں۔یہ لوگ اس صدمہ کی تکلیف سے نہ کھائیں گے۔نہ پکائیں گے۔لہذا ان کو دنیوی کاموں میں مشغول کرنے اور دلجوئی کے واسطے وہ خود کھانا لاتے ہیں۔تاکہ ان کو کھانا بھی کھلا کر کچھ ڈھارس بندھا دی جائے۔اور کچھ بیٹھ کر حوصلہ آور باتیں سُنا کر تسلی دی جائے۔اور ان کا غم غلط کیا جائے۔اور یہ عین حکم شریعت کے مطابق ہے۔نہ ناجائز اور نہ بدعت۔دیکھو شامی ص۶۲۹ ج ۱۔

ویستحب لجیران اھل المیت والاقرباء الاجانب تھیئۃ طعام لھم یشبعھم یومھم ولیلتھم لقولہ علیہ السلام اصنعوا لآل

جعفر طعاماً نفذ جاء تهم ما یشغلہم۔ ترجمہ:۔ میت کے
پڑوسیوں اور قریبی رشتہ داروں کے لئے مستحب ہے۔ کہ ان کے واسطے
(اہل میت کے لئے) اسقدر کھانا تیار کریں۔ کہ جو ان کو رات دن کے لئے
کافی ہو جائے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ آل جعفر کیلئے
کھانا تیار کرو۔ کہ اُن کو حادثہ غم پیش آ گیا ہے۔ اس عبارت سے معلوم
ہوتا ہے۔ کہ اہلِ میت کے لئے دوسروں کو کھانا بھجوانے کا حکم ہے۔ اور
مولوی صاحب اس کوڑا وٹہ کے مفہوم سے ناواقف ہیں۔ جب حضور
ارشاد فرما رہے ہیں۔ کہ آلِ جعفر کے لئے کھانا تیار کرو۔ تو (کوڑا وٹہ) کوئی
دوسری چیز نہیں۔ کوڑا وٹہ اُسی کھانے کو کہتے ہیں۔ جو کھانا کوئی دوسرا
آدمی اہل میّت کے لئے پکا کر لائے۔ چونکہ وہ حادثہ غم پیش آنے کا معمولی
کھانا ہوتا ہے۔ اس میں ظاہری تکلفات سے کام نہیں لیا گیا ہوتا۔ بلکہ
کوئی ایک معمولی حیثیت کا کھانا (جس سے دنیوی طور پر یہ اندازہ نہ لگایا
جاسکے۔ کہ مرنے والے کی موت پر خوشی منائی جارہی ہے) پکایا جاتا ہے
اور وہ کوئی پُر لطف نہیں ہوتا۔ مثلاً چنے کی کھچڑی یا دال روٹی وغیرہ۔ اس
لئے اس کو بے لذت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ بالزت کھانا شادی
کے وقت ہوتا ہے۔ اس کوڑا وٹہ کی کوئی خاص تخصیص بھی نہیں ہوتی بعض
لوگ جوان مرگ پر معمولی دال روٹی لے آتے ہیں۔ اور بعض کسی بوڑھے
آدمی کے مرنے پر (اس وجہ سے کہ یہ دنیا سے دنیوی حیثیت میں کھا پی کر
کامیاب رہا ہے) چاول۔ پلاؤ وغیرہ لے آتے ہیں۔ نہ آجتک کسی نے اس کی
تخصیص کی۔ اور نہ ہی اب ہے۔ اب یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا۔ کہ اگر اہل
میت کے گھر کے پندرہ بیس آدمی ہیں۔ اور ایک شخص ان کو کھانا کھلانے

کے لئے حسب ارشاد شریعت دو وقت کا کھانا لے کر اُن کے دروازے پر حاضر ہوتا ہے۔ تو کیا وہ اکیلا ہی جائے گا۔ اس کے ساتھ مدد کرنے والے بھائی بند پکانے کھلانے والے۔ لے جانے والے۔ جتنے انسان برائے دلجوئی اہل میت کے گھر جائیں گے۔ لازمی طور پر وہاں بیٹھیں گے بھی۔ اور گفتگو بھی کریں گے۔ گذشتہ اور حاضرہ واقعات انسانیہ سُنا سُنا کر ان کو اطمینان دلائیں گے۔ تو ان کا یہ اجتماع کیونکر ناجائز ہوگا۔ ہاں اگر اس کو ناجائز قرار دیا جائے۔ تو پھر یوں کرنا چاہیئے۔ کہ کھانا لے جا کر دروازے کے باہر سے پھینکا اور پہنچا کر چلے آئے۔ وہ کھائیں یا نہ کھائیں یہ تو کم از کم مکروہ فعل کرنے سے بچ جائیں گے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

مولوی صاحب پہلے تو فرما گئے۔ کہ میت کے دفن سے فارغ ہو کر اہل میت کے گھر جانا اور دعوت بدعت ہے۔ آگے بدعت کا زور ذرا کم ہونے پر خود ہی لکھتے ہیں۔ شریعت مقدسہ نے اہل میت کی غمی کو دیکھتے ہوئے دور کے رشتہ داروں یا پڑوسیوں کے لئے مستحب قرار دیا ہے۔ کہ ان کیواسطے کھانا تیار کر کے لے آئیں۔ اور اُن کو کھلا جائیں۔ واہ کیا اُلٹی گنگا ہے۔ نہ آگے کا پتہ ہے۔ نہ پیچھے کا نشان۔ ان کی کس تحریر کو صحیح سمجھا جائے۔ اور کس کو غلط بہرحال ہمیں اسی پر ہی عمل کرنا ہے، جو مولوی صاحب کا قول شریعت کے مطابق ہو۔ اور جو بدعت کے تصوّر میں گھبرائے ہوئے لکھ جائیں۔ اس میں اُن کو معذور جان کر چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ حکم شریعت یوں ہی ہے۔ کہ مصیبت زدوں اور غمزدوں کی تعزیت کرنا اور تسلی دینا سنت اور موجب اجر و جزا ہے۔ جیسے سرکار مدینہ سیّد

الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ من عزی اخاہ مصیبۃ کساہ اللہ من حلل الکرامۃ۔ یعنی جو شخص اپنے بھائی کی مصیبت میں تعزیت کریگا۔ اللہ تعالےٰ اس کو عزت کے لباس میں ملبوس فرمائے گا۔ اس پر مولوی صاحب نے بھی حاشیہ آرائی ان الفاظ میں کی ہے۔ کہ تعزیت تین دن تک کرنا جائز ہے۔ مگر پہلے دن تعزیت کے لئے جانا افضل و بہتر ہے۔ کہ پہلے دن اضطراب و گھبراہٹ زیادہ ہوتی ہے۔ اور تین دن کے بعد تعزیت کرنا مکروہ ہے۔ پھر لکھتے ہیں۔ کہ اگر کوئی مرد یا عورت کسی اہل میت کی بغرض خیر خواہی و ہمدردی تعزیت کے لئے جائیں۔ تو اُن کو تسلی و دلاسہ دیں۔ سنت طریقہ تعزیت کا یہ ہے۔ کہ اہل غم کو صبر کی ترغیب دیں۔ اور یہ کلمات اس کے سامنے کہیں۔ اعظم اللہ اجرک واحسن عزاءک وغفر لمیتک۔ (الحدیث بحوالہ شامی) یعنی اللہ تعالےٰ تمہیں بہت ثواب دے۔ تمہاری تعزیت کو اچھا کرے۔ اور تمہارے مردے کو بخش دے۔ اب مولوی صاحب کے استدلال سابقہ کو لے کر اگر غور کیا جائے۔ تو کہنا پڑتا ہے۔ کہ اگر ہر عورت یا مرد اپنی اپنی جگہ بطریق ہمدردی تعزیت کو اہل میت کے ہاں چلا گیا۔ جو ان سے قرابت داری یا پڑوسی ہونے کا واسطہ رکھتا ہے۔ تو خواہ مخواہ اجتماع ہو جائے گا۔ اور یہ مولوی صاحب کے نزدیک ناجائز و بدعت اور اگر تعزیت نہ کی جائے تو حکم شرعی اور حدیث مقدس کے خلاف ہے۔ کس پر عمل کیا جاوے اور کس کو چھوڑ دیا جائے۔ جبھی تو مولوی صاحب کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتے۔

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را　　بلائے فرقت لیلےٰ و صحبت لیلےٰ

اس مخمسہ میں مولوی صاحب نے ایک اور بے ڈھنگی بھی تلادت کی ہے۔ کہ تعزیت لینے کی غرض سے مکان کے سامنے یا باہر دروازے پر بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور زمانۂ جاہلیت کی رسم ہونے کی وجہ سے ناجائز وحرام ہے۔ پوچھا جائے۔ حضرت؟ یہ کیا انوکھی منطق ہے۔ اگر تعزیت کو ہر آنے والا۔ اور آنے والی اہل میت کے گھر میں گھستے ہی چلے آئیں۔ تو پھر آپ کو ہی بے پردگی کی تکلیف ہونے لگے گی۔ اور جو باہر کھڑے ہو کر تعزیت کریں اور گھر والے کواڑوں کے پاس بیٹھکر سُنا کریں۔ تو پھر بے تہذیب ٹھہریں کہ آئے گئے بھائی بند کو پوچھتے تک نہیں۔ اور بیٹھنے کو جگہ تک نہیں دیتے۔ اور اگر دروازے سے باہر آکر آپ سے سلام و پیام کر کے آپ کے تعزیتی کلام کو بیٹھ بیٹھا کر سُنلیں۔ تو مکروہ تحریمی کے گنہگار ٹھیریں۔ اب جائیں تو کہاں اور بیٹھیں تو کدھر۔ بہر حال معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولوی صاحب بزعم خود بدعت کا شکار ہو کر نہ کبھی کہیں گئے ہوں گے۔ اور نہ کوئی اُن کے پاس آیا ہوگا۔ بمصداق اس شعر کے ؎

بیوفائی سے عزیزوں کی کھلا یہ عقدہ ہم زمانہ میں کسی کے نہ ہمارا کوئی

اور یہی مذہب مولوی صاحب کا ہے۔ مولا کریم ایسے حضرات کو حقوق العباد اور اخلاق انسانی کی توفیق عطا کرے۔ مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ دروازے کے باہر بیٹھنا عوام کا محض تعزیت لینے کے لئے ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس لئے ہوتا ہے۔ کہ تین دن تک تعزیت کے لئے جو آئے گا۔ اُس کو اہل میت کی تلاش نہ کرنی پڑے گی۔ اور اس کا قیمتی وقت ہرج نہ ہوگا۔ دوسرے جو آئے گا۔ وہ میت کے لئے کوئی کلمہ ایصال ثواب کرے گا۔ جس کی نسبت حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ اگر میت کی نیت سے ایک لاکھ بار لا اِلٰہ اِلّا اللہ

پڑھے۔ تو اُس کے درجات بلند کر دیئے جائیں گے۔ اور ایک روایت میں ستر ہزار بار پڑھنا لا الٰہ الا اللّٰہ کا آیا ہے۔ چنانچہ بزرگان دین نے اس پر عمل بھی فرمایا ہے۔ جیسا کہ کسی گذشتہ بحث میں فقیر نے حضرت مجددؒ الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت جنیدؒ بغدادی کے واقعات درج کئے ہیں۔ اور یہی وہ فعل ہے۔ کہ ایک لاکھ بار کلمہ طیبہؐ پورا کرنے کے لئے لوگ چنے پڑھتے ہیں۔ جن کی تعداد بزرگوں کے تجربہ کے مطابق اسی قدر ہوتی ہے۔ اگر ساڑھے بارہ سیر چنے درمیانہ حجم کے جو نہ بہت چھوٹے ہوں اور نہ بہت بڑے ہندوستان کے مروجہ وزن پر لئے جائیں۔ تو وہ از روئے شمار ایک لاکھ ہو جاتے ہیں۔ اور اسی کی تصدیق مؤلف براہین قاطعہ نے بھی صـ۹ؔ سطر ۱۶ میں کی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے۔ کہ فی الواقع اول میں دانۂ نخود کے اختیار کرنے کی یہی وجہ تھی اب بتایئے گھر کے دروازے پر کلمہ طیبہؐ پڑھنے پڑھانے اور ایصالِ ثواب کے لئے اگر اہل میت بیٹھ جائیں۔ تو کیا معصیت کاری ہے۔ اکیلا اگر میت کا وارث ایک لاکھ بار کلمۂ طیبہؐ نہیں پڑھ سکتا۔ اور تین دن میں تعزیت کا سلسلہ ختم بھی کر دینا ہے۔ تو بتایئے کونسا گناہ لازم آتا ہے۔ چنے خرید کر کلمہ طیبہؐ پڑھانے اور پڑھنے سے ایک یہ بھی فائدہ ہوا۔ کہ اس کو گٹھلیاں یا کنکریاں یا تسبیح کے دانے جمع کرنے ہیں جو دقت ہوتی تھی وہ رفع ہو گئی۔ اور سہل طریق پر جہاں سے چاہا خرید کر کام چلا لیا۔ شمار کی شمارہ بھی قائم رہی۔ اور بعد فراغ وحصولِ مطلب ان کو تقسیم کر دیا۔ جو کھانے کے کام آ گئے۔ اور کلمہ طیبہؐ کا ثواب میت کو پہنچ گیا۔ اس کے علاوہ سب سے بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا۔ کہ عام طور پر مجالس میں جہاں دس بیس

آدمی ہلکر بیٹھنے کا عوام کو موقع ملتا ہے۔ تو خواہ مسجد ہو یا قبرستان۔ میت کا گھر ہو یا دولھا کا۔ آپس میں فضول باتوں اور دنیوی قصوں۔ مقدمات کے جھگڑوں اور اخباری ڈھکوسلوں۔ ملکی تذکروں۔ یا کہ ایک دوسرے کے گلوں۔ شکووں میں وقت گزارتے ہیں۔ اور چغلی بخیلی یا یاوہ گوئی کے بغیر عوام کو کوئی شغل ہی نہیں ہوتا۔ اس طرح تعزیت کو بیٹھنے اور چنے پڑھنے ذکرِ خداوند علی اجل مجدہٗ کرنے سے ان تمام برائیوں کا التوا ہوتا ہے۔ اور ہر آنے والا جتنی دیر بیٹھتا ہے۔ اللہ اللہ کرتا رہتا ہے۔ جب جانے لگتا ہے۔ ایصالِ ثواب میت کرکے دعا مانگتا ہے۔ اور چلا جاتا ہے۔ اگر یہ ذکرِ خیر اور اللہ اللہ کرنا بھی ناجائز ہے۔ اور وہ بیہودہ باتیں اچھی ہیں۔ تو خدا ان ہی حضرات کو مبارک کرے۔ جو میت سے شریعت کی آڑ میں باریک دشمنی کرکے بظاہر اپنے آپ کو شریعت کا پابند ثابت کرتے ہیں۔ اور توحید پرستی کا ڈھول بجانے میں اپنی تشہیر چاہتے ہیں۔ متقدمین اہل اسلام نے اس قسم کے جو اعمال ایسے مواقع کے لئے جاری کئے ہوئے ہیں۔ وہ عین شریعت کے ماتحت اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رکھنے والے ہیں۔ اس قسم کے افعال سے نہ ممنوعیت اور نہ ہی کوئی کراہت ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کی دلیل میں وہ ابو داؤد سے مروی حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا۔ کہ گٹھلیاں یا کنکریاں لے کر اللہ کا ذکر شمار کر رہی ہے۔ اور آپ نے اُس کو منع نہ فرمایا۔ اسقدر ثبوت سے فقہاء رحمہم اللہ نے مسئلہ نکال لیا ہے۔ لاباس باتخاذ السبحۃ۔ یعنی تسبیح ہاتھ میں لے کر پڑھنے سے کچھ مضائقہ نہیں۔ اور اس پر فقہا نے یہ اشارہ بھی فرمایا ہے۔ کہ ایسی باتوں کو منع میں کچھ دخل نہیں۔ ایسی چیز

سے مقصود شمارِ ذکر ہے۔ سو شمارِ ذکر کا جواز حدیث سے پایا گیا۔ بنا علیہ وا نہائے نخود کے شمار کو واقعہ قصہ حدیث سے زیادہ مشارکت ہے یہو تعزیت کے لئے بدیں غرض اپنے گھر کے سامنے یا کسی اور جگہ گھر سے باہر بیٹھنا ممنوع نہیں بلکہ کارِ ثواب اور عام اہل تعزیت کے لئے موجب عملِ خیر ہے۔ ربّ العزت مسلمانوں کو اپنے موتیٰ سے ہمدردی اور ایصالِ ثواب کرنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق رفیق فرمائے۔ اور ایسے علمأ دین کو ہدایت دے۔ کہ وہ لوگوں کو نیک اعمال سے روک کر خود گناہ کے مرتکب نہ ہوں۔ آمین۔



میت کیلئے خاص دنوں اور خاص اشیائ سے ایصال ثواب کرنا اور جمع ہو کر قرآن کریم پڑھنا

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

مولوی سنبھلی ملتانی صاحب نے مراسم المرتحلین میں بدعت کا شغف رکھتے ہوئے من احب شیئا فاکثر ذکرہٗ ۔ کے ماتحت زبان کے چٹخارے لے لے کر بدعت کا یوں ورد کیا ہے ۔ کہ گویا مجنونِ بدعت ہیں ۔ جو چیز دماغِ معطل اور ذہنِ نارسا میں آئی ۔ بلا سوچے سمجھے بدعت کہتے ہوئے چلے گئے ہیں ۔ یہ زحمت ہی گوارا نہیں فرمائی ۔ کہ غور و خوض سے قلم اُٹھاؤں ۔ اور ہر جائز و مندوب کو بدعت و حرام نہ لکھ دوں ۔ مگر ان سے کون کہے ۔ کہ ناجائز اور جائز میں تمیز فرمائیے ۔ پھر شریعت حقہ کے ماتحت قلم اُٹھائیے ۔ کیونکہ یہ تو ساری تعصب کی کرشمہ سازیاں ہیں تبلیغ حق مقصود ہو ۔ تو طریق حقیقت پر چلیں ۔ اسوۂ حسنہ پر عمل کریں ۔ مگر ایمان تو ہے پارٹی بازی ہیں ۔ اگر دین دیوبند کا ہے ۔ تو توحید امرتسر کی ۔ نہ مکہ سے آمدہ توحید اور نہ سرکار مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دینِ ہدیٰ ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ ان لوگوں کا قلم جب اُٹھا ۔ تو یارسول اللہ کہنے والوں پر ۔ صلی اللہ علیک وسلم یارسول اللہ پڑھنے والوں پر ۔ روضۂ نبی علیہ السلام کی زیارت کو جانے والوں پر ۔ آخر الزمان نبیؐ کے عاشقوں پر ۔ مدح خوانوں پر ۔ اور

خدا کو امکانِ کذب کے مسئلہ سے منزہ جاننے والوں پر۔ بزرگانِ دین کے غلاموں اور درویشوں کے تابعداروں اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقلدوں پر۔ کیونکہ وہ اُن کے نزدیک سب سے زیادہ گنہگار۔ سب سے زیادہ مجرم۔ اور سب سے زیادہ مُشرک خیال کئے جاتے ہیں۔ چور ان کے نزدیک بری۔ ڈاکو ان کے نزدیک اچھے۔ شرابی اور زانی ان کے منظورِ نظر۔ ڈاڑھی مُنڈے ان کے عزیز۔ شریعت کے خلاف جانے والے متمول ان کے قبلہ و کعبہ۔ سینماؤں اور بائیسکوپوں کی رونقیں بڑھانے والے مومن ان کے پیارے۔ درہم و دنانیر سے چندہ دینے والے (خواہ مال کیسا ہو) ان کے محبوب۔ رشوتیں کھانے والے ان کی آنکھوں کے تارے۔ مشرکوں سے اتحاد کرنے والے ان کے لیڈر۔ اور مسجدوں کی بربادی کے درپے ان کے توحید پرست۔ کیونکہ نہ ان میں سے کسی پر قلم اُٹھے نہ فتوے لگے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ان کے لئے عمداً خاموش ہیں۔ اور ڈرتے ہیں۔ کہ کہیں کلمہ حق کہکر کسی خداوندِ نعمت کو ناراض نہ کرلیں مگر جہاں کسی نے درود شریف پڑھا۔ مُردے کو کلام الٰہی پڑھکر بخشا۔ قبر پر فاتحہ کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ مدینہ منورہ کے سفر کی تیاری کی۔ بس مشرک و بے دین ہُوا۔ لے دے کے خدا پرستوں پر ہی تمام نزلہ گرایا جاتا ہے۔ تاکہ کوئی بھی اسلام کو زندہ رکھنے والا معتمد نہ رہے۔ اور ہم اپنی نفسانیت کے ماتحت من بھاتی کریں۔

بھلا یہ کوئی مسئلہ ہے۔ کہ مولوی صاحب نے ایصال ثواب کرنے اور وقتِ معین پر کرنے اور پسندیدہ و بہترین اشیاء کو خدا کو خدا کی راہ میں دینے کو رسومات و بدعات سے تعبیر فرما دیا ہے۔ چنانچہ آپ

ص۲۴ پر لکھتے ہیں :-

"بدعات کے ارتکاب میں بدعتی آدمی حسنہ کرتے ہوئے بدعتی اور دین سے بے دین اور مردود ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہمارے زمانہ میں صدہا قسم کی رسومات اور بدعات آج دین و ایمان کا جزو بن گئی ہیں۔ اور ان کو ایصالِ ثواب موتیٰ کے نام پر لازمی قرار دے لیا گیا ہے"

پھر ص۲۵ میں ہے۔ "کہ کسی نے ایصالِ ثواب کے لئے خاص خاص دن مقرر کر لئے۔ اور کسی نے صدقہ کے لئے خاص خاص چیزیں اور ان کی مقدار معین کر لی ہے۔ کسی نے مقامات کی قیود وغیرہ کی تعین کر لی ہے"

گویا مولوی صاحب کے نزدیک وقت معیّن کر کے ایصالِ ثواب کرنا بدعت و ناجائز ہے اچھی مرغوب چیزوں کا صدقہ رسم و مردود ہے۔ نہ خاص دن مقرر کیا جائے۔ اور نہ ایصال ثواب ہونے میں عمدہ اور پاکیزہ چیزیں صدقہ کی جائیں۔ کسقدر بودی و بے بنیاد گفتگو ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یا تو مولوی صاحب کو کہیں سے حصہ نہیں ملا۔ یا کہیں مختاری میں فرق لایا گیا ہے اور یا ملتان کے آئمہ مساجد آپ کی پرواہ نہیں کرتے۔ جو یوں آپ مُنہ میں جھاگ بھر رہے ہیں۔ یہ تو وہی قصہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک معمولی حیثیت کا آدمی کسی چوہدری کے سامنے پاپڑ کھاتا ہوا آیا۔ اور اس نے چوہدری صاحب کو صلح نہ کی۔ دیکھ کر رالیں چوہدری صاحب کی بھی ٹپکنے لگیں۔ مگر اپنے وقار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے ذلیل طریق پر مانگ بھی نہ سکے۔ آخر جب طبیعت بالکل بے تاب ہو چلی۔ تو بولے ارے کم بخت یہ کیا پڑ پڑ لگا رکھی

ہے۔ یا اس کو پھینک دے یا مجھے دے دے۔ لطیفہ۱۲۔ چک ۴۲
چیچا وطنی میں ایک حنفی نما وہابی مولوی صاحب (جن کی تعلیم دیو بندیہ
مدرسے کی تھی)، تشریف لائے۔ اور امام مسجد معیّن ہو گئے۔ چند یوم تو مولفتہ
القلوب کی حیثیت سے حنفی بنے رہے۔ جب دیکھا کہ لوگوں میں کچھ تعظیم
وتکریم ہونے لگی ہے۔ تو ان مولوی سنبھلی ملتانی صاحب کی طرح ختم۔ درود
چہلم۔ ساتے۔ تیجے۔ اسقاط وغیرہ لگے حرام کرنے۔ آخر کار لوگوں نے سوچا
کہ مولوی صاحب کیلئے یہ سب کچھ حرام ہے۔ کام ان سے لیا کرو۔ اور
یہ تمام ختم و درود کی اشیاء یتیم خانہ میں دے دیا کرو۔ پھر کیا تھا۔ مولوی
صاحب کیلئے فاقہ پر فاقہ آنے لگا۔ اور نہایت رذالت کی زندگی گزارنے
لگے۔ امامت کرانا۔ نماز پڑھانا۔ مسجد جانا۔ سب ترک کر دیا۔ فقیر کے ایک
دوست نے مولوی صاحب کی یہ حالت دیکھ کر پوچھا۔ کہ یہ کیا حال ہے۔
اور آپ نے کیوں یہ سب کچھ اپنے آپ پر حرام کر لیا ہے۔ اور افلاس
کا شکار ہو رہے ہو۔ تو مولوی صاحب فرمانے لگے۔ اب تو میں کہتا ہوں۔
کہ سب کچھ جائز ہے۔ مگر کوئی کمبخت مانتا ہی نہیں۔ خدا رحم کرے! ایسی
ہی ایک شکم سیر ہستی یہ مولوی ملتانی سنبھلی جی بھی نظر آتے ہیں۔ خیال
فرمائیے۔ یہ بھی کوئی توحید پرستی اور متابعت سنت ہے۔ جو دو دن کے
فاقہ سے اپنے ہی حرام کردہ کو حلال سمجھ لے۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ حرام
ہوں تو حلال نہ کی جاسکیں۔ جب ہیں ہی حلال تو پھر یہ محض ایک
متعصبانہ طرز تکلّم ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

ورنہ پہلے دن ہی (جس دن مُردہ دفن کیا گیا ہو) خود حضور علیہ
السلام نے اہل میت سے کھانا تناول فرمایا۔ جیسا کہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ

جلد چہارم صلاً سطر ۱۷ ایں روایت عن عاصم ابن کلیب عن ابیہ
عن رجل من لانصار قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فی جنازۃ فرایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو علی القبر یوصی
الحافر یقول اوسع من قبل رجلیہ ومن قبل راسہ فلما رجع
استقبلہ داعی امرأتہ فاجاب ونحن معہ فجیٔ بالطعام فوضع
یدہٗ ثم وضع القوم فاکلوا فنظرنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یلوک لقمۃ فی فمہ ثم قال اجد لحم شاۃ اخذت بغیر
اذن اھلھا فارسلت المرأۃ تقول یا رسول اللہ انی ارسلت
الی النقیع وھو موضع یباع فیہ الغنم یشتری لی شاۃ فلم توجد
فارسلت الی جارلی قد اشتری شاۃ یرسل بھا الیٔ ثمنھا فلم یوجد فارسلت الی امرأۃ
فارسلت الی بھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطعمی ھذا الطعام الاسری رواہ
ابوداؤد والبیھقی فی دلائل النبوۃ۔ ترجمہ:۔ روایت عاصم ابن کلیب رضی
اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے باپ سے اس نے ایک اصحابی انصاری رضی
اللہ عنہ سے۔ کہا اُس نے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں
ایک جنازہ کے ساتھ نکلے میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا
کہ قبر پہ گورکن کو فرماتے تھے۔ کہ پاؤں کی طرف سے قبر کو فراخ کر۔ اور
سر کی طرف سے بھی فراخ کر۔ پھر جب آپ بعد دفن واپس ہوئے۔ تو
اُس میت کی بیوی نے آدمی بھیجا۔ کہ کھانا تیار ہے۔ نوش جاں فرمائیے
آپؐ نے قبول فرمایا۔ ہم سب جو ایک جماعت جو حضور کے ساتھ تھے۔
گئے۔ وہاں کھانا سامنے آیا۔ آپ نے اپنا دستِ مبارک کھانے کی طرف
بڑھایا اور کھایا۔ پھر دیکھا ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف۔ کہ

لقمہ منہ میں چبا رہے ہیں۔ اور نگلتے نہیں۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ مجھے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ یہ گوشت ایسی بکری کا ہے۔ جو مالک کی بے اجازت لی گئی ہے۔ (علم غیب) پھر اُس عورت نے ایک آدمی کی زبانی کہلا بھیجا۔ کہ یا رسول اللہ میں نے آدمی نقیع میں بھیجا تھا جہاں بکریاں بکتی ہیں۔ تا کہ بکری مُول لے آوے۔ لیکن وہاں نہ ملی۔ تب مَیں نے اپنے ہمسایہ کے پاس آدمی بھیجا۔ کہ جو اس نے بکری خریدی ہے۔ وہ مجھ کو قیمت پر بھیج دے۔ اتفاق سے وہ ہمسایہ بھی گھر میں نہ تھا مَیں نے اُس کی بیوی کے پاس آدمی کو بھیجا۔ کہ بکری میرے پاس بھیج دے۔ اُس نے بغیر اذن اپنے خاوند کے بکری میرے پاس بھیج دی۔ تب حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھِلا دے۔ ان قیدیوں کے متعلق شاہ عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکواۃ شریف میں فرماتے ہیں۔ کہ وہ قیدی کفّار تھے۔ اور دائرہ تکلف شرعی سے خارج تھے۔ اس سے ثابت ہُوا۔ کہ اہلِ میت کی دعوت خواہ وہ پہلے ہی دن کی ہو۔ قبول کرنا جائز ہے۔ اور اس میں غنی اور فقیر کی قید نہیں۔ اور پہلے دن کی تخصیص پائی جاتی ہے۔

انجاح الحاجہ شرح ابن ماجہ مصنفہ شاہ عبد الغنی صاحب محدث اُستاد مولوی رشید احمد صاحب دیوبندی میں ہے۔ واما صنعۃ الطعام من اھل المیت اذا کان للفقراء فلا باس بہ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل دعوۃ المرأۃ التی مات زوجھا کما فی سنن ابی داؤد۔ بلفظہ۔ ترجمہ:۔ یعنی کھانا تیار کرنا اہلِ میت کا جب بہ نظر ثواب فقراء اور غرباء کے لئے ہو۔ اس میں کوئی

مضائقہ نہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی دعوت قبول فرمائی تھی جس کا خاوند فوت ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ابو داؤد میں ہے۔ جس حدیث شریف کا اُوپر ذکر ہو چکا ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مُلا علی قاری علیہ الرحمتہ زیر حدیث عاصم بن کلیب رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔ ھذا الحدیث بظاھرہ یرد علی ماقررہ اصحاب مذھبنا من انہ یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث اوبعد الاسبوع کما فی البزازیہ فینبغی ان یقید کلا مھم بنوع خاص من اجتماع یوجب استحیاء اھل بیت المیت فیطعمونہ کرھا اویحمل علی کون بعض الورثۃ صغیراً اوغائباً اولم یعرف رضاہ وتخوف الک۔ وان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً انتھی ملخصاً۔ ترجمہ:۔ یہ حدیث عاصم بن کلیب کی ظاہر اور بظاہر ردّ کر رہی ہے۔ اس مسئلہ کی جو ہمارے مذہب والوں نے قرار دیا ہے۔ کہ کھانا تیار کرنا پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد مکروہ ہے۔ اس کے بعد خلاصہ کلام محقق مذکور کا یہ ہے۔ کہ اگر مُردوں کے لئے کھانا بطور ضیافت تیار کریں۔ اور اصحاب حاجات کی دعوت کریں۔ تو یہ سب مستحسن اور مستحب ہے۔ اگرچہ پہلے دوسرے تیسرے دن مصیبت کے ہوں۔ اور کُتب فقہ میں جو ان تین دن میں طعام لینے کی کراہت کا ذکر ہُوا ہے۔ وہ دن ایک خاص صورت کا ہے۔ کہ صاحب مصیبت کے گھر میں بغیر دعوت کے لوگ جمع ہو جائیں۔ پس بکراہت اور ناخوشی از روئے حیا طعام لیویں۔ یا میت کی بعض اولاد یا وارث چھوٹے ہوں۔ یا وہ غائب یا دور ہوں۔ یا ان کی رضا معلوم نہ ہو۔ تو اس صورت

میں کھانا مکروہ ہوگا۔ لیجئے مولوی جی کی عبارت بزازیہ کی اصلیت بھی معلوم ہوگئی۔ جو اُنہوں نے بحوالہ شامی دی ہے۔ آپ کو لازم تھا۔ کہ ان کتابوں کو دیکھ کر منہ کھولتے۔ تاکہ ندامت نہ اُٹھانی پڑتی۔ اس کا مطلب تو یہ تھا۔ کہ اگر وہ کھانا بطور دعوت تیار کیا جائے۔ تو وہ مکروہ ہے۔ اور اگر ایصال ثواب میت کے لئے ہو تو مکروہ نہیں۔ مگر آپ کی اس وہابیانہ روش سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ کو کلمۂ حق کہنا اور سُننا پسند نہیں۔ جہاں کہیں ایک آدھ سطر کسی غیر مقلد بے تحقیق کے رسالہ میں دیکھ لی۔ بلا سوچے سمجھے لکھ ڈالی۔ حالانکہ تبلیغ دین میں دھڑا بندی سے ہٹ کر امانت و دیانت سے کام لینا چاہیئے۔ غیر مقلدین کی طرفداری بدعوائے مدعی ایک مقلد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے لئے جائز نہیں۔

اور سُنئے بزازیہ نے کتاب الاستحسان میں لکھا ہے۔ وان اتخذ ولی المیّت طعاماً للفقراء کان حسناً اذا ان یکون فی الورثۃ صغیر فلا یتخذ ذالک من الترکۃ۔ ترجمہ :۔ یعنی اگر میت کے ولی نے فقراء کے لئے کھانا پکایا۔ تو یہ بہتر ہے۔ مگر جب وارثوں میں کوئی یتیم ہو تو ترکہ سے نہ لیا جائے۔

اسی طرح علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں بزازیہ کی عبارت نقل کی ہے۔ فھذا یدل علی اباحۃ صنع اھل المیت الطعام والدعوت الیہ۔ ترجمہ :۔ یعنی یہ حدیث عاصم بن کلیب کی اہل میت کے کھانا پکانے پر دلالت کرتی ہے۔ اس پر اور واضح تر سنئے۔ زاد الآخرت نے مراۃ الآخرت سے لکھا ہے :۔

کہ اجابت طعام کہ برائے میّت پختہ باشند مکروہ است و ایں

آنگاہ مکروہ است کہ از مال ترکہ میت باشند۔ زیراکہ ترکہ حق وارثاں است واگر وارثاں نہ باشند۔ حق بیت المال است اما اگر کسے از مال خود برائے میت طعام میکند وخلق رامے خوراند بے شبہ حلال است۔ زیراکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بروح حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ، طعام شام وسوم روز و دہم روز وچہلم روز وششماہی وسالانہ دادہ است۔ وبعضے صحابہ رضوان اللہ علیہم نیز ہمچنیں کردہ اند۔ ہر کہ ایں رامنکر پس او فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضوان اللہ علیہم رامنکر شدہ باشد۔

یعنی قبول کرنا طعام میت کا جو میت کیلئے پکایا جاوے۔ اس صورت میں مکروہ ہے۔ کہ ترکہ کے مال سے پکائیں۔ اسلئے کہ ترکہ وارثوں کا حق ہے۔ اگر وارث نہ ہوں بیت المال کا حق ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے مال سے میت کے لئے پکائے۔ اور لوگوں کو کھلائے۔ تو بے شبہ جائز اور حلال ہے۔ اسلئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے لئے کھانا شام کا تیسرے دن کا اور دسویں روز کا۔ اور چہلم۔ ششماہی۔ اور سالانہ کا دیا ہے۔ اور بعض صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ جو کوئی اس کا منکر ہے۔ وہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و فعل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا منکر ہے۔

اسی طرح خلاصتہ الفقہ ومسائل شیخ الاسلام دہلوی شارع صحیح بخاری میں بھی ہے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک ان مولوی سنبھلی صاحب پر کیا موقوف ہے۔ ایسے بہتنا سے مدعی بزرگی حنفی

نما وہابی آجکل یہ وطیرہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔کہ جن مسائل میں سوائے تسلیم کے چارہ نہیں۔ اور ان میں وہابیت کا پرچار نہیں کر سکتے۔ تو ذرا ذرا سی حجتیں اُٹھا کر عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کی سعی کرتے رہتے ہیں۔ جیسے بظاہر دبی آواز سے اس مسئلہ ایصال ثواب میں بھی کر رہے ہیں۔ کہ ایصالِ ثواب۔ قرآن پڑھنا۔ صدقات و خیرات و اسقاط موتیٰ مندوب ہے۔ اب علانیہ ناجائز کہیں۔ تو اپنے اُستادوں اور متقدمین کے مجرم ہوتے ہیں۔ کریں تو کیا کریں۔ ہو نہ ہو بات کرنے کی جگہ یوں نکالو۔ کہ یہ سب کچھ جائز ہے۔ مگر وقت معیّن پر نہ کرنا چاہیئے۔ واہ کیا مضحکہ خیز فلسفہ ہے۔ کہ نماز کا وقت معیّن۔ روزہ کا معیّن۔ حج کا معیّن۔ موت کا معیّن۔ مدارس و تدریس کے ایّام۔ تعلیم و تعطیل معیّن۔ عقیقہ و پیدائش کا دن معیّن۔ نکاح کا دن معیّن اور بغیر تعیّن کے کام نہ چلے۔ نہ بیوقت نماز ہو۔ نہ روزہ کی فرضیت ادا ہو۔ نہ قبل از وقت اور نہ بعد از وقت میں حج کا ثواب حاصل کر سکیں۔ نہ نکاح بغیر تعیّن وقت اور بلا معاہدہ فی مابین ہو سکے۔ پھر اسمیں کونسی چیز بدعت ہے۔ کہ خاص خاص ایّام میں تمام مسلمان بھائیوں کو معیّن وقت دے کر بخوفِ حرج ضروریات دین و دنیا بُلا لیا جائے۔ اور مِلکر ایک نیک کام کو سر انجام دے دیا جائے۔ آپ تو جلسہ کریں۔ تو اشتہار دے کر وقت معیّن پر کریں۔ ہر ایک کی صدارت و تقریر کا وقت معین۔ اور اس کا اعلان منتخب بنا لیں۔ اور یہ بدعت حرام ہو جائے۔ عجیب سُنّت کی ادائیگی ہے۔ خدا ایسی بے راہ روی سے محفوظ فرمائے۔ جو اوروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت۔ مولوی صاحب اوّل تو وقت کا معیّن کرنا اس لئے نہیں ہوتا

کہ فرضیت میں کوئی فرق نہ آئے۔ بلکہ اس لئے ہوتا ہے۔ کہ بغیر معیّن کرنے
وقت کے میت کے وارثوں کو غیر معیّن مدت تک دور دراز سے آنیوالے
رشتہ داروں کے ساتھ ماتم پرسی کا وقت دینا پڑتا۔ اور وہ اپنے خاص
خاص خانگی و معیشت کے کاموں سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اگر سال بھر تک
بیرونی رشتہ دار آتے رہتے۔ تو سال بھر تک کچھ ان کی مہمان نوازی کرتے
اور کچھ اپنا روٹی کا رونا روتے۔ اس ظاہری و باطنی نقصان سے بچنے کا
واحد ذریعہ یہ اختیار کیا گیا۔ کہ ایک وقت معیّن کر کے تمام کی آمد کا انتظار
کیا جاوے۔ اور میت کی اعانت میں جو کچھ کوئی نیکی کر سکتا ہو۔ بیک
وقت کرے۔ تاکہ ورثا میت بھی فراغت پا کر اپنے کسی دھندے میں
لگنے والے بنیں۔ دوسرے قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ تعاونو
اعلی البر والتقوی۔ یعنی آپس میں مدد کرو نیک کام اور تقوی پر۔ اور
تقوی یہ ہے۔ کہ ورثا میت نے (جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ
کلمہ طیبہ جو کوئی ایک لاکھ بار میّت کی نیت پر ایصالِ ثواب کے لئے
پڑھے۔ اور ثواب اس کا اس میّت کو بخشے۔ اگر وہ قابل عذاب ہو۔
تو اس کو عذاب نہ کریں گے۔ اور اگر وہ قابل عذاب نہیں۔ تو اس
کے درجات بلند کر دیئے جائیں گے) پڑھنے کا اہتمام کیا۔ اور ایک
روایت میں ستر ہزار بار پڑھنا کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ" کا آیا ہے جیسا کہ
بزرگانِ دین میں اس پر عمل بھی پایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی
مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی کلام کا حوالہ دیتے ہوئے مولوی
صاحب نے اپنی بدعت گوئی کی دلیل لی ہے) دوستوں کو جلد ثانی میں
فرماتے ہیں۔ کہ ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ بروحانیت مرحومی

خواجہ محمد صادق وبروحانیت ہمشیرہ ام کلثوم بخوانند و ثواب ہفتاد ہزار بار را بروحانیت یکے بخشند و ہفتاد ہزار بار دیگر را بروحانیت دیگرے۔ از دوستاں دعا وفاتحہ مسئول است۔ اب ایک لاکھ بار کلمہؒ طیبہؒ وارث میت اکیلا تو جلد پڑھ نہ سکے گا۔ اور نہ پڑھ سکتا ہے۔ اور یہاں میت کا کام تمام ہوا جاتا ہے۔ لہذا چند میت کے عزیز آشنا وہمسایہ ملکر اس کار خیر کو انجام دے لیں۔ تو تعاونوا علی البر والتقوی۔ کے ماتحت ان کی شرکت باعث ثواب وخیر ہوگی۔ نہ گناہ۔ یا آپ کہہ دیں کہ کلمہ طیبہؒ پڑھنا بھی گناہ ہے۔ اور اس میں شرکت بھی گناہ۔ پھر ممکن ہے۔ لوگ باز رہ جائیں۔ اگر یہ دلائل بھی ناکافی ہیں۔ تو لیجئے اپنے دیوبندی گھر والوں کی سنیئے۔ جن پر ایمان رکھتے ہو۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی تخذیر الناس مطبوعہ بریلی کے صنہ میں لکھتے ہیں۔ کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہوگیا۔ آپ نے سبب پوچھا۔ تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا۔ کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں۔ حضرت جنیدؒ نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار بار کبھی کلمہ طیبہ پڑھا تھا۔ یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اسقدر کلمہ طیبہ پڑھے جانے کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے اپنے جی ہی میں اپنے مرید کی ماں کو بخش اور اسکو اطلاع نہ کی مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں۔ کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔ تو آپ نے اس پر یہ فرمایا۔ کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث معلوم سے معلوم ہوئی۔ اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوئی۔ اب کیا فرماتے ہیں مولوی جی بیچ اس فعل کے۔ کہ کلمہ طیبہ کسی کا پڑھنا اور کسی کو بخشنا

اور امام مجددؒ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا دوستوں کو ملکر پڑھنے۔ اور دو ہستیوں کو بخشنے کا ارشاد فرمانا۔ آپ کی مجوّزہ بدعت میں داخل ہے۔ یا اہل دین و بزرگانِ مذہب میں داخل ہے۔ یا اہل دین و بزرگانِ مذہب کا دستور العمل رہا ہے۔ اگر آج کوئی ایسا کلمہ کلام ایصالِ ثواب کے لئے مِلکر پڑھا جائے۔ تو یہ حرام و ناجائز کیونکر ہُوا۔ کیا مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر بھی ایمان ہے۔ یا وہی ایک ہی اپنے مطلب کی بات تلاش کر رکھی تھی۔ اور سُنیئے حضرت سرتاج اولیأ امام ربانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں۔ مکتوبات ۱۷۴ جلد اوّل۔ بدعا و استغفار و تصدق امداد باید نمود۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوۃ تلحقہ من اب او ام او اخ۔ او صدیق فاذا لحقتہ کان احب الیہ من الدنیا وما فیھا وان اللہ تعالیٰ لیدخل علی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال من الرحمۃ وان ھدیۃ۔ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم۔ ترجمہ حدیث شریف۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردہ قبر میں ڈوبنے والے کی مانند ہے۔ فریاد کرنے والا ہے۔ اور انتظار کرتا ہے دعا کی۔ جو اس کے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست نے کی۔ جب یہ دعا اس کو پہنچے۔ دوست تر یا زیادہ محبوب ہے۔ وہ دعا اس کے لئے تمام دنیا سے اور جو کچھ دنیا میں ہے۔ اس سے بھی۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اہل دنیا کی دعا اہل قبر کو پہنچاتا ہے مانند پہاڑوں رحمت کے۔ اور تحقیق زندوں کا ہدیہ یا تحفہ یا صدقہ مُردوں کے لئے بخشش ہے۔ یا ذریعہ نجات۔ اب تو امام صاحب کا قول اور حدیث شریف متفقہ طور پر فاتحہ خوانی۔ اور

طریق ثواب رسانی کی تاکید فرما رہے ہیں۔ کیا اب بھی امام صاحب کے نزدیک جوازِ ایصال ثواب پایا گیا ہے یا نہیں۔ اور اگر آپ کے ہی لیل و نہار ہیں۔ تو مولا کریم رحم فرمائے۔ تیسرے یہ بات بھی تجربہ سے معلوم ہوتی ہے۔ کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو۔ جب وہ وقت آئے۔ تو یاد آجاتا ہے۔ اور ہو رہتا ہے۔ نہیں تو سالہا سال گزر جائیں کبھی خیال بھی نہ آئے گا۔ اس قسم کی بیسیوں مصلحتیں ہر امر میں ہیں۔ جن کی تفصیل طویل ہے۔ سمجھ دار آدمی غور کر کے خود ہی سمجھ سکتا ہے۔ قارئین ذرا خیال فرمائیے۔ کیا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ مصنف تفسیر فتح العزیز پر ان توحید پرستوں کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ جن کا ایمان ہے۔ کہ چہلم۔ ساتے۔ تیجے سب جائز ہیں۔ چنانچہ صث۹۰ میں فرماتے ہیں :-

"مدد زندوں کی مُردوں کو ایسی حالت میں پہنچتی ہے۔ اور مرے ایسی حالت میں مدد کے منتظر ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا اس وقت صدقے اور دعائیں اور فاتحہ ان کے بہت کام آتے ہیں۔ اور اسی واسطے اکثر لوگ ایک سال تک علی الخصوص ایک چلّے تک موت کے بعد کوشش وسعی کرتے ہیں۔ جیسا کہ فقہا نے لکھا ہے ینبغی ان یواظب علے الصدقۃ للمیت الی سبعۃ ایام وقیل الی اربعین فان المیت یشوف الی بیتہ ... الآخر۔ یعنی چاہیئے کہ سات دن تک ہمیشہ صدقہ دیا جائے میت کی طرف سے۔ اور بعضوں نے کہا۔ چالیس دن تک کیونکہ میت اپنے گھر کی طرف آرزومند اور مائل ہوتی ہے۔ اسی طرح ارشاد فقہا خزانۃ الروایت وشرح برزخ وغیرہ میں مندرج ہیں۔ یستحب ان یتصدق عن المیت الی ثلثۃ ایام۔ یعنی

مستحب ہے کہ میت کی طرف سے تین دن تک صدقہ کیا جائے۔ لیجئے شاہ صاحب کے عقیدہ میں چلہ تک سعی للمیت کرنا مستحسن ثابت ہوتا ہے۔ ورنہ آپ خود ہی ناجائز ہونے پر تردید فرما دیتے۔ نہیں بلکہ مدد سے تردید فرما رہے ہیں۔ پھر انوار محمدی مصنفہ شیخ محمد غوث صاحب مرحوم تھانوی اُستاد مولوی رشید احمد صاحب دیوبندی صـ۲۶ سوال ہشتم کا جواب پڑھیئے۔ جہاں لکھتے ہیں:۔ سوال

"آنکہ خوردن طعام بروز سویم۔ ودہم وچہلم وغیرہ از اہل میت (جواب) محتاج را منع نیست"

کیا یہاں بھی تخصیص امام کا کھانا جائز ہوا یا نہیں۔ شاید سوم۔ دہم۔ چہلم۔ آپ کے نزدیک کس جانور کا نام ہے۔ صاحبزادہ ابراہیم جب فوت ہوتے ہیں۔ تو خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے دن ختم پڑھتے ہیں۔ روٹی سامنے رکھ کر دعا فرماتے ہیں۔ اور حضرت ابوذرؓ کو ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اس کو لوگوں میں تقسیم کردے چنانچہ اصل عبارت یوں ہے۔ وفی فتاوی الدوزجندی لملا علی قاری الحنفی رحمۃ اللہ وکان یوم الثالث من وفات ابرھیم ابن محمد صلی اللہ علیہ وسلم جاء ابوذر عند النبی علیہ السلام بتمرۃ یابسۃ ولبن فیہ خبز من شعیر فوضعھا عند النبی فقرء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفاتحۃ وسورۃ اخلاص ثلث مرات الی ان قال رفع یدیہ للدعاء ومسح بوجھہ فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اباذر ان یقسمھا بین الناس وایضا قال النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم وھبت ثواب ھذا الدنیا

ابرھیم۔ بلفظہٖ ہدیتہ الحرمین۔ الباب الثالث عشر ص۶۸۔ ترجمہ۔
اور درمیان فتاویٰ اوزجندی ملاں علی القاری الحنفی رحمتہ اللہ علیہ کے ہے۔ کہ تیسرا دن وفاتِ ابراہیم فرزندِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ کہ آئے ابوذر رضی اللہ عنہ نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھجور خشک اور دودھ کے کہ اس میں بھیگی ہوئی روٹی جو کی تھی۔ پس رکھا اس کو نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پس پڑھی حضرت صلعم نے فاتحہ اور سورۃ اخلاص تین بار۔ یہانتک کہ کہا حضرت نے دونو ہاتھ اُٹھاکر اپنے منہ پر پھیرے۔ پھر حضرت ابوذر رضہ کو حضور علیہ السلام نے حکم فرمایا۔ کہ اس کھانے کو لوگوں کے درمیان تقسیم کر دے۔ اور یہ بھی اس میں ہے۔ کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے اس کا ثواب اپنے بیٹے ابراہیم کو بخشا۔

یقیناً اس حوالہ سے یہ سمجھ میں آگیا ہوگا۔ کہ تعیّن وقت۔ اور تیسرا دن بعد وفات کے اس انکار کا صریح جواب ہے۔ اور وقت کا معیّن کرنا مسنون۔ اور اگر اس کے تسلیم کرنے میں بھی تامل ہے تو اور دلائل ملاحظہ فرمائیے۔ حدیث شریف مشکوٰۃ باب الاستسقا عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت شکا الناس الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قحوط المطر فامر بمنبر فوضع لہ فی المصلےٰ ووعد الناس یوم یخرجون فیہ قالت عائشۃ فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین بدا حاجب الشمش الحدیث۔ ترجمہ:۔ لوگوں نے مینہ نہ برسنے کا حضور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکوہ کیا۔ تو حضور علیہ السلام نے عید گاہ میں ممبر کے رکھنے کا حکم دیا۔ اور ایک دن معیّن فرمایا۔ کہ اس دن سب لوگ عید گاہ کو چلیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضورؐ اس دن آفتاب کے طلوع کے وقت نکلے۔ اور عید گاہ کو تشریف لے گئے۔ اس حدیث سے دن کا معیّن کرنا۔ نمازِ استسقاء کو نکلنے کیلئے ثابت ہوتا ہے۔ اور صحیح بخاری میں ہے۔ عن ابن عمر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یاتی مسجد قبا کل سبت ماشیاً و راکباً و یصلی فیہ رکعتین۔ یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کے روز مسجد قبا میں تشریف لایا کرتے تھے۔ کبھی پیدل اور کبھی سواری پر۔ اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ پھر صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ عن شقیق قال کان عبد اللہ بن مسعود یذکر الناس فی کل خمیس یعنی کہ شقیق فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کے دن لوگوں کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ یعنی وعظ کے لئے یوم جمعرات معیّن کر رکھا تھا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے وہ ارشادات بھی ہیں۔ جن میں حضورؐ نے تعیّن یوم فرما کر زیارتِ قبور کے لئے پیر۔ جمعرات۔ ہفتہ اور جمعہ بعد نماز بیان فرمایا ہے۔ کیا یہ تمام احادیث معیّن یوم میں تیسرے دن کے ختم پڑھنے میں اور کھانا سامنے رکھکر پڑھنے میں اور اس پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے میں اور معیّن اشیأ ہونے میں اور پھر لوگوں میں تقسیم کروانے میں فعل رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرتی ہیں یا نہیں۔ اور اگر مسنون سمجھ کر کھجور

خشک۔ دودھ اور جو کی روٹی خالی یا دودھ میں بھیگی ہوئی ہر مسلمان ختم میں رکھنا لازم کرلے۔ تو معیّن اشیا پر جواز کا حکم لگ جائے گا۔ اور سنت ادا ہو جائے گی۔ پھر ہر بہتر چیز کو لے کر دیتے ہیں آپ کا کیا نقصان۔ تکلیف تو دینے والے کو محسوس کرنی چاہیئے۔ نہ کہ آپ کو۔ کیا آپ ایمانداری سے کہتے ہیں۔ کہ تیجہ وغیرہ پر ختم۔ یوم معیّن۔ قرآن خوانی اور کھانا سامنے رکھ کر اور ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و ائمہ عظام سے بالکل ثابت نہیں۔ اور یہ کہ عہد نبوت و عہد صحابہ و تابعین میں یہ طریقہ رائج نہ تھا۔ کہ میّت کے لئے جمع ہو کر قرآن پڑھیں۔ نہ قبر پر نہ دوسری جگہ۔ یہ تمام کی تمام بدعت ہیں۔ افسوس اگر مولوی جی کسی تحقیق سے کام لیتے۔ تو یقیناً ایسا نہ لکھتے۔ کیونکہ متقدمین سے یہ ثابت ہے۔ کہ موتیٰ کے لئے قرآن پڑھنا۔ ہر زمانہ میں اہل ایمان کا شیوہ رہا ہے۔ مگر معلوم نہیں۔ کہ ان کو قرآن پڑھنے سے کیا عداوت ہے۔ ہاں اگر وہ واقفیت نہیں رکھتے تو لیجئے عینی شرح ہدایہ باب الحج عن الغیر سے معلوم کر لیں۔ ان المسلمین یجتمعون فی کل عصر و زمان ویقرؤن القرآن ویھدون ثوابہ لموتاھم وعلی ھذا اھل الصلاح والدیانۃ من کل مذھب من المالکیۃ والشافعیۃ وغیرھم ولا ینکر ذالک منکر افکان اجماعاً۔ ترجمہ۔ بے شک مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ اور ہوتے رہے ہیں۔ ہر عصر اور ہر زمانہ میں اور پڑھتے رہے ہیں قرآن اور پہنچاتے رہے ثواب اپنے موتیٰ کو اور اس بات پر جمع ہیں صلاح اور دیانت والے۔ ہر مذہب کے مالکی۔ شافعی وغیرہ اور کوئی منکر اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ پس اس امر پر اجماع ہو گیا ہے۔

اور دیکھئے فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ قرأت القرآن عند القبور عند محمد رحمۃ اللہ لا تکرہ ومشائخنا رحمہم اللہ اخذ و القبولہ وھل ینتفع والمختار المیت ینتفع کذا فی المضمرات۔ ترجمہ۔ یعنی قرآن پڑھنا قبروں پر امام محمد کے نزدیک مکروہ نہیں۔ اور ہمارے مشائخ نے اسی کے قول کو لیا ہے۔ اور مُردہ نفع پاتا ہے۔ قرآن خوانی سے یا نہیں سو مختار یہ ہے۔ کہ نفع پہنچتا ہے۔ یہ مضمرات میں ہے۔ اور فتح القدیر میں ہے۔ واختلف فی اجلاس القارئین لیقرؤ عند القبر والمختار عدم الکراھتہ۔ اور فتح القدیر میں ہے۔ کہ مکروہ نہیں۔

مراقی الفلاح میں کبیر طبرانی سے یہ حدیث منقول ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی مرجائے۔ اور اس کی قبر کی مٹی برابر کر چکو۔ تو چاہیئے کہ ایک آدمی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر (اے فلانے بیٹے فلانے کے) قبر والے کو مخاطب کر کے کہے۔ وہ تمہاری آواز سُنتا ہے۔ گو جواب نہیں دیتا۔ پھر اسی طرح کہو وہ بیٹھ جاتا ہے۔ پھر اسی طرح اس کو تیسری دفعہ پکارو۔ وہ کہتا ہے۔ تجھ پر خدا رحم کرے۔ مجھ کو ہدایت کر مگر تم نہیں سُنتے۔ لہذا چاہیے کہ اب خطاب کرنیوالا کہے۔ کہ یاد کر تو اس بات کو جس پر تو دُنیا سے رخصت ہُوا ہے۔ کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ رضیت باللہ رباً وبالاسلام دیناً ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیاً وبالقرآن اماماً۔ یہ سُن کر نکیرین کہتے ہیں۔ چلو اب یہاں بیٹھنا فضول ہے۔ یہ تو اپنی حجت تلقین کر دیا گیا۔ ایک آدمی نے عرض کیا۔ کہ اگر میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو۔ فرمایا آپ نے فلاں بن حوّا کہکر پکارے۔ اسی واسطے شافعیہ اس طرح تلقین کو مستحب

فرماتے ہیں۔ اور حنفیہ بھی اچھا سمجھتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ میت کے لئے قبر پر بعد دفن قرآن کریم اور ہر قسم کی تلقین جائز و مسنون ہے۔ جس سے مُردے کو حجتِ تلقین ہو جاتے اور وہ سُنتا ہے۔ اور جواب دیتا ہے۔ گو اس کو اہل دُنیا نہ سُنتے ہوں۔

اور مولوی اسحاق صاحب نے مائۃ مسائل کے جواب سوال ہشتاد وسوم میں لکھا ہے۔ حافظان را برائے قرأت قرآن نشاندن نزدِ قبر و ایں مسئلہ علماء را۔ اختلاف است۔ مختار ہمیں است۔ کہ جائز است۔ الآخر مولوی اسحٰق صاحب لکھتے ہیں۔ کہ حافظوں کو قرأت قرآن کے لئے قبر کے نزدیک بٹھانے میں علمأ کا اختلاف ہے۔ مگر مذہب مختار یہی ہے۔ کہ جائز ہے۔ اور امام حجت الاسلام غزالی علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے۔ کہ لاباس بقراءان علی القبور۔ یعنی قبور پر قرآنِ کریم پڑھنے میں کوئی خطرہ نہیں۔ اور اس جگہ امام صاحب نے ایک عجیب قصہ بھی لکھا ہے۔ کہ علی بن موسیٰ کہتے ہیں۔ کہ میں ایک جنازہ پر امام احمد بن حنبل کے ساتھ تھا۔ کہ بعد دفن میت کے ایک اندھا قرآن پڑھنے لگا۔ امام احمد نے فرمایا کہ اے آدمی یہ کام بدعت ہے۔ جب ہم مقبرہ سے نکلے محمد بن قدامہ نے امام احمد سے پوچھا۔ کہ تم مبشر بن اسمٰعیل حلبی کو کیسا جانتے ہو۔ فرمایا وہ ثقہ یعنی معتبر ہے۔ اس نے پوچھا۔ تم نے ان سے کچھ علم سیکھا ہے۔ امام نے فرمایا۔ ہاں۔ جب معلوم ہُوا اقرار اُن کے سے کہ وہ امام احمد کے اُستاد ہیں۔ تو تب محمد بن قدامہ بولا۔ کہ خبر دی مجھ کو مبشر بن اسمٰعیل نے ان کو خبر پہنچی عبدالرحمٰن سے کہ جب ان کے باپ علا ابن الحاج کا انتقال ہُوا تو وصیت فرمائی۔ کہ جب میں دفن کیا جاؤں۔ میرے سرہانے قبر کے پانچ آیت اور

آمن الرسول پڑھو۔ اور یہ کہا۔ کہ میں نے ابن عمر کو سُنا ہے۔ وہ وصیت
کرتے تھے۔ اس بات کی۔ اُسوقت امام احمد نے فرمایا۔ کہ مقبرہ میں دوبارہ
جاؤ۔ اور اس اندھے کو کہہ دو۔ کہ قرآن پڑھتا رہے۔ اس کے علاوہ ایک
اور حدیث بھی نقل کردوں۔ تاکہ مولوی جی کے دلمیں نور قرآن کی محبت ہو
جائے۔ اور اس مغالطہ سے بچ جائیں۔ کہ اکٹھے ہو کر قرآن پڑھنا جائز
ہے یا نہیں۔ اور ابی الفضل کے فتوےلے کے روبرو حدیث مکرم کی کیا قدر
ومنزلت ہونی چاہیئے۔ ترجمہ حدیث۔ مسلم نے روایت کیا۔ کہ جس گھر میں آدمی
جمع ہوتے ہیں۔ اسلئے کہ تلاوت کریں کلام اللہ کی۔ اور پڑھیں آپس میں
اُترتا ہے اُن کے دلوں میں آرام و قرار و طمانیت اور سب طرف سے گھیر
لیتی ہے۔ اُن کو رحمت اور گرداگرد ان کے پھرتے ہیں فرشتے۔ تمام ہؤا ترجمہ
حدیث مسلم شریف کا۔ دیگر کُتب طریقہ میں بھی آیا ہے۔ کہ آدمی جمع ہوتے ہیں
اور پڑھتے ہیں قرآن اپنے مُردوں کیواسطے۔ کسی نے اس پہ انکار نہیں کیا
(یعنی کوئی بڑا عالم و محقق اس کا منکر نہیں جسکی سند لی جائے) لہذا یہ اجماع
ہو گیا۔ قاضی ثناء اللہ رحمتہ اللہ علیہ تذکرہ الموتیٰ والقبور میں فرماتے ہیں
کہ حافظ شمس الدین ابن عبد الواحد گفتہ کہ از قدیم در ہر شہر مسلمان
جمع مے شوند و برائے اموات قرآن مے خوانند۔ پس اجماع شدہ
غرضیکہ مُلا علی قاری۔ سیوطی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تمام نے یہ تحریر
فرمایا ہے۔ کہ عن سفیان قال کان الانصار اذا مات لھم
المیت اختلفوا الی قبرہ یقرءون القرآن۔ یعنی روایت ہے
سفیان سے۔ کہ انصار کی یہ عادت تھی۔ جب کوئی میت ان کے
ہوتی۔ تو وہ اس کی قبر پہ جاتے۔ اور متفق ہو کر قرآن پڑھتے تھے۔

ان کے علاوہ بے شمار دلائل ہیں۔ جو بخوف طوالت کتاب ہذا نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ العاقل تکفیہ الاشارۃ۔ خدا کرے۔ کہ یہ مولوی جی بھی اپنی موت کے بعد قرآن سُننے کے متمنی ہو جائیں۔ اور اپنی اس عبادت پر جس کے قبول یا مردود ہونے کا علم نہیں رکھتے۔ نازاں نہ ہوں۔



مسئلہ تعظیم انبیأ علیہم السلام و بزرگانِ دین و اہل القبور

فرقہ وہابیہ اور اس کا چھوٹا بھائی دیوبندیہ کچھ اس قسم کے الدّ الخصام اور حاسدانِ اہل اللہ واقع ہوئے ہیں۔ کہ جسقدر مردِ خدا کی خلقِ خدا میں تعظیم و تکریم ہوتی دیکھتے ہیں۔ جل بھن کر کوئلہ ہو جاتے ہیں۔ اور تو اور انبیأ علیہ السلام تک کی تعظیم تو ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی دوسرا بیچارہ کون ہے۔ جو ان کی نظر بد سے بچ جائے۔ درویشی تو ان کے لئے کچھ ایسی دل ریشی بن گئی ہے۔ کہ جہاں کہیں دُنیا کے خطّہ پر آسمان کے نیچے کوئی درویش نظر پڑا ان کی جان گئی اور تیور بدلے۔ داڑھی سکڑنے لگی۔ نتھنے پھولنے لگے۔ آستینیں چڑھنے لگیں۔ گویا سرتاپا عذاب بن گئے۔ پیش نہ جائے اور بس نہ چلے۔ تو وہ ایک دوسری بات ہے۔ ورنہ بس چلے تو دیکھو کیا بنتا ہے۔ جو منہ در آیا۔ کافر۔ کتّا۔ بندر۔ سور۔ بے شرع کہہ دیا۔ اگر ہمت پائیں تو ڈانگ ڈنڈا بھی دِکھانے سے کبھی نہ شرمائیں۔ اور اس کے علاوہ بھی جو اُس وقت بن پڑے دریغ نہ کریں۔

اس تمام ناک بھوں چڑھانے کی وجہ صرف حسد ہے۔ اور یہ مرض ان کو آج سے نہیں پُرانی ہے۔ جو لاعلاج ہو چکی ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ اور شائد انہی کے لئے ہی کہا ہے ؎

یہ درد وہ ہے کہ جس کا کوئی طبیب نہ ہو   یہ داغ وہ ہے کہ دشمن کو بھی نصیب نہ ہو

کیونکہ عوام النّاس درویشوں۔ پیروں اور فقیروں کی خدمت کرتے

ہیں۔ اور اُن کا ادب بجا لاتے ہیں۔ اور یہ دیکھ کر سہار نہیں سکتے چاہتے ہیں کہ درویشوں کو لوگوں کی نظروں سے گرائیں۔ واویلا مچائیں۔ ہتھکنڈے چلائیں۔ مگر جب کچھ بنتا نظر نہیں آتا۔ تو پھر اس حسد کے پردے میں شریعت کی آڑ رکھ کر فتوے چلانے شروع کر دیتے ہیں۔ اور ہیچ پیچ کر کے اُن کو مشرک بدعتی۔ بے راہ رو اور خلاف سُنت کہنے لگ جاتے ہیں۔ اور لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کیلئے جو بہتان ہاتھ آئے لگا کر اپنا اعمال نامہ سیاہ کر لیتے ہیں۔ اگر اپنے مدعا کی کوئی حدیث کسی دوسرے کو کوسنے کے لئے مل جائے۔ تو لوگوں کو دکھا دکھا کر کہیں گے۔ کہ حدیث سے انکار کرنیوالا بڑا ہی گنہگار ہے۔ اور قول وفعل نبویؐ سے روگردانی کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ لیکن جب درویش اپنے شعار کی کوئی حدیث پیش کرتا ہے۔ تو بر نہ اُس کے انکار سے گنہگار اور نہ جبرا جاننے سے کافر ہوں۔ ان کی آتش حسد اسقدر شعلہ زن ہوتی ہے۔ کہ قول وفعل پیمبر علیہ السلام سے بھی ثابت کرنے پہ فرو نہیں ہوتی۔ بتاؤ پھر سوائے لعنت اللہ علی الظالمین۔ ان کا کیا علاج ہے۔ ان کو کسی ایک قاعدہ پر چلنا چاہیئے تھا۔ یا تو کہیں کہ سب حدیثوں کا انکار گناہ ہے۔ یا یوں کہیں کہ ہمارے مدعا کی حدیثوں کا انکار کفر ہے۔ اور ہم کسی حدیث کو مانیں یا نہ یہ ہمارے اختیار کی بات ہے۔ خدا انہیں ہدایت ہی دے۔ دعوے تو زمین و آسمان کے کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے میں دیوبند سے حدیث پڑھ آیا ہوں۔ کوئی کہتا ہے۔ میں ولیؒ سے کوئی کہیں سے اور کوئی کہیں سے۔ مگر ہم پوچھتے ہیں .... کہ چھانٹویں حدیثیں پڑھی ہیں۔ یا سب۔ حدیث کی پوری کتاب تو ہاتھ

ہیں تھی۔ اگر اُستاد نے نہیں پڑھایا۔ تو کیا اپنی نظر بھی ان پر نہیں پڑی اور اُس وقت نہیں نواب سہی۔ حدیث۔ الحسدُ یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب کی زد سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اور اہل اللہ کو بُرا نہ کہو۔ ورنہ پھر ہم بھی تم کو انہی الفاظ کا مستحق قرار دیں گے۔ جن الفاظ سے تم ہمیں ہر وقت یاد کرتے ہو۔

اسی ضمن میں مولوی صاحب نے اپنی مرضی کے چندوہ سوال لکھ کر جن کا جواب آپ لکھ سکتے تھے۔ خود ہی جوابات میں دل کی بھڑاس نکالکر علمأ و صلحأ کو خوب کوسا ہے۔ اور مقصود اس کا تبلیغ دین لیا ہے ببیں تفاوت راہ از کجا است تا بکجا۔ ایک سوال میں لکھتے ہیں قادیانی رافضی۔ چکڑالوی۔ خارجی۔ خصوصاً رضائی کے پیروں۔ فقیروں۔ رسول اور انبیأ علیہم السلام کو عالم الغیب۔ مشکل کُشا۔ حاجت روا جانتے ہوئے حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ تعزیوں اور مزاروں پہ چڑھاوے۔ نذرانے سجدے۔ طواف وغیرہ کرتے ہیں۔ تو کیا ان کی تعزیت و مصاحبت وغیرہ ناجائز ہے۔ مخلصاً۔ پھر خود ہی جواب میں جاہل اور عقیدہ شنیعہ والے کہہ سُن کر لکھ دیا ہے۔ کہ ان کو تبلیغ کی جائے۔ اگر ایسے عقائد باطلہ۔ و حرکاتِ شنیعہ سے باز نہ آئیں۔ تو پھر ان سے قطع تعلق لازمی ہے۔ مولوی صاحب کے اس طریق کار سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کسی پیر پر اپنا ذاتی رنج نکال رہے ہیں۔ ورنہ کیا وہ عالم ہو کر سجدے اور قدم بوسی میں فرق نہیں جانتے۔ یا اور انبیأ علیہم السلام اور سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو کتابوں سے تمیز نہیں کر سکتے۔ یا خدا کے ذاتی علم کا اور رسول ﷺ اللہ کے عطائی علمِ غیب کا سمجھنا اُن کے لئے ناممکن ہو گیا ہے۔

یا نبی الانبیاؑ کی حاجت روائی کی طاقت سے ناواقف ہیں۔ یا مزاروں پر جانے اور فاتحہ خوانی کرنے کی حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر ازروئے امانت و دیانت خود مولوی جی کو دیکھا جائے۔ تو وہ پس پردہ ان تمام چیزوں کے قائل نہیں بلکہ عامل نکلیں گے۔ مگر عوام کے سامنے کھانے کے دانت اور رکھتے ہیں۔ اور دکھانے کے اور۔ کیونکہ اگر انہوں نے حدیث پڑھی ہے۔ اور پڑھانے والے حضرات اور اپنے اُستادوں کے اعمال پر غور کیا ہے۔ تو وہ یقیناً ان باتوں سے انکار نہیں کر سکتے۔ جن پر اُن کے متقدمین حضرات عامل رہے ہیں۔ ہاں ہٹ دھرمی اور چیز ہے۔ اور ایمان و انصاف اور چیز۔ مولوی جی نے جن جن عقائد میں درویشوں۔ فقیروں کو کوسا ہے۔ یا انبیاؑ علیہم کی خصوصیات کا انکار کیا ہے۔ فقیر ان کو یہاں بالاختصار جواباً عرض کرتا ہے۔ اللہ کی توفیق رب العزت کو ہے۔

مولوی صاحب اگر جناب نے ان مسائل کو بیگانہ نظری سے مطالعہ کیا ہے۔ تو یہ آپ کا قصور ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے۔ کہ سجدہ اور شے ہے۔ اور قدم بوسی اور چیز ہے۔ سجدے کا کرنا نیت پر موقوف ہے۔ اگر کسی کو معبود جان کر کیا۔ تو کرنے والا اور کرانے والا دونو کافر ہیں۔ اگر سجدہ عبادت کی نیت سے نہیں۔ لیکن صورت سجدہ کی بن گئی۔ تو بھی اس لئے کہ عبادت الٰہی کے مشابہ ہے۔ حرام ہے۔ اور سوائے معبود حقیقی اللہ واحد جلشانہ کے ہرگز جائز نہیں۔ مگر کسی بزرگ کے ہاتھ پاؤں چومنا سجدہ نہیں۔ اور نہ محض سر نیچا کرنا خواہ کسی غرض کے لئے ہو سجدے کا حکم رکھتا ہے۔ ہاتھ پاؤں پر بوسہ دینا۔ تو

افعال صحابہ میں برائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت ہے۔ اور جو فعل یا قول حضور علیہ السلام سے ثابت ہو۔ وہ آپ کے نزدیک بھی بدعت نہیں۔ بلکہ حدیث ہے۔ اور حدیث کا منکر وہی ہے۔ جس کا پیچھے ذکر ہوا۔ اگر باور نہ ہو۔ تو لیجئے۔ حدیث پڑھ کر معلوم کیجئے۔ اور فتوے دیجئے۔ ابن ماجہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص۲۱۷۔ باب الرجل یقبل ید الرجل حدثنا ابوبکر ابن ابی شیبہ۔ محمد بن فضیل ثنا یزید بن ابن زیاد عن عبد الرحمٰن بن لیلی عن ابن عمر قال قبلنا ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابن ماجہ میں بسند مذکور حضرت عبد اللہ ابن عمر سے مروی ہے۔ کہ ہم سب نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ چومے۔ کیا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات بھی قابل قبول اور ایمان میں داخل ہے یا نہیں۔ پھر ابوداؤد مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص۳۶۳ کو ملاحظہ فرمائیے۔ حدثنا احمد بن یونس ثنا زہیر ثنا یزید ابن زیاد ان عبد الرحمٰن بن لیلی حدثہ عن عبد اللہ بن عمر ذکر قصہ قال فدنونا یعنی من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقبلنا یدہ۔ ترجمہ:۔ عبد الرحمٰن بن لیلی بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے میرے پاس ایک حدیث متضمن اوپر ایک قصہ کے بیان کی۔ اور بعد بیان قصہ کے یہ کہا۔ کہ پھر ہم سب نے قریب ہو کر آپ کے ہاتھ مبارک چومے۔ وردی البیھقی وابن عساکر والخرائطی فی مکارم الاخلاق عن تمیم بن سلمۃ قال لما قدم عمر الشام استقبلہ ابو عبیدہ الجراح فصافحہ وقبل یدہ وھما یبکیان وکان تمیم یقول تقبیل الید سنۃ۔ تمیم بن سلمہ

سے روایت ہے۔ کہ جب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ شام کو گئے۔ تو ابو عبیدہ بن الجراح نے ان کا استقبال کیا۔ اور ان کے ہاتھ چومے اور دونو ایک دوسرے کو ملکر روئے۔ تمیم فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہاتھ چومنا سنت ہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہو گیا۔ کہ کسی بزرگ کے ہاتھوں کو بوسہ دینا شرعاً صرف جائز ہی نہیں بلکہ سنت ہے۔ ممکن ہے معترضین یہ کہیں۔ کہ ہاتھ چومنا تو سنت مان لیجئے۔ لیکن پاؤں چومنے کا جواز کہاں سے نکلتا ہے۔ سو بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ پابوسی کی بھی دو۔ تین حدیثیں نقل کر دوں جن کے پڑھنے سے ممکن ہے۔ کہ معترضین کا ایمان صحیح ہو جائے۔ ترمذی شریف مطبوعہ مجتبائی دہلی صہ ۹۱ جلد ۲ باب ماجاء فی قبلۃ الید والرجل میں صفوان ابن عسال سے روایت ہے۔ کہ کسی ایک یہودی نے دوسرے ایک یہودی کو کہا۔ کہ آ اس نبی کے پاس چلیں۔ اُس نے کہا۔ کہ نبی نہ کہہ۔ اگر سُن پائے گا۔ تو بڑا خوش ہوگا۔ (کہ یہودی بھی مجھے مانتے ہیں) خیر وہ دونو آپ کے پاس آئے اور سوال کیا۔ کہ وہ نو احکام جو موسیٰ نبی کی معرفت یہود کو دیئے گئے کیا تھے۔ فرمایا حضور نے (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ (۲) چوری نہ کرو۔ (۳) زنا نہ کرو۔ (۴) کسی کو ناحق قتل نہ کرو۔ (۵) کسی ناکردہ گناہ کو جھوٹا الزام دے کر بادشاہ کے پیش نہ کراؤ۔ کہ وہ اُسے جان سے مار دے۔ (۶) جادو ٹونہ نہ کرو۔ (۷) بیاج نہ کھاؤ۔ (۸) کسی پاک دل بے گناہ عورت کو عیب نہ لگاؤ۔ (۹) دشمنان خدا کے مقابلہ سے نہ بھاگو۔ (۱۰) خاصۃ یہود ہفتہ کی نگہداشت کرو۔ صفوان ابن عسال جو اس حدیث کے راوی

ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ جب ان دونو نے آپ سے یہ سُنا۔ تو حق جان کر آپ کے دونو ہاتھ اور دونو پاؤں چومے اور بولے۔ کہ ہم بلاشبہ آپ کے نبی ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تو پھر اطاعت کرنے میں تمہیں کیا رکاوٹ ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نبی کی دعا تھی۔ کہ نبی میری ہی اُولاد سے ہوں گے۔ ہم اگر علانیہ آپ کی اطاعت کریں گے۔ تو اندیشہ ہے۔ کہ یہود ہم کو مار ڈالیں۔

ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو جُدا سند سے بیان کیا ہے۔ مگر غرض اس کی بھی اس حدیث کے بیان کرنے سے یہی ہے۔ کہ ان دونو یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونو ہاتھ اور دونو پاؤں چومے۔ حدیث چونکہ طویل ہے۔ اس لئے اس خوف سے اس کی عربی عبارت نقل نہیں کی گئی۔ کہ یہ مختصر رسالہ بڑھ جائے گا۔ جس کو اصل متن عربی دیکھنی ہو۔ تو وہ ہمارے اس مندرجہ حوالہ میں دیکھ لے۔ اسی طرح کی ایک طویل حدیث دلائل النبوۃ حافظ ابو نعیم مطبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ص ۱۳۸ میں بھی ہے۔ جس کا بخوف طوالت یہاں ترجمہ ہی درج کیا جاتا ہے۔ ابن بریدہ نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے۔ کہ ایک اعرابی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ میں مسلمان تو ہو چکا ہوں۔ لیکن ازدیاد یقین کے لئے چاہتا ہوں۔ کہ آپ مجھے کوئی نشان دکھائیں فرمایا کہ کیا دیکھنا چاہتا ہے۔ عرض کیا اُس درخت کو بلائیے۔ فرمایا جا تو ہی اس کے پاس جا کر کہہ۔ کہ تجھے رسول اللہ بُلاتے ہیں۔ وہ کبھی دائیں جھکتا کبھی بائیں جھکتا۔ کبھی آگے۔ کبھی پیچھے۔ گویا اپنی جڑیں

زمین سے چھڑا کر آپ کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور سلام کر کے کھڑا رہا۔ اعرابی یہ دیکھ کر بولا۔ بس یہ مجھے کافی ہے۔ پھر آپ نے اُسے اپنی جگہ واپس ہو جانے کا حکم دیا۔ تو وہ جیسے آیا تھا۔ ویسے ہی اپنی جگہ پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اعرابی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا۔ کہ آپ مجھے اپنا سر مبارک اور پاؤں مبارک چومنے کی اجازت دیں چنانچہ آپ نے اُسے اجازت فرمائی۔ اور اُس نے آپ کا سر اور پاؤں چومے پھر اُس نے عرض کیا۔ کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ مَیں آپ کو سجدہ کروں۔ فرمایا کسی کو نہیں چاہیئے۔ کہ وہ خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرے اگر کسی مخلوق کو سجدہ کرنا جائز ہوتا۔ تو میں حکم دیتا کہ عورتیں اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ اس حدیث کو فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب تنبیہ الغافلین مطبوعہ مصر صـ۱۸۶ میں جداگانہ سند سے روایت کیا ہے۔

کنز العمال جلد ۷ صـ۶۹ مطبوعہ حیدر آباد میں ہے۔ روی البخاری فی الادب وابن المقری فی الرخصۃ فی تقبیل الید عن صہیب قال رأیت علیاً یقبل ید العباس ورجلیہ۔ ترجمہ بخاری نے ادب المفرد میں اور ابن مقری نے الرخصۃ فی تقبیل الید میں صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اور پاؤں چومتے بچشم خود دیکھا ہے۔

کنز العمال صـ۵۰۔ روای طبرانی عن حصین بن وحوح الانصاری ان طلحۃ بن البراء لما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجعل

یلصق برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویقبل رجلیہ۔ ترجمہ۔
کنز العمال صنٓ۵ میں ہے۔ کہ طبرانی نے حصین بن وحوح انصاری سے
روایت کیا ہے۔ کہ طلحہ بن براء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
فیضدرجت میں حاضر ہوئے۔ تو کھسک کھسک کہ آپ کے قریب ہوئے
جاتے تھے۔ یہانتک کے آپ کے ساتھ جا لگے۔ اور پاؤں چومے۔
ایسی بہت سی حدیثیں کنز العمال۔ دلائل النبوۃ۔ حجۃ اللہ علی
العالمین وغیرہ میں بوضاحت آئی ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی ہاتھ اور پاؤں پر بوسہ دینے والے
کو منع نہیں فرمایا۔ بلکہ خود بھی ان سے اپنے ہاتھ مبارک یا پاؤں مبارک
کو پیچھے تک نہیں کھینچا۔ مقبولانِ خدا کی قدمبوسی یا دست بوسی کو
حرام۔ بُرا اور ناجائز کہنے والوں کو غور کرنا چاہیئے۔ کہ جناب رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا پر کفر و شرک مٹانے کو تشریف لائے تھے۔
نہ کہ نعوذ باللہ شرک کی تائید کرنے۔ قدمبوسی اگر شرک ہے۔ تو آپ
لوگوں کو ضرور منع فرماتے۔ اور ان کی بُرائی بھی ان پر واضح فرما دیتے
اور اگر حضور کو منع فرمانا بالفرض یاد نہ رہا ہو (حالانکہ یہ نبی کی شان کے
بالکل خلاف ہے)، تو کیا کوئی دوسری ہستی بھی پاس نہ تھی۔ جو کرنے
کرانے والوں کو یاد دلا دیتی کہ یہ منع ہے۔ حیرانگی ہے۔ کہ کہنے والے
نے کیا سمجھ کر کیا۔ اور کرانے والے نے کیا جان کہ کرایا۔ اگر سید المرسلین
کا فعل بھی ان محققین دیوبندیہ اور وہابیہ کی تحقیق میں نعوذ باللہ
من ذالک شرک ہے۔ تو پھر اپنی برائے نام مسلمانی سے ہاتھ دھو
رکھیں۔ اور رحمۃ العالمین کے سوا کوئی اور دروازہ تلاش کریں۔

مولوی سنبھلی جی نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ قبروں پر چڑھا وے۔ نذرانے۔ چراغ۔ روشنی کرنا وغیرہ وغیرہ خلاف شریعت اور حرام ہیں اور یہ اُس سوال کی دوسری شق ہے۔ اس کے جواب میں فقیر ایک فاضل مفتی اہلِ سنت والجماعت نور اللہ مرقدہٗ کا فتوےٰ ہی نقل کئے دیتا ہے۔ جس سے یہ پتہ چل جائے۔ کہ جس اتہام کے ماتحت علمائے احناف کو بدنام کیا جاتا ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے۔ اور وہ قبروں پر چڑھاوے۔ باجے۔ نذرانے دینے کا اور چراغ روشن کرنے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور ان پر جو مبتدع اور مشرک ہونے کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ وہ کہاں تک صحیح ہیں۔ اور آیا یہ تمام مسائل محض مشرکانہ رسوم ہی ہیں۔ یا ان کی کوئی حقیقت بھی ہے۔ وباللّٰہ توفیق۔

مسئلہ دراصل یہ ہے۔ کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ انما الاعمال بالنیات۔ اور جو کام دینی فائدے اور دنیوی نفع جائز دونو سے خالی ہو عبث ہے۔ اور عبث خود مکروہ ہے۔ اور اسمیں مال صرف کرنا اسراف ہے۔ اور اسراف حرام ہے۔ قال اللّٰہ تعالےٰ ولا تسرفوا ان اللّٰہ لا یحب المسرفین اور مسلمانوں کو نفع پہنچانا بلا شبہ محبوب شارع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ تم میں سے جس سے ہو سکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچا سکے۔ تو پہنچاوے۔ رواہ مسلم عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالےٰ عنہما اور معظمات دینی کی تعظیم قطعاً مطلوب ہے۔ قال اللّٰہ تعالےٰ ومن یعظم

شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔ جو خدا کے شعائروں کی تعظیم کرے۔ تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں۔ وقال اللہ تعالےٰ ومن یعظم حرمٰت اللہ فذالک خیر لہ عند ربہ۔ جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے۔ تو یہ اُس کے لئے بہتر ہے۔ اُس کے رب کے پاس اور قبور اولیائے کرام وعباد اللہ صالحین بلکہ تمام مقابرِ مومنین ضرور مستحق ادب وتکریم ہیں۔ لہذا ان پر بیٹھنا ممنوع۔ چلنا ممنوع۔ پاؤں رکھنا ممنوع یہانتک کہ اُن سے تکیہ لگانا ممنوع۔ امام احمد وحاکم طبرانی مسند ومستدرک ومعجم کبیر میں عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بسند حسین راوی رآنی رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جالسا علی قبر فقال یا صاحب القبر۔ انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر۔ ولا یوذیک ارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا۔ فرمایا او قبر والے قبر پر سے اُتر آ۔ نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے۔ نہ وہ تجھے دے۔ امام احمد کی روایت یوں ہے۔ رآنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی قبر فقال لا تؤذ صاحب ھذا القبر وتوذہ۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر تکیہ لگائے دیکھا۔ فرمایا کہ اس قبر والے کو ایذا نہ دے۔ اُسے نہ ستا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لأن امشی علی جمرۃ اوسیف اوخصف نعلی برجلی احب الی من ان امشی علی قبر مسلم یہ کہ میں آگ پر۔ تلوار پر چلوں۔ یا اپنا جوتا اپنے پاؤں سے گانٹھوں۔ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے۔ کہ کسی مسلمان کی قبر پر چلوں۔ رواہ ابن ماجہ عن عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ بسند جیدیہ

پانچ اصول شرعیہ ہیں۔مسائل مسئولہ کی صور مختلفہ کے احکام انہیں
اصول پر مبنی ہیں۔قبر پر چراغ جلانے سے اگر اس کے معنی حقیقی مراد
ہیں۔یعنی خاص قبر کے اُوپر چراغ رکھنا تو مطلقاً ممنوع ہے۔اور اولیائے
کرام کے مزارات میں اور زیادہ ناجائز ہے۔کہ اس میں بے ادبی
گستاخی اور حق میت میں تصرّف و دست اندازی ہے۔قنیہ وغیرہ میں
امام علا ترجمانی سے ہے۔یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق
المیت۔حدیث والمتخذین علیہا المساجد والسرج کی حقیقت یہی ہے۔
علی القبر کے حقیقی معنی یہی ہیں۔کہ خاص قبر پر ہو ولہذا کنارہ قبر میں مسجد
بنانا ہرگز ممنوع نہیں۔بلکہ مزار بندہ صالح سے تبرک مقصود ہو۔تو
محمود ہے۔مجمع بحار الانوار میں ہے۔من اتخذ مسجدا فی جوار صالح
او صلی فی مقبرۃ قاصدا بہ الاستظہار بروحہ او وصول اثر من
آثار عبادتہ الیہ لا التوجہ نحوہ والتعظیم لہ فلا حرج فیہ الا
یری ان مرقد اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام فی الحجر فی المسجد
الحرام والصلوٰۃ فیہ افضل۔یعنی جو کسی نیک بندے کے قریب مزار میں
مسجد بنائے یا مقبرے میں اس ارادے سے نماز پڑھے۔کہ میت کی روح
سے استمداد کرے۔یا اپنی عبادت کا اثر برکات اُس تک پہنچانا چاہے
نہ یہ کہ نماز میں اُس کی طرف منہ کرے۔یا نماز سے اُس کی تعظیم کا قصد
رکھے۔تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔کیا نہیں دیکھتے کہ سیدنا اسمٰعیل
علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار پاک خود مسجد الحرام شریف میں حطیم مبارک
میں ہے۔پھر اسمیں نماز تمام مساجد سے افضل ہے۔یہ اسی تقدیر پر
ہے۔کہ حدیث مذکور کی صحت مان لی جائے۔والا فضعیف باذام ضعیف

وان حسنہ الترمذی فقد عراف رحمۃ اللہ تعالےٰ بالتساھل فیہ کما بیناہ فی مدارج طبقات الحدیث۔ اور اگر قبر سے جدا روشن کریں۔ اور وہاں نہ کوئی مسجد ہے۔ نہ کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ کے لئے بیٹھتا ہے۔ نہ وہ قبر بر سر راہ واقع ہے۔ نہ کسی معظم ولی اللہ یا عالم دین کا مزار ہے۔ غرض کسی منفعت و مصلحت کی اُمید نہیں۔ تو ایسا چراغ جلانا ممنوع ہے۔ کہ جب مطلقاً فائدے سے خالی ہوا اسراف ہُوا۔ اور بحکم اصل دوم ناجائز ٹھیرا خصوصاً جبکہ اُس کے ساتھ نہ جاہلانہ زعم ہو۔ کہ میت کو اس چراغ سے روشنی پہنچے گی۔ ورنہ اندھیرے میں رہے گا۔ کہ اب اسراف کے ساتھ اعتقاد بھی فاسد ہُوا۔ والعیاذ باللہ تعالےٰ۔ اور اگر وہاں مسجد ہے۔ یا تالیان قرآن یا ذاکران رحمٰن کے لئے روشن کریں۔ یا قبر سر راہ ہو۔ اور نیت کی جائے کہ گذرنے والے دیکھیں۔ اور سلام وایصال ثواب سے خود بھی نفع اُٹھائیں۔ اور میت کو بھی فائدہ پہنچائیں یا وہ مزار ولی یا عالم دین کا ہے۔ روشنی سے نگاہِ عوام میں اُس کا ادب و اجلال پیدا کرنا مقصود ہے۔ تو ہرگز ممنوع نہیں۔ بلکہ بحکم چار اصول باقیہ مذکورہ مستحب و مندوب ہے۔ بشرطیکہ حد افراط پر نہ ہو۔ مجمع البحار میں ہے۔ ان کان ثم مسجدا وغیرہ ینتفع فیہ التلاوۃ والذکر فلا باس بالسراج فیہ امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں۔ ھذا کلہ اذا خلا من فائدۃ واما اذا کان موضع القبور مسجدا او علی طریق او کان ھناک احد جالس

اوکان قبر ولی من الاولیاء او عالم من المحققین تعظیماً لروحہ المشرقۃ علی تراب جسدہ کاشراق الشمس علی الارض اعلاما للناس انہ ولی لیتبرکوا بہ ویدعوا اللہ تعالٰی عندہ فیستجاب لھم فھو امر جائز لا منع منہ وانما الاعمال بالنیات۔ یعنی قبور میں شمعیں روشن کرنے کی ممانعت صرف اُس حالت میں ہے۔ کہ نفع سے بالکل خالی ہو۔ ورنہ اگر موضع قبور میں مسجد ہو۔ یا قبر راہگذر پر ہے یا وہاں کوئی بیٹھا ہے۔ یا کسی ولی یا عالم محققؒ کا مزار ہے۔ اُس کی روح مبارک کہ اس کی خاکِ بدن پر اس طرح اپنا پرتو ڈال رہی ہے جیسے آفتاب زمین پر۔ اُس کی تعظیم کے لئے شمعیں روشن کیں۔ تاکہ لوگ جانیں کہ یہ ولی اللہ کا مزار ہے۔ اُس سے برکت حاصل کریں۔ اور اس کے بارے اللہ عزوجل سے دعا مانگیں۔ کہ ان کی دعا قبول ہو تو یہ جائز ہے۔ جس سے اصلاً ممانعت نہیں۔ اور کام نیتوں پر ہیں فقیر غفر اللہ تعالٰی نے اپنے رسالہ طوالع النور فی حکم السرج علی القبور میں اس مسئلہ کو روشن تر لکھا ہے۔

انہیں اصول سے مزارات اولیائے کرام پر چادر ڈالنے کا بھی جواز ثابت۔ عوام میں قبور عامہ مسلمین کی حرمت باقی نہ رہی۔ آنکھوں دیکھا ہے۔ کہ بے تکلف ناپاک جوتے پہنے قبور مسلمین پر روندتے پھرتے ہیں۔ اور دل میں خیال بھی نہیں آتا۔ کہ یہ کسی عزیز کی خاک زیر پا ہے۔ یا کبھی ہمیں بھی یونہی خاک میں سونا ہے۔ اور بارہا دیکھا کہ جہلا قبروں پر بیٹھ کر حقہ پیتے۔ فحش بکتے۔ قہقہے لگاتے ہیں۔ اور بعض کی یہ جرأت کہ معاذ اللہ مسلمان کی قبر پر پیشاب کرنے میں باک نہیں

رکھتے۔ فان اللّٰہ وانا الیہ راجعون۔ لہٰذا دردمندان دین نے
اُدھر مزارات اولیائے کرام کو ان جراتوں سے محفوظ رکھنے اور ادھر
جاہلوں کو ان کے ساتھ گستاخی کی آفتِ عظیم سے بچانے کے لئے
مصلحت وحاجتِ شرعیہ سمجھی کہ مزاراتِ طیبہ عام قبور سے ممتاز رہیں
تاکہ عوام کی نظروں میں عظمت وہیبت پیدا ہو۔ اور بیباکانہ برتاؤ کرکے
ہلاکت میں پڑنے سے باز رہیں۔ اس سے کم حاجت کے باعث علماء
نے مصحف شریف کو سونے وغیرہ سے مزین کرنا مستحسن سمجھا ہے۔ کہ ظاہر
بین ایسی ظاہری زینت سے جھلکتے ہیں۔ اور غور کیجئے تو پوشش کعبہ
معظمہ میں بھی ایک بڑی حکمت یہی ہے۔ تو یہاں کہ نہ فقط قلتِ تعظیم
بلکہ معاذ اللہ اُن کی شدید بے حرمتیوں کا اندیشہ تھا۔ چادر ڈالنے
روشنی کرنے۔ امتیاز دینے۔ قلوبِ عوام میں وقعت لانے کی سخت
حاجت ہوئی۔ اب ان سے منع کرنیوالے یا تو سخت کج فہم وحالاتِ
زمانہ سے نرے غافل ہیں۔ یا وہی بے ادب ومحروم جن کے قلوب میں
عظمتِ اولیا سے خار ہے۔ والعیاذ باللّٰہ رب العالمین۔ فقیر غفر
اللّٰہ تعالےٰ نے رسالہ مذکورہ میں ان مسائل کو آیہ کریمہ ذالک ادنیٰ
ان یعرفن فلا یوذین سے استنباد کیا ہے۔ وللّٰہ الحمد۔ سیّدی علامہ
ابن عابد بن شامی تنقیح الفتاوے الحامدیہ میں کشف النور عن اصحاب
القبور۔ تصنیف امام علامہ سیّدی نابلسی قدس سرہ ونفعنا اللّٰہ برکاتہ
سے نقل کرتے ہیں۔ لکن نحن الاٰن نقول ان کان القصد بذالک
التعظیم فی اعین العامۃ حتی لا یحتقر واصاحب ھذا القبر
الذی وضعت علیہ الثیاب والعمائم والجلب الخشوع و

الادب لقلوب الغفلین الزائرین لان قلوبھم نافرۃ عند الحضور فی التأدب بین یدی اولیاء اللہ تعالیٰ المدفونین فی تلک القبور کما ذکرنا من حضور روحانیتھم المبارکۃ عند قبورھم فھو امر جائز لا ینبغی النھی عنہ لان الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی

یعنی لیکن ہم اس وقت میں یہ کہتے ہیں۔ کہ اگر اس سے مقصود عوام کی نگاہ میں مزارات اولیاؑ کی تعظیم پیدا کرنی ہو۔ تاکہ جب مزار پر کپڑے اور عمامے رکھے دیکھیں۔ مزار ولی جان کر اس کی تحقیر سے باز رہیں اور تاکہ زیارت کرنے والے غافلوں کے دلوں میں خشوع و ادب آئے۔ کہ مزارات اولیاؑ کے حضور حاضری میں ان کے دل ادب کے لئے رام نہیں ہوتے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ مزارات کے پاس اولیائے کرام کی روحیں حاضر ہوتی ہیں۔ تو اس نیت سے چادر ڈالنا امر جائز ہے۔ جس سے ممانعت نہ چاہیئے۔ اس لئے کہ اعمال نیتوں پر ہیں۔ اور ہر شخص کو وہی ملتا ہے۔ جو اس کی نیت ہے۔ چادروں کے سبز و سُرخ ہونے میں بھی ہرج نہیں۔ بلکہ ریشمیں ہونا بھی روا ہے کہ وہ پہننا نہیں۔ البتہ باجے اور لہو و لعب ناجائز ہیں۔ اور جب چادر موجود ہو۔ اور وہ ہنوز پرانی یا خراب نہ ہوئی ہو۔ کہ بدلنے کی حاجت ہو۔ تو بے کار چادر چڑھانا فضول ہے۔ بلکہ جو دام اس میں صرف کریں۔ ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کیلئے محتاج کو دیں۔ ہاں جہاں معمول ہو۔ کہ چڑھائی ہوئی چادر جب حاجت سے زائد ہو۔ خدام و مساکین حاجت مند لے لیتے ہیں۔ اور اس نیت سے ڈالے تو مضائقہ نہیں۔ یہ بھی تصدیق ہو گیا۔

اس ضمن میں تیسری قابلِ اعتراض چیز جو لکھی گئی ہے۔ وہ قبور پر جانا۔ طواف کرنا۔ اور استعانت چاہنا ہے۔ اسکے جواب میں مختصر دو چار وہ باتیں عرض کر دی جاتی ہیں۔ جن سے یہ کام متاخرین جماعت احناف یا بقول مولوی سنبھلی ملتانی صاحب موجودہ بدعتی حنفیوں کا گھڑا ہوا معلوم نہ ہو۔ بلکہ یہ پتہ چلے۔ کہ متقدمین میں یہ مومنانہ اوصاف و افعال پائے جاتے تھے۔ اور وہ لوگ ایسا کرنے کو موجب خیر و برکت گردانتے۔ روی الامام احمد فی مسندہ ورواہ الحاکم فی مستدرکہ علی الصحیحین اقبل مروان یوما فوجد رجلا و اضعا وجھہ علی القبرہ فقال اتدری ما تصنع فاقبل علیہ فاذا ابو ایوب الانصاری فقال جئت رسول اللہ ولم ات الحجر سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تبکوا علی الدین اذا ولیہ اھلہ ولکن ابکوا علی الدین اذا ولیہ غیر اھلہ۔ ترجمہ:۔ امام احمد نے مسند میں اور حاکم نے مستدرک علی الصحیحین میں روایت کیا ہے کہ ایک روز مروان قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گیا۔ پس دیکھا اس نے ایک شخص کو کہ اپنا منہ قبر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رکھے ہوئے ہے۔ پس کہا مروان نے تم کیا کر رہے ہو۔ پھر جب سامنے آیا۔ تو ان کو دیکھا کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ پھر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے ہیں پتھر کے پاس نہیں آئے۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ کہ حضور نے فرمایا۔ کہ تم لوگ دین پر اس وقت مت روؤ

جب اس پر حاکم قابل ہو۔ لیکن اس وقت تم لوگ دین پر روؤ۔ جب اس پر حاکم وہ ہو جو اس کے قابل نہ ہو۔

یہ روایت مسند امام احمد میں ہے۔ جس کی نسبت محدثین کی یہ رائے ہے۔ کہ اس کی کوئی روایت درجہ حسن سے کم نہیں ہے۔ اور علامہ ہیثمی محدث نے جو فن حدیث کے نقادین سے ہیں۔ مجمع الزوائد میں ایک باب ہی قائم کیا ہے۔ باب وضع الوجہ علی قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور پھر یہ پوری حدیث ابو ایوب رضؓ کی مسند احمد سے نقل کر کے اس کے رجال کی توثیق کی ہے۔ سمہودی اور ابن حجر نے اس حدیث کو بسند حسن تسلیم کیا ہے۔ پس اس حدیث سے دو فائدے مترتب ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر بزرگان دین کے مزار پر جانا گویا خود ان کی خدمت میں حاضر ہونا۔ اور انہی کے پاس جانا ہے۔ مزار محض ایک ظاہری چیز ہے۔ اسلئے کہ جب مروان نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر منہ رکھے ہوئے دیکھا۔ تو بڑے تعجب سے پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو۔ یعنی آپ کا یہ فعل مروان کو تعجب خیز معلوم ہوا۔ تو اس کے جواب میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم پتھر کے پاس نہیں آئے۔ بلکہ سردار انبیا محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ گویا آپ نے مزار پر حاضر ہونے کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے تعبیر فرمایا۔ نیز یہ کہ حضرت ابو ایوب انصاری جو اکابرین صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہیں۔ اپنے منہ کو سرکار دو جہاںؐ کے مزار مبارک

پر رکھنا موجب نجات خیال فرماتے ہیں۔ تو اور مومن بھی اگر انکے
اتباع میں اپنے مونہوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا دیگر حضور
کے خدام بزرگان دین کے مزاروں پر رکھیں۔ تو وہ ہدایت پانے والوں
سے ہوں گے۔ اسلئے کہ حدیث شریف میں ہے۔ میرے اصحاب ستاروں
کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔ اور
اس حدیث سے یہ بھی واضح ہُوا۔ کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ
عنہ کا یہ فعل بمنزلہ سجدہ نہ تھا۔ اور مروان کے اس خیال کو (جو آج کل
کے توحید پرستوں کی طرح اس نے ظاہر کیا تھا) حضرت ابو ایوبؓ نے
قابلِ گریہ سمجھا۔ اور حدیث سُنائی۔ پس اگر کسی مسلمان کا آج بھی ویسا ہی
خیال ہو۔ جو مروان کا تھا۔ اور مزارات بزرگان دین پر جانے اور منہ
رکھنے کو مکروہ سمجھے۔ تو بے شک اس کا یہ خیال بھی حسب ارشاد حضرت
ابو ایوب انصاریؓ رونے اور ماتم کرنے کا مستحق ہے۔ اور اسی کے اہل
مولوی سنبھلی ملتانی صاحب بھی ہیں لیجئے اور حدیث کا مطالعہ کیجئے۔ ذکر
القسطلانی فی المواھب اللدنیہ والسمھودی فی الوفا وخلاصتہ
الوفاء۔ قال روی سعید السمعانی عن علی کرم اللہ وجھہ ان
اعرابیا قدم علینا بعد ما دفن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ثلثتہ ایام فرمی بنفسہ علی قبرہ وحثی من ترابہ علی راسہ
وقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قلت فسمعنا قولک
ووعیت عن اللہ فوعینا عنک وکان فیما انزل الیک ولو انھم اذ
ظلموا انفسھم جاؤک الایۃ وقد ظلمت نفسی وجئتک
تستغفر لی فنودی من القبر قد غفر لک۔ ترجمہ: قسطلانی

نے مواہب اللدنیہ اور سمہودی نے وفا اور خلاصۃ الوفا میں ذکر کیا ہے۔ کہ روایت کیا ابوسعید سمعانی نے فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہ تین روز بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اعرابی آیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر گذرا۔ اور قبر کی مٹی کو اپنے سر پر ڈالا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے جو فرمایا ہم نے آپ کے قول کو سنا۔ جو اللہ تعالےٰ سے آپ نے محفوظ کیا۔ ہم نے اُس کو آپ سے محفوظ کیا۔ اور آپ پر جو نازل ہُوا اس میں یہ آیت ہے۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک (یعنی جو لوگ اپنے اُوپر ظلم کریں اور آپ کے پاس مغفرت کیلئے آویں) تو حضرت میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ اور اب آپ کے حضور میں آیا ہوں۔ کہ میرے لئے استغفار کیجئے پس قبر سے آواز آئی۔ کہ اللہ تعالےٰ نے تجھ کو بخش دیا۔ اس روایت میں بھی اس قسم کے دوسرے واقعہ کا بیان ہے کہ صحابہ کا فعل قبر نبی علیہ السلام پر حاضر ہونا مٹی کا سر پر ڈالنا۔ اور مغفرت طلب کرنا ذکر ہُوا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ کہ وہ عرابی بخشا گیا اور اس کی نجات ہو گئی۔ جو بدعقیدہ لوگ روضۂ مطہرہ پر حاضر ہونا اور مدد مانگنا یا زیارت روضۂ مطہر کیلئے سفر کرنا نعوذ باللہ شرک کہا کرتے ہیں۔ ایسی احادیث کو پڑھنے کے بعد اپنے ایمان کی تجدید کریں۔ اور باطل عقائد سے تائب ہو کر رب العزت اور اس کے محبوب سے مغفرت کے طالب ہوں۔ اور بزرگانِ دین کے افعال و اقوال کو اپنا جزو ایمان بنائیں۔ فی صفوۃ الصفوۃ لابن جوزی بسند الی احمد بن الفتح سألت بشرا عن معروف الکرخی فقال ھیھات حالت بیننا وبینہ الحجب ان معروفاً لم یعبد اللہ شوقا الی جنتہ ولا خوفا من نارہ وانما عبدہ شوقا الیہ فرفعہ اللہ الی الرفیع الاعلی فمن کانت لہ حاجۃ فلیات قبرہ ولیدع فانہ

یستجاب لہ انشاء اللہ تعالیٰ ۔ترجمہ:۔ ابن جوزی نے کتاب صفوۃ الصفوۃ میں بسند احمد بن الفتح کے یوں لکھا ہے ۔کہ احمد بن الفتح نے کہا۔ مَیں نے بشر بن حارث حافی سے معروف کرخی رضی اللہ عنہ کا حال پوچھا۔ پس کہا انہوں نے کہ افسوس کہ ہمارے اور اُن کے درمیان پردہ حائل ہو گیا ہے۔ معروف کرخی نے خدا کی عبادت شوق جنت یا خوف جہنم سے نہیں کی تھی۔ بلکہ خدا کی عبادت خدا کے شوق میں کی تھی۔ پس ان کو اللہ تعالےٰ نے مقام بلند پر اُٹھا لیا۔ پس جس کسی کو کچھ حاجت ہو۔ تو اس کو چاہیئے۔ کہ ان کی قبر پر جائے۔ اور دعا کرے انشاء اللہ تعالےٰ اُس کی دعا قبول ہو گی۔

اس عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ جب بشر بن حارث نے جو حافی کے لقب سے مشہور اور تابعین میں سے ہیں۔ اور جن کے جنازے پر امام المحدثین علی بن مدنی پکار کر یہ کہتے تھے۔ ھذا اشرف الدنیاء والاخرۃ یعنی یہ دین اور دنیا میں بزرگ ہیں۔ یہ اجازت دی۔ کہ جب جس کسی کو کچھ حاجت ہو۔ تو اُس کو چاہیئے۔ کہ قبر حضرت معروف کرخی رضی اللہ عنہ پر جائے اور اپنا مطلب کہے۔ وہ حاجت اُس کی پوری ہو جائے گی۔ تو پھر ایسا فعل کیونکر شرک ہو سکتا ہے۔ اور کس مسلمان کی جرأت ہے۔ کہ اجلہ تابعین کی طرف شرک کرنے کی اجازت کو منسوب کرے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

دیکھئے اسی مسئلہ استعانت من اہل القبور اور نذریں ماننے کو شرح درمختار میں شیخ قاسم حنفی یوں بیان فرماتے ہیں۔ ان النذر الذی یقع بین العوام بان ۔یاتی الی قبر الصلحاء ویرفع سترہ ویقول یا

سیدی فلاں ان رد غائبی او عوفی مریضی او قضیت حاجتی فلک من الذھب او الفضۃ او لطعام فانکر النذ د اذا لم یکن مصرفہ الفقراء ولم ینکر الاستغاثۃ والطلب من الصلحاء الا ان ظنھم انھم متصرفون فی الامور من دون الحق سبحانہ وھذا لا یعتقدہ مسلم بل یعتقدون انھم وسائل واسباب یقضی اللہ علی ایدیھم مایشاء باذنہ۔

ترجمہ:۔ تحقیق کہ نذر جو عوام میں معمول ہے۔ اس طرح کہ وہ لوگ قبور صلحاء پر جاتے ہیں۔ اور پردہ اٹھا کر یہ کہتے ہیں۔ کہ اے ہمارے سردار فلاں اگر ہمارا غیب پھر آئے یا مریض شفا پائے یا فلاں حاجت ہماری بر آئے، تو ہم اس قدر سونا یا چاندی یا کھانا نذر چڑھائیں گے۔ پس اگر یہ چیزیں فقیروں کو دی جائیں گی۔ تو یہ نذر جائز ہوگی۔ اور اگر یہ چیزیں فقیروں کو نہ دی جائیں گی۔ تو نذر ناجائز ہوگی۔ اور قبر پر جا کر اس طرح سے کہنا اور صلحائ سے کچھ طلب کرنا ناجائز نہیں ہے۔ مگر اس وقت کہ طلب کرنے والا یہ گمان کرے۔ کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ان صلحاؑ کو کاموں کے کرنے میں اختیار حاصل ہے۔ مگر کوئی مسلمان ایسا اعتقاد نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ اعتقاد رکھتا ہے۔ کہ وہ لوگ وسیلہ وسبب ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ اپنے حکم سے اُن کے ہاتھوں سے لوگوں کی حاجات پوری کراتا ہے۔ اسی طرح علامہ شیخ احمد حموی حنفی نے اپنے رسالہ میں جس کا نام نفحات القرب والاتصال باثبات التصرف لاولیاء اللہ والکرامۃ بعد الانتقال ہے ہیں طویل بحث کرتے ہوئے کرامات اولیائ اللہ کو بعد موت کے ثابت کیا ہے۔ اور

یہ کہا ہے۔ کہ جمیع مذاہب کے اہل تحقیق کا اتفاق اسی پر ہے۔ اور اُس کے بعد یہ لکھا ہے۔ کہ تصرفات اولیاء اللہ اُن کی زندگی میں ان کی کرامات سے ہے۔ اور بکثرت ہر زمانے میں ہوتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں۔ اور سوائے دشمن کے کسی کو اس کا انکار نہیں۔ اور تصرفات بعد موت وہ بھی حکم اللہ سے ہوتے ہیں۔ جس کا اُس میں کوئی شریک نہیں۔ اور انہی تصرفات کے سبب سے اللہ تعالےٰ نے ان کو بزرگی دی ہے۔ اور ان کے ہاتھ سے اور سبب سے بطور خارق عادات یہ سب تصرفات ہوتے ہیں۔ اور یہ کبھی بطور الہام کے ہوتا ہے اور کبھی بوجہ ان کی دعا کے۔ اور کبھی اُن کے اختیار سے۔ اور کبھی بغیر اُن کے اختیار اور قصد کے۔ بلکہ ایسے امور تو کبھی لڑکے غیر ذی شعور سے بھی وقوع میں آتے ہیں۔ اور کبھی جو کوئی اولیاء اللہ کو خدا کے یہاں وسیلہ ٹھیراتا ہے۔ تو اُن سے ایسے امور زندگی میں اور بعد موت کے وقوع میں آتے ہیں۔ اور جو کوئی اُن سے اُن کی زندگی میں یا بعد موت ان سے کچھ مانگتا ہے۔ تو وہ ان کو اُس کام کا فاعل مستقل یا خالق نہیں جانتا ہے۔ کس واسطے کہ ایسا خیال کسی مسلمان کا نہیں ہو سکتا ہے۔ اور عوام کے دل میں بھی ایسی بات نہیں گزر سکتی۔ چہ جائیکہ خواص۔ پس بات کو گھما کر اس طرف پھیرنا۔ اور ایسی باتوں سے منع کرنا گویا دین میں چھپا ہوا فریب کرنا ہے۔ اور عوام موحدین کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔ کس واسطے کہ کسی مسلمان اور عاقل کے دل میں وہم بھی اس بات کا نہیں گزرتا ہے۔ کہ اولیاء اللہ خالق یا فاعل مستقل کسی کام کے ہیں۔ اور اعتقاد تو اس کا غیر ممکن ہے۔ اور

وہ شخص جو کرامت اولیاء اللہ کا اُن کی زندگی میں اور بعد ممات ان کی کے اعتقاد رکھتا ہے۔ ایسی حالت میں کہ وہ خالق ان کاموں کا خدا کو جانتا ہے۔ اور یہ جانتا ہے۔ کہ سب خدا کی قدرت سے ہوتا ہے۔ کیونکر کافر کہا جا سکتا ہے۔ اور کیونکر اس سے انکار ہو سکتا ہے۔ حالانکہ تمام کتابیں مسلمانوں کی اس سے بھری پڑی ہیں۔ اور ایسا کرنا جائز ہے۔

جن لوگوں نے کرامات اولیاء اللہ کو ان کی زندگی میں اور بعد ممات اُن کے ثابت کیا ہے۔ اُن میں سے شیخ الاسلام بن شحنہ حنفی اور شیخ عبد الباقی مقدسی حنفی اور شیخ احمد غنیمی حنفی ہیں۔ جن کا حوالہ دیتے ہوئے برمادی نے اپنے رسالہ دلائل الواضحات میں یوں لکھا ہے کہ ہرگاہ مرجع کرامات اللہ تعالےٰ کی قدرت کی طرف ہے۔ تو ایسی حالت میں اولیاء اللہ کی حیات و ممات میں کچھ فرق نہیں۔ اسواسطے کہ خالق اُس کا خدا ہے۔ اور اولیاؤں کے ہاتھ سے اس لئے جاری کراتا ہے۔ تاکہ اُن کو بزرگی حاصل ہو۔ اور یہ کبھی اُن کی دعا سے ہوتا ہے۔ اور کبھی اُن کے فعل اور اختیار سے۔ اور بغیر اختیار اور قصد اُن کے۔ اور کبھی اُن کو اللہ تعالےٰ کے ہاں وسیلہ ٹھیرانے سے اور اسمیں اللہ تعالےٰ کے ساتھ ان کی شرکت نہیں ہوتی۔ اور علماء اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات غیر منحصر ہیں۔ کچھ اُن میں سے اللہ تعالےٰ جاری کر چکا ہے۔ کچھ اولیاء اللہ کے ذریعہ سے بطور کرامت کے زندگی میں اور بعد موت کے قیامت تک جاری کرے گا۔ اور یہ امر ایسا ہے۔ کہ جس کا

حصر غیر ممکن ہے۔

پس تحقیق کرامات اولیاء اللہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ایک معجزہ ہے۔ جو ان کی موت کے بعد باقی ہے۔ اور ہر وقت قیامت تک اُن کی صحت نبوت پر دلالت کرے گا۔ جیساکہ ابن صلح وغیرہ نے کہا ہے۔ اور کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ مگر وہ جو ذلیل اور بد اعتقاد ہے۔

فقیر نے اسی مسئلہ توسل میں اس کتاب میں کسی دوسرے مقام پر مفصّل بحث کی ہے۔ افسوس کہ فقیر ان حوالوں کی عربی عبارتیں بوجہ خوف طوالت کتاب ہذا نہیں لکھ سکا۔ اور نہ ہی وہ تمام دلائل اس مختصر رسالہ میں ذکر کر سکا ہے۔ جن کے مطالعہ سے کسی منکر کو تاب انکار نہ ہوتی۔ اب بھی اگر ایمان صحیح ہو۔ تو انشاء اللہ علماء احناف کے مندرجہ بالا عقیدہ سے تابِ روگردانی نہ رہے گی۔ اللہ کریم توفیق عطا فرما دے۔ کہ مسلمان امتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بزرگوں کی شانِ بلند کو سمجھ سکے۔ مزید تحقیق کے لئے دوسرے باب جواز توسل کو مطالعہ فرمائیے ؛

مسئلہ جواز توسل و استعانت من اہل القبور و سماع موتیٰ

اگر نافہم اور کور باطن جاہلوں اور بعضے صرف علم کا نام لینے والے ان پڑھوں کا یہ خیال ہے۔ کہ آنحضرت سید المرسلین احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آں حضرت علیہ السلام کے غلام اولیاء اللہ کسی چیز کے بھی مالک نہیں۔ اور ان کی زیارت کے لئے یا روضۂ مطہرہ کی زیارت اور اولیاء کرام و مشائخین عظام کے مزارات شریفہ کیلئے واسطے حصول فیوض و برکات اور بامید نیل و مرادات و انجاح مقاصد و حاجات ان کو وسیلہ جانکر حاضر ہونا شرک ہے۔ جیسے ہم محتاج ہیں۔ ویسے ہی وہ بھی ہر امر میں محتاج ہیں۔ توسل یا ان سے کچھ مانگنا۔ اور ان سے عرض معروض ایسا ہے جیسے محتاج سے سوال اور فقیر سے بھیک مانگنا۔ نہ وہ ہماری مدد کر سکیں۔ اور نہ وہ سُن سکیں۔ یہی عقیدہ مولوی سنبھلی ملتانی صاحب نے بھی اپنی حنفیت کے پردے میں مسلمانوں پر ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب مواعظ المسلمین فی مراسم المرتحلین کے صفحہ ۱۳۹ و صفحہ ۱۴۰۔ پر لکھتے ہیں :۔

مُسلمانوں کا خدا صرف ایک ہی ہے۔ وہی فریاد سُنتا ہے اور وہی مصیبت دور کرتا ہے۔ کسی دوسرے کو مشکل کشا و حاجت روا جاننا ہی شرک ہے!!

پھر لکھا:۔

حضرت ابو حنیفہ سراج الائمہ کے نزدیک موتیٰ (مردوں) کا سُننا

ہی ثابت نہیں۔ کہ ارشادِ خداوندی ہے۔ بنی محترم آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے۔ اور جو قبروں میں جاچکے ہیں آپ اپنی آواز ان کو نہیں پہنچا سکتے۔ ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک میت و مُردہ نہیں سُنتا۔

پھر امام بن ہمام کی عبارت کا حوالہ دیتے ہوئے لکھ دیا ہے۔ کہ:۔ "مُردہ نہ سُنتا ہے۔ نہ سمجھتا ہے۔ اور مُردوں کو سُننا ثابت ہی نہیں۔ ان کو پُکارنا۔ ان سے فریاد کرنا۔ فعلِ عبث ہی نہیں۔ تو کیا ہے۔ افسوس ایمان گنوایا اور کچھ ہاتھ نہ آیا"۔ ملخصاً۔

کیا ملتان کے حنفی مسلمان اپنے صدر و مبلّغ۔ واعظ و مفتی کے غیر مقلدانہ عقیدہ سے واقف ہو کر بھی یہ سمجھیں گے۔ کہ ہمارے مولوی امام الجامعہ حنفیت کے غلام ہیں۔ ایسے عقیدہ شنیعہ اور ان شبہات کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو کتاب مواعظ المسلمین میں لکھے گئے ہیں۔ لہذا فقیر ان مسائل کو اپنے حنفی بھائیوں کے لئے بالاختصار مگر جامع طور پر ایسا بیان کرے گا۔ جس سے یا تو مولوی صاحب کے ایمان کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ یا متقدمین (نعوذ باللہ من ذالک) صراطِ مستقیم سے دور دکھائی دیں گے۔ اور یہ غیر ممکن ہے۔ کیونکہ دین کی تمام تر اساس متقدمین پر ہی ہے۔ اور دین وہی دین ہے۔ جو اسلاف میں پایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ چودھویں صدی کی امرتسری توحید اور دیوبندی دین سر تا پا مغالطہ اور فریب ہے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ بے شبہ باعتبار اصل کے تمام مخلوق چھوٹے بڑے رب العزت کے محتاج ہیں۔ مگر حق تعالےٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے اپنے محبوب مکرم فخر اولادِ آدم بنی معظم حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اولیاء کرام کو غنی اور مستغنی عن الخلق کیا ہے اور خلق اللہ ساری ان کی محتاج ہے۔ اور ان کو وسیلہ بنانے کی طرف ان کو احتیاج ہے۔ سرکارِ انبیاء وصلی اللہ علیہ وسلم کا غنی اور مغنی ہونا۔ اور دوسروں کو غنی کرنا نص قطعی قرآنِ کریم سے ثابت ہے جس سے انکار کسی جاہل اور بدعقیدہ کے سوا دوسرے کو زیب نہیں دیتا۔ سورہ براۃ پارہ دسواں میں ارشاد باری تعالےٰ ہے۔ ولو انھم رضوا ما اٰتاھم اللہ ورسولہ۔ یعنی کاش وہ راضی ہوتے اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اور اللہ کے رسول نے۔ نیز اسی سورت میں ہے۔ ولا نقموا الا ان اغناھم اللہ ورسولہ۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے ان کو غنی کیا۔ اور اللہ کریم کے رسول علیہ السلام نے ان کو غنی کیا۔ اس سے صریح معلوم ہوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے غنی کیا ہے۔ اور آپ ایسے غنی ہیں کہ دوسروں کو بھی غنی فرما دیتے ہیں۔ تیسرے مقام پر اسی سورۃ میں ہے۔ سیوتینا اللہ من فضلہ ورسولہ۔ یعنی اللہ اپنے فضل سے ہم کو دے گا۔ اور اللہ کے رسول علیہ السلام دیں گے۔ اس سے واضح ہوا۔ کہ صفت ایتا اور اغنا میں رسولِ خدا اور رب جل وعلاء شریک ہیں جس طرح حق تعالےٰ عطا فرمانے والا۔ اور غنی کرنیوالا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام رسولِ حق تعالےٰ دینے والے اور غنی کرنیوالے

ہیں۔ مگر اللہ تعالےٰ جل مجدہٗ میں یہ صفت اور جمیع صفات بالذات اور بالاستقلال ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بعطائے الٰہی نہ بالذات نہ بالاستقلال صحیح حدیث شریف میں ہے۔ کہ سرکارِ مرسلین و انبیاء علیہ السلام نے فرمایا۔ اعطیت مفاتیح الخزائن یعنی میں دیا گیا ہوں اللہ تعالےٰ کے خزانوں کی کنجیاں۔ اس حدیث شریف سے بھی واضح ہو گیا۔ کہ مولا کریم کے خزانۂ جود و کرم سے جو کچھ کسی کو ملتا ہے۔ اس کی کنجیاں حضور ہی کے قبضہ اور ہاتھ میں ہیں کہ موافق حکم الٰہی کے حضور ہی عالم میں ہر ایک کو تقسیم فرماتے ہیں۔ جیساکہ فرمایا ہے۔ انما قاسم و المعطی ھو اللہ۔ دیتا سب کو اللہ تعالےٰ ہے۔ اور تقسیم میں کرتا ہوں۔ اسی واسطے حضور کی کنیت ابو القاسم ہے۔ یعنی ہر چیز کی تقسیم فرمانے والے۔ مدارج النبوت میں شیخ محدث مولانا عبدالحق صاحب حضور کی خصوصیات میں لکھتے ہیں۔ و ازاں جملہ آنست کہ دادہ شد آنحضرت را صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح خزائن و سپردہ شد بوئے مراد از خزائن اجناس عالم است کہ رزق ہمہ بوئے داد مفاتیح خزائن رزق و قسمت آں در دست ایں سید کریم نہادند قولہ صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسمٌ والمعطی ھو اللہ۔ انتہے۔ صحیح مسلم۔ اور ابن ماجہ و معجم کبیر طبرانی میں ربیعہ ابن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے کہ خادم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تھے۔ مروی ہے۔ کہ حضور نے ان سے فرمایا۔ مانگ کیا مانگتا ہے۔ جو مانگے گا۔ ہم تجھے دیں گے۔ انہوں نے عرض کی حضور کی رفاقت اور خدمتِ جنت میں مانگتا ہوں۔

حضور نے فرمایا کچھ اور بھی۔ عرض کیا میری مُراد تو یہی ہے۔ فرمایا تو میری اعانت کر اپنی جان پر سجود کی کثرت کرنے سے۔ قال کنت ابیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاتیتہ بوضوئہ و حاجتہ فقال لی سل۔ (وفی روایت طبرانی) یا ربیعہ سلنی فاعطیک قال فقلت اسئالک مرافقتک فی الجنۃ قال اوغیر ذالک قلت ھو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرۃ السجود۔ حضور اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا بطور اطلاق فرمانا کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ جو مانگو گے ہم تمہیں دیں گے۔ اس امر کی دلیل ظاہر اور برہانِ باہر و روشن ہے۔ کہ حق تعالےٰ نے آپ کو ہر چیز کا قاسم بنایا ہے۔ اور آپ ہر قسم کی مدد فرما سکتے ہیں۔ ہر طرح کی حاجت روائی کر سکتے ہیں۔ دُنیا اور آخرت کی سب مرادیں اور جملہ مطالب و مقاصد کا عطا کرنا۔ آپ کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ ورنہ بِلا تخصیص یہ کیسے فرما دیتے۔ کہ جو مانگو گے میں تم کو دوں گا۔ یہ ارشاد عوام کالانعام کے طریق و عمل پر منطبق ہو نہیں سکتا۔ کہ آپ نے ویسے ہی (نعوذ باللّٰہ) فرما دیا ہو۔ ماینطق عن الھوی کے ماتحت حضور نبی کریم ایسی گفتگو سے بری تھے۔ اشعتہ اللمعات شرح مشکواۃ شریف میں حضرت شیخ محمد عبد الحق صاحب محدث دہلوی اس حدیث شریف کے ماتحت افادہ فرماتے ہیں۔ از اطلاق سوال کہ فرمود سل۔ بخواہ تخصیص نکرد۔ بمطلوبے خاص معلوم مے شود۔ کہ کارِ ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست۔ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہر چہ خواہد باذن پروردگار خود دہد اور کسی شاعر وصاف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کیا خوب لکھا ہے۔

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا
ساتھ ہی منشئے رحمت کا قلمدان گیا

اور تو تم پہ مرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

مندرجہ بالا حدیث شریف کے ماتحت مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام نے جو سوال کرنے کا امر مطلقاً فرمایا۔ کوئی تقیید و تخصیص نہ لگائی۔ اس سے مستفاد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سرورِ انبیاء کو یہ قدرت بخشی ہے۔ کہ اللہ کریم کے خزانوں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں۔ اور امام ابن سبع وغیرہ علماء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ بات ذکر کی ہے۔ کہ جنت کی زمین کو اللہ کریم نے حضورؐ کی جاگیر کر دی ہے۔ کہ اس میں سے جو چاہیں اور جسے چاہیں بخش دیں۔ ایسا ہی امام محقق ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ الجواھر المنظم میں تحریر فرماتے ہیں۔ انہ صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ الذی جعل خزائن کرمہ دموائد نعمہ طوع یدیہ وتحت ارادتہ یعطی منھا من یشاء ویمنع من یشاء

ترجمہ:۔ یعنی بے شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے خلیفہ ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنے کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خوان حضور علیہ السلام کے دستِ قدرت کے فرمانبردار اور حضورؐ کے زیر حکم و ارادہ و اختیار فرما دیئے ہیں۔ کہ جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں۔ اور جسے چاہیں نہیں دیتے۔ اس تھوڑی سی بحث سے پتہ چل گیا ہو گا۔ کہ سرکارِ مدینہ کسی اختیار کے مختار و مالک ہیں یا نہیں۔ اور یہ مضمون حضورؐ کی قدرتِ اختیار اور سلطان و مختار ہونے کا اور خزائن الٰہی پر قبضہ علی الاطلاق ہونے کا تحقیق محققین سے حدِ

تواتر کو پہنچا ہے۔ لہذا فقیر کو زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ اور اسی طرح اولیاء و اقطاب و اغواث و مجدد جو حضورؐ کے خواص ہیں۔ وہ حضورؐ کے تحت میں حضورؐ کے قدرت و اختیار دینے سے حضورؐ کی مرضی کے موافق اعطاء و منع میں مختار ہوتے ہیں۔ اس جگہ بغرض دلیل صرف ایک بزرگ مسلم الثبوت اولین و آخرین کا قول پیش کر دیا جاتا ہے۔ جن کی کرامات اور ولایت متواتر اور متفق علیہ ہے۔ یعنی حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث صمدانی حضرت شیخ السید محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

درست العلم حتی صرت قطباً ونلت السعد من مولی الموالی

درس کیا میں نے علم کا یہانتک کہ میں قطب ہو گیا۔ اور مجھے مولی الموالی سے سعادت پہنچ گئی۔

وولائی علی الاقطاب جمعاً فحکمی نافذ فی کل حال

میرا حکم ہر غوث و ابدال پر ہر حال میں جاری ہے۔ اور وہ سب میرے حکم میں ہیں۔

بلاد اللہ ملکی تحت حکمی ووقتی قبل قلبی قد صفالی

اللہ تعالٰی کے تمام ممالک میں میرا حکم ہے۔ اور وہ میرے زیر فرمان ہیں۔ میرا دل و جان رب العزت نے صفا و مصفا فرما دیا ہے۔

نظرت الی بلاد اللہ جمعاً کخردلۃ علی حکم اتصال

میں خداوند جل مجدہ کے تمام ممالک کو اس طرح ملاحظہ کرتا اور دیکھتا ہوں۔ جیسے کفِ دست یعنی ہتھیلی پر رائی کا دانہ ہو۔

اور اگر گیارھویں والا پیر بھی کسی اپنے بیٹے کے باطنی بعض کے

ماتحت پسند نہیں آتا۔ تو اپنے گھر والوں پر نگاہ ڈالئے اور سُنئے وہ کیا کہتے ہیں۔ دیکھو صراط مستقیم ص۱۰۱ سطر ۲۔ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی و ہمچنیں اصحاب ایں مراتب عالیہ و ارباب ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال و شہادت مے باشند و ایں کبار اولی الایدو الابصار را میرسد کہ کہ تمامی کلیات را بسوئے خود نسبت نمایند۔ مثلاً ایشاں رامے رسد کہ بگویند از عرش تا فرش سلطنت ماست۔ بلفظہ۔

یہ ہے بندگانِ خدا کی قدرت و طاقت کہ عرش سے فرش تک اگر اپنی سلطنت ہونے کے مدعی ہو جائیں۔ تو اُن کو حق پہنچتا ہے۔ کیا بزرگانِ دین کا تصرف سمجھ میں آیا۔ کہ ان کو بھی کوئی حیثیت حاصل ہے۔ یا اسی طرح یہ بھی دنیا سے مرجاتے ہیں۔ جیسے ایک دنیا پرست وہابی۔ دیوبندی۔ کچھ تو ہے جو فرمایا گیا۔ وان اراد عونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی۔ یا عباد اللہ اعینونی۔ دیکھو حصن حصین جمع الجوامع امام سیوطی وغیرہ۔ اور طبرانی کی ایک روایت ہے۔ اذا اضل احدکم شیئا او اراد غوثا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی فان اللہ عباد الابراھم۔ پھر کس طرح مولوی سنبھلی ملتانی صاحب کہتے ہیں۔ کہ کسی دوسرے کو حاجت روا جاننا بھی شرک ہے۔ یا ان کو پکارنا یا ان سے فریاد کرنا فعل عبث نہیں تو کیا ہے۔ کیا ایمان اسی کو کہتے ہیں۔ کہ تمام مخلوق کے لئے عنایاتِ ایزدی اور عطائے الٰہی کا بھی انکار کر دیا جائے۔ مگر ہمیں مکتب و ہمیں ملاں۔ کار طفلاں تمام خواہد شد۔ آئیے محبوبان الٰہی و محبوبان محبوب الٰہی کی کچھ اور شان واضح کر دوں۔ تا کہ پتہ چل جائے کہ یہ رب العزت

کی عطا کردہ طاقتوں اور کن فیکونی قوتوں کے ماتحت کس طرح اس عالم میں تصرف فرماتے ہیں۔ اور کس کس طرح خلق خدا کی اعانت کرتے میں حصہ لیتے ہیں۔ کیا کسی نے سچ فرمایا ہے۔ شعر۔

نہیں ہم کو مضر اصلا بجز حضرت کی خدمت کے ٹھکانا خلق کا بندے خدا کے ہیں جو کامل ہیں

مولا کریم جل وعلا مجدہٗ نے حصولِ مقاصد دینی و دنیوی کیواسطے اپنے اولیا کو واسطہ گردانا ہے۔ بلکہ انتظام وقیام عالم سب انہیں محبوبان خدا کے وجود باوجود سے وابستہ ہے۔ جن کے مبارک القاب۔ غوث۔ قطب نقبا۔ نجباء۔ اور ابدال واوتاد وغیرہ ہیں۔ اور یہ امر تمام امت کے بلند پایہ اہل باطن وظاہر کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ اور جریر وعلامہ خطیب اور ابن منذر۔ امام محقق جلال الدین سیوطی۔ صاحب روح البیان حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی۔ صاحب فصوص وفتوحات مکیہ وغیرہم علیہم الرحمتہ والرضوان نے اپنی اپنی تفاسیر میں تحت آیتہ کریمہ۔ لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض۔ اس مضمون کے متعلق بہت سی احادیث وآثار نقل فرمائے ہیں۔ جن سب کے ایراد کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ ازانجملہ یہ روایت حضرت عبادہ بن صامت کی لکھی جاتی ہے۔

عن عبادہ بن صامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الابدال فی امتی ثلثون رجلا بھم تقوم الارض وبھم یمطرون وبھم ینصرون ثم قال العبادہ انی ارجوان یکون الحسن منھم۔ یعنی حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میری امت میں تیس [۳۰] ابدال ہیں۔ انہی کے سبب سے زمین قائم ہے۔ اور انہی کی برکت و سبب سے لوگ مینہ برسائے جاتے ہیں۔ اور انہی کی وجہ سے مدد

اور فتح پاتے ہیں۔ پھر حضرت عبادہ نے فرمایا۔ کہ میں امید کرتا ہوں۔ کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ انہی ابدالان الٰہی سے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہُوا۔ کہ احادیث ابدال و اوتاد صحابہ تابعین میں شائع ذائع تھے۔ یہاں تک کہ ان کے مصادیق کا بھی اظہار فرما کر دیا گیا جیسا کہ حضرت عبادہ نے حضرت حسن بصری کی نسبت ظاہر فرما دیا۔ اور ایسا ہی امام شعرانی نے میزان میں حضرت سیدنا سراج الامت امام الائمہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور دیگر آئمہ مجتہدین کو اُتادوں میں سے گِنا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے۔ عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لن تخلوا الارض من ثلثین مثل ابرھیم خلیل الرحمٰن بھم تغاثون وبھم ترزقون وبھم تمطرون۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ زمین اللہ کے تیس ۳۰ مقبولوں سے خالی نہ ہوگی۔ جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مانند ہوں گے۔ کہ انہی کی بدولت تم کو جنگوں میں فتح و نصرت ملتی ہے۔ اور انہی کے سبب سے تم کو روزی ملتی ہے۔ اور انہی کی وجہ سے تم مینہ برسائے جاتے ہو۔ ایسی بیشمار حدیثیں ملتی ہیں۔ جن سے بالاتفاق مخالفین و موافقین اہل اللہ کا واسطہ اور وسیلہ ہونا خلقِ خدا کے لئے ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ امر واضح تر ہو جاتا ہے۔ کہ مولا کریم نے اپنے مقبولوں کو عالم کے انتظام اور تصرفات کو نبیہ کے لئے یعنی جو امور عالم میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ مثلاً مینہ کا برسنا۔ پیڑوں کا بڑھنا۔ حیوانات کی بقا۔ گاؤں اور شہروں کی آبادی۔ لوگوں کے حالات کا تغیر اور تبدل زمانہ کے انقلابات۔ بادشاہوں کا اقبال و ادبار۔ سلطنتوں کا عروج

وزوال۔ مسکینوں وغنیوں کی تبدیلی۔ فقیر کا غنی اور غنی کا محتاج ہو جانا۔ متفرقین کو جمع کر دینا۔ مجتمعین کو متفرق کرنا۔ لشکروں کا فتح و شکست دینا۔ بلاؤں کا دفع ہونا۔ وباؤں۔ بیماریوں اور مصیبتوں کا ہٹانا۔ فریادیوں کی فریاد رسی کرنا۔ وغیرہ ہم کے لئے وسیلہ اور ذریعہ بنایا ہے۔ اور ان کو انبیاء علیہم السلام کی طفیل اور ان کے ذریعہ سے یہ سب درجاتِ عالیہ حاصل ہوتے ہیں۔ جو شخص ایسے بندگانِ خدا کا طالب نہ ہو۔ ان کی زیارت وملاقات اور ان کی جانب سفر کرنے کو منع کرے۔ اور اس کو بزعم خود بدعت وشرک جانے اس کے اپنے ایمان میں نقصان ہے۔ یہ احکامِ نبویہ علیہ السلام اور وسیلہ وذریعہ کی آیاتِ قرآنیہ اس امر کا اشارہ ہیں۔ کہ ایسے گمراہوں سے (جو منع کرنے والے اور نیکوں کی صحبت اور فیوض سے دور رکھنے والے ہوں)، دور بھاگو ان کا کہنا نہ مانو۔ خدا کے اولیاؤں کی زیارت کرو۔ ان کو خدا کے قرب کا وسیلہ سمجھو۔ ان سے دفع مصائب میں مدد مانگو۔ اور انہی کی جناب میں رجوع کرو۔ کہ تمہارے ایمان کی نشانی اور تقوی کی علامت یہی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ اولٰئک الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب ویرجون رحمتہ و یخافون عذابہ۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ شریفہ اور عزیر اور ملائکہ کرام علیہم السلام کے ابتغاء وسیلہ کا بیان ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا۔ کہ طلب وسیلہ مقربین الٰہی کا کام ہے۔ اور اللہ کریم کو مقبول اور پسندیدہ ہے۔ اور آیت فتلقی آدم من ربہ کلمات کے ماتحت اکثر مفسرین نے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سرورِ کائنات

فخرِ موجودات مختارِ شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اور حضور علیہ السلام کے اسمِ مبارک کے ساتھ توسل اور دعا مانگنا لکھا ہے۔ اور موجبِ حصولِ مقصود فرمایا ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ایک روایت میں ارشاد ہوا ہے۔ اور حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام کی سنت ہے اسی واسطے بعد رحلت حضرت ختم نبوت علیہ افضل الصلوٰت والتحیۃ ایک اعرابی نے ضریح اقدس پر آکر آیت ولو انھم اذ ظلموا انفسھم۔ الخ پڑھی۔ اور اس کے مضمون کو عرض کر کے مغفرت مانگی۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری آرامگاہ یعنی قبر مبارک سے آواز آئی۔ قد غفر لک۔ اعرابی کے اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ وسیلہ کیلئے مزار پر حاضری ایک ایسا امر ہے۔ جو خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے زمانہ سے مروج ہے۔ کوئی نئی بات نہیں۔ نیز یہ امر بھی واضح ہو گیا۔ کہ جس کو وسیلہ بنانا مقصود ہو، وسیلہ کی زیارت پہ حاضر ہو کر عرض معروض کرنے کو قبولیت میں زیادہ دخل ہے۔ اور مزار مقدس پر حاضر ہونے والا زیادہ بشارت کا مستحق ہے۔ بہ نسبت اس شخص کے جو غائبانہ ذریعہ بنا رہا ہے۔ اسی واسطے ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جو لوگ بزرگوں کے مزارات پر خلوص سے حاضر ہوتے ہیں۔ ان پر ان بزرگوں کے وہ عنایات و کرامات ہوتے ہیں۔ جو غیبت میں ہرگز نصیب نہ تھے۔ اور نہ ہو سکے اسی آیت کریمہ میں ثم جاؤک کا ارشاد اس مضمون کی بین دلیل ہے۔ کہ وسیلہ کی درگاہ عالم پناہ میں وسیلہ پکڑنے والے کی حاضری صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔ اور یہ بھی پتہ چل گیا۔ کہ یہ حاضری

متوسل کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ مقدس میں عام ہے کہ حضور کی حیات دنیوی میں ہو یا یہاں سے تشریف لے جانے کے بعد ہو۔ اس کی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر ایسے وسیلۂ کریم سے جو شخص پھیرے اور زیارت میں مانع آئے۔ اور اس کے جواز کا شک کرے۔ اس کے استحباب کا دافع بنے۔ اس کیلئے سفر کرنا حرام و شرک قرار دے۔ اس کی اپنے نفس پر جفا کاری اور بدنصیبی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ نافہمی میں حیوانات سے گئے گذرے۔ اولئک کالانعام بل هم اضل واولئک هم الغافلون۔ ہاں بعض کور باطن یہ کہہ دیں گے۔ کہ یہ مسئلہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ دیگر اہلِ قبور اولیاء اللہ و صالحین پر جا کر وسیلہ گردا ننا۔ اس کے ماتحت کیونکر آسکتا ہے۔ سو ان کا ولی نعمت ہونا پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اور وہ واسطہ مطلق کے ماتحت مندرج و داخل ہیں۔ بالخصوص جبکہ ان کی تخلیق ہی واسطے امداد خلق اور ذریعہ ہونے کے ہے۔ اور تمہارے اس خیال سے حق تعالےٰ اور اس کے محبوب پاک پر اعتراض وارد ہوتا ہے جن کے حکم میں وسیلہ کی طلب اور مشائخ و اولیاء کے مزارات کی حاضری فرمائی گئی ہے۔ اور مرادات و حاجات کی حصول میں ان کو واسطہ گردانا ہے۔ اور ہم کو ارشاد کیا کہ اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا باصحب القبور۔ زوروها واطلبوا حوائجکم من احسان الوجوہ وعند حسان الوجوہ۔ اور یہی طریقہ سیدنا آدم علیہ السلام سے لیکر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک توسل کا تمام انبیاء علیہم السلام میں۔ اور حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے آجتک تمام اولیاء عظام علیہم الرحمتہ والرضوان میں جاری و معمول رہا۔ تو کیا مولا کریم اور اس کے محبوب

بنی کریم علیہ السلام والتسلیم نے نعوذ باللہ خود شرک کی تعلیم دی۔ اور جملہ انبیاء و اولیا۔ متوسلین معترض کے عقیدہ میں بپناہ بخدا مشرک ہیں معاذاللہ ثم معاذاللہ۔ معترض نابینا ہو کر اعتراض کرتا ہے۔ یہ نہ سمجھ سکا۔ یہ عالم عالم اسباب ہے۔ ابتداء خلقت جنین سے انتہا تک اور ہر امر معاش میں جو ہزاروں اسباب کے سلسلے حق تعالےٰ نے پیدائش اور پرورش اور تعیش اور موت کیواسطے معیّن فرمائے ہیں۔ سب بے ضرورت نہیں حالانکہ حق تعالےٰ قادر تھا۔ اور ہمیشہ ہے۔ کہ بچہ بغیر نطفہ اور بے ماں باپ کے پیدا فرما دیتا۔ اور بغیر غذا کے زندہ بھی رکھتا۔ اور بغیر واسطے کے مارتا جلاتا سوا ان اسباب کیواسطے اور ذریعہ سے جو امور ظہور میں لایا۔ تو تمہارا خدا تمہارے خیالی ڈھکوسلوں پر خدا ہی نہ رہا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسکم۔ سنیئے توسل کی تین صورتیں ہُوا کرتی ہیں۔ پہلی یہ کہ متوسل اور مستغیث اس طرح کہے۔ کہ یا اللہ میں تجھ سے مراد مانگتا ہوں۔ بحرمتِ فلاں نبی یا ولی یا بحق فلاں بزرگ یا بطفیل فلاں بزرگ تو میری مراد برلا۔ یا میری حاجت روائی فرما۔ اور یہ صورت کثیر اور متعارف ہے۔ اور عام دستور ہے۔ کہ جب کسی کے سامنے اُس کے معزز دوست یا ذی وجاہت محبوب کا واسطہ ذکر کیا جاتا ہے۔ تو سائل پر رحمت و شفقت کا جوش ہوتا ہے۔ اور وہ یعنی مسئول عنہ بوجہ واسطہ محبوب سائل کی مراد بر لانے میں ہمہ تن متوجہ اور ملتفت ہو کر اس کے مقصود کو پورا کرنے میں کوشش کرتا ہے۔ اور اسمیں شک نہیں۔ کہ انبیاء و اولیا و مشائخ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالےٰ کے محبوب بندے ہیں۔ جب ان کے ذکر کے ساتھ ہماری دعا مقارن ہو گی۔ بے

شبہ ہمارے واسطے دریائے رحمتِ الٰہی جوش میں آئے گا۔ اور بھی بہتر ہے۔ جو احادیث میں وارد ہے۔ کہ جب کوئی دعا کرتا ہے تو آسمان کا دروازہ نہیں کھلتا۔ اور زمین و آسمان کے درمیان معلّق رہتی ہے یعنی قبولیت کو نہیں پہنچتی۔ جب تک خدائے واحد کے محبوب پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھے۔ دوسری صورت توسل کی یہ ہے۔ کہ انبیاء و اولیا سے سفارش اور دعا کی درخواست کی جائے۔ اور اس طرح کہا جائے۔ کہ آپ ہمارے واسطے سفارش کیجئے اور دعائے خیر فرمایئے۔ کہ مولا کریم ہم کو اپنے مقاصد میں فائز المرام فرمائے اور اس کے جواز میں بھی کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اسلئے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بے شبہ حق تعالےٰ کے بارگاہ میں مقدس اور مقبول ہیں۔ اور اُن کی سفارش اور دعا یقیناً مقبول ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب کوئی امر مشکل اور کوئی بلائے عظیم عالم پر نازل ہوتی ہے۔ تو ابدالان الٰہی اور اوتادان وقت دعا کرتے ہیں۔ تاکہ اس کا دفعیہ ہو جائے۔ اور اگر نہیں ٹلتی تو آخر میں قطب وقت دعا کو ہاتھ اُٹھاتے ہیں۔ اور ہنوز ان کی دعا تمام نہیں ہونے پاتی۔ کہ درجۂ قبولیت کو پہنچ جاتی ہے۔ اور مندرجہ بالا تینوں صورتیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک واقعہ میں پائی جاتی ہیں۔ جس کو معجم کبیر طبرانی میں روایت کیا گیا ہے۔ وہ طویل حدیث یوں ہے کہ ایک شخص حاجتمند اپنے کسی کام کو اکثر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ مگر وہ التفات نہ فرمایا کرتے تھے۔ اور نہ اس کی حاجت پر متوجہ ہوتے۔ حضرت عثمان ابن حنیف سے اس شخص نے اس امر کا شکوہ کیا۔ انہوں نے اس کی مطلب برآری کی یہ تجویز

سمجھائی۔ کہ وضو کر کے مسجد میں دو رکعت پڑھ۔ اور اس طرح دعا مانگ
کہ خداوندا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اور متوجہ ہوتا ہوں۔ بوسیلہ
تیرے نبی پاک کے جن کا نام مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور لقب آپکا
نبی الرحمۃ ہے۔ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کے ذریعہ سے اپنے
پروردگار کی جانب متوجہ ہوتا ہوں۔ تاکہ میرا مطلب آپ پورا فرما دیں۔ اور پھر
ساتھ ہی اسی مطلب اپنے کا بھی ذکر کر دینا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ پھر جب
حضرت خلیفۃ المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر گیا۔ تو
حضرت عثمان رضی اللہ بڑی خاطر سے پیش آئے۔ اپنے ساتھ مسند پر جگہ دی۔ اور
اس کا مدعا و مطلب پوچھا۔ اور جو اس نے کام عرض کیا۔ وہ کر دیا۔ پھر فرمایا تو
نے آجتک مجھ سے کیوں نہ کہا تھا۔ جب بھی تمہارا کوئی کام ہوا کرے۔ مجھے
اطلاع کیا کرو۔ پھر وہ شخص حضرت عثمان کے پاس سے واپس چلا آیا۔ اور
ابن حنیف سے ملاقات ہوئی۔ تو اس کو کہا۔ کہ خدا تمہارا بھلا کرے۔
اور جزائے خیر دے۔ حضرت عثمان رضی سے کہکر تم نے میرا کام کروا دیا۔ وہ
میری طرف التفات ہی نہ فرماتے تھے۔ ابن حنیف نے کہا۔ خدا کی قسم
میں نے تیرے معاملہ میں حضرت عثمان رضی سے کچھ بھی نہیں کہا۔ اور نہ
بات چیت کی۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ ایک وقت میں حضور اکرم نبی مکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ کہ ایک اندھے آدمی نے
اپنی آنکھوں کی بینائی کا حضور سے شکوہ کیا۔ تو حضور علیہ السلام نے
اس سے فرمایا۔ کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو۔ اور اس طرح دعا
مانگ قسم خدا کی ہنوز مجلس برخاست نہ ہوئی تھی۔ اور ہم لوگ ابھی باتیں
کر رہے تھے۔ کہ وہ شخص مجلس میں واپس آیا۔ اور اچھا بھلا تھا۔ گویا

وہ پہلے اندھا تھا ہی نہیں۔ اس روایت سے معلوم ہُوا۔ کہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے توسل اور استغاثہ کا طریقہ خود تعلیم فرمایا۔ اور اس سے نفع اُٹھانے کا گُر بھی سمجھا دیا۔ اور یہ تمیز بھی اُٹھا دی۔ کہ یا محمد کہہ کر وسیلہ بنانے والا حاضر ہو یا غائب۔ قریب ہو یا بعید۔ ایسا کر سکتا ہے۔ اور اس کو اجازت ہے۔ اور اگر غیر اللہ سے توسل اور استعانت ممنوع یا شرک ہوتا تو یہ تعلیم سرکار انبیاء علیہ السلام سے محال تھی۔ لہذا واضح تر ہو گیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل اور استغاثہ اور استعانت سنت ہے۔

تیسری صورت توسل کی یہ ہے۔ کہ خود انبیاء اور اولیاء سے مراد طلب کی جائے۔ اور ان کو مظہر عون و قدرت الٰہی جانکر اور ان کو وسیلہ اور واسطہ بین الخالق و مخلوق مان کر ان اشیاء کی نسبت جن کے اُوپر حق تعالےٰ نے انہیں خود تصرف اور طاقت عطا فرمائی ہے۔ تو توسل کی یہ صورت اور اس عقیدے کے ساتھ انبیاء اور اولیاء سے حاجت چاہنا ہرگز ممنوع نہیں ورنہ زندگی میں بھی چاہیئے۔ کہ ان سے استمداد و استعانت ممنوع ہو جائے۔ حالانکہ بالاتفاق جائز ہے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں۔ کہ اسی تقدیر پر کسی مالدار سے بھیک مانگنا۔ روٹی کی طلب کرنا۔ کھانا چاہنا۔ خادم سے پانی لوٹا منگوانا۔ درزی سے ٹانکا لگوانا۔ بڈھے کو ڈنگوری اور لٹھیا سے مدد مانگنا۔ حاکم سے استغاثہ کرنا۔ انصاف چاہنا۔ اور طبیب سے علاج میں مدد لینا۔ غرضیکہ تمام دنیوی زندگی کے کاروبار حرام و ناجائز ہو جاویں گے۔ جب ان تمام ضروریات میں استعانت بوجہ اسباب ظاہری ہونے کے جائز ہوئی۔ تو انبیاء و اولیاء سے استعانت حرام و ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کیا اگر انبیاء و اولیاء کو

حاجات کے اسباب ہی سمجھ لیا جائے۔ تو پھر معترض کے نزدیک معاذ اللہ
عام اشیاء کی سی حیثیت انبیاء اور اولیاء کی نہ ہوئی۔ جیسا کہ دیوبندیوں
نے اپنی لاٹھی کو زیادہ کام دینے والی حضور علیہ السلام اور اولیاء کرام کے
مقابلہ میں تصور کر رکھا ہے۔ ایسے عقیدے میں صریح ان کی توہین ہے۔ جو موجب
سلب ایمان ہوتی ہے۔ فقیر نے پہلے ذکر کر دیا ہے۔ کہ انتظام نظام عالم کا دارو
مدار قانون قدرت کے مقتضا سے عالم اسباب میں اہل اللہ ہیں وان کے ارواح مقدسہ
ونفوس قدسیہ عوام کے مدبرات امرا ہیں پھر ان کی بیحد مفید کار آمد ہستیوں اور
ذمہ دارانہ و باختیار حیثیتوں سے انحراف کرنا اور محض دنیا میں عضو شل کا عقیدہ
رکھنا پرلے درجے کی ڈھٹائی ہے۔ حضرت شیخ محدث دہلوی جذب القلوب
میں فرماتے ہیں۔ در روایت انس ابن مالک آمدہ کہ فاطمہ بنت اسد فوت
کرد۔ و آنحضرت بروے در آمد بر سرِ وے بنشت فرمود یا امی بعد امی
وثنائے بسیار بروے کرد و پیراہن خود را کفن وے ساخت بعد
ازیں اسامہ بن زید و ابو ایوب انصاری و عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم را
فرمود۔ تا قبر برائے او کندند و لحد دمیرا بدست شریف خود حفر کرد۔
و بدست مبارک خود خاکہا بر آورد و بعد از فراغ در لحد در آمد و بخفت
و فرمود۔ اللہ الذی یحیی و یمیت وھو حی لا یموت اغفر لامی فاطمۃ
بنت اسد و وسع علیھا مدخلھا بحق نبیک والانبیاء قبلی
فانک ارحم الرحمٰین۔ و چار تکبیر خواند و در لحد در آورد و عباس
و ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما نیز باوے بودند دریں حدیث دلیل است
بر توسل در ہر دو حالت نسبت بآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در حالت حیات
و نسبت بانبیاء علیہم السلام بعد از وفات وچوں توسل بانبیائے دیگر

صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین بعد از وفات جائز باشد۔ بسید انبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ و اکملہا بطریق اولیٰ جائز باشد۔ بلکہ اگر بایں حدیث توسل باولیائے خدا نیز بعد از وفات ایشاں قیاس کنند دور نیست اس حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے حضرت شیخ محدث دہلوی کا یہ نتیجہ اخذ کرنا۔ کہ جب حضرت فاطمہ بنت اسد والدہ حضرت علی المرتضےٰ کرم اللہ وجہہ فوت ہوئیں۔ تو حضور علیہ السلام تشریف لائے۔ اور اُن کے سرہانے بیٹھے۔ تعریف فرماتے رہے۔ پھر اپنا پیرہن حضور نے ان کے کفن کو دیا۔ حضرت اسامہ بن زید ابو ایوب انصاری اور حضرت عمر رضی اللہ کو قبر کھودنے کا حکم فرمایا۔ اور لحد کا گڑھا اپنے دستِ مبارک سے بنایا۔ اور یہ الفاظ فرمائے۔ کہ اے اللہ کریم میری ماں فاطمہ بنت اسد کے لئے مغفرت فرما۔ اور اس کی قبر کو فراخ کر دے۔ اپنے نبی کی طفیل یعنی میری (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کی اور بطفیل ان انبیا علیہم السلام کی جو مجھ سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔ پس تحقیق تو بہت رحم فرمانے والا ہے۔) کہ توسل کی دو صورتیں جائز و مسنون ہو گئی ہیں بحالتِ ظاہری دنیوی زندگی کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل ثابت ہو گیا۔ اور بحالتِ وفات سابقہ انبیاء علیہم السلام سے حضرت شیخ فرماتے ہیں۔ کہ جب انبیاء متقدمین کا توسل خود حضور علیہ السلام کے فعل سے ثابت ہو گیا۔ تو خود حضور کا توسل ہمارے لئے بطریق اولیٰ جائز ہو گا۔ بلکہ فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث سے اولیاء کرام سے بھی توسل بعد از وفات قیاس کر لینا کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔

فقیر کہتا ہے۔ کہ جب توسل و استغاثہ جائز و مسنون ہؤا۔ تو توسل کے واسطے سفر کرنا۔ اور ان کے مزارات شریفہ پر جانا بھی جائز و ثواب ہؤا۔ ہاں یہ ایک اور مغالطہ ہے۔ کہ جانے والے ہی کے دماغ میں یہ بٹھانے کی سعی کی جائے۔ کہ توسل تو جائز ہی سہی۔ مگر وہ تو جن کو تو وسیلہ بنانا چاہتا ہے۔ تیری بات سُنتے ہی نہیں۔ تو وسیلہ کیسا۔ اس مغالطہ دہی کا جواب بھی مختصراً ذکر کر دینا مناسب ہے۔ تاکہ یہ بہانہ بھی دور ہو جائے۔ پھر اگر ایمان ہؤا۔ تو عمل کریں گے۔ ورنہ سب معترضین کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے۔ اس فتنے کے زمانے میں گمراہ کرنے کا زیادہ تر طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے۔ کہ لوگوں کے ذہن میں یہ بات ڈالی جائے کہ جب آدمی مر گیا۔ اور روح اس کی اپنے مقام پر چلی گئی۔ اور جسم گل سڑ گیا۔ پھر قبر میں کیا ہے جس کے پاس تم جاتے ہو۔ اور اس میں کون ہے۔ جس کو تم مخاطب کرتے ہو۔ اور ان قبور کی تشبیہ کہیں بتوں سے اور کہیں پتھروں سے دی جاتی ہے۔ قرآن و حدیث میں وہ تمام آیات و ارشادات جو عرب کے بتوں کے متعلق ہیں۔ وہ سب اپنے معانی و مطلب میں تغیرّ و تبدل کر کے یہاں لا کر جما دی جاتی ہیں عوام بیچارے جن کو علم نہیں ہوتا۔ اس قسم کی موٹی موٹی باتیں سُن کر جان لیتے ہیں۔ اور جادۂ اعتدال سے بہک جاتے ہیں۔ اور ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے۔ کہ مزار خواہ کیسے ہی بزرگ کا کیوں نہ ہو۔ راہ گزر میں دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے۔ جانا اور عقیدت سے بیٹھنا تو درکنار بیسیوں خواصوں اور درویشوں کے ملنے والوں کو جنہیں پکے اہلسنت ہونے کا دعویٰ تھا۔ دیکھا گیا ہے۔ کہ وہ بھی اس الحادی تعلیم میں صحیح

معتقدات کو کھو چکے ہیں۔ اللہ رحم فرمائے۔ لہذا مختصر طور پر یہ مسئلہ سمجھا دینا ضروری ہے۔ سنئے!

جب مقبول بندگانِ خدا فوت ہو جاتے ہیں۔ تو ان کی روح اگرچہ علیین میں چلی جاتی ہے۔ لیکن اس کو ایک قسم کا اتصال معنوی اپنی قبر کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ گویا وہ روح مقام علیین اور قبر دونو جگہ رہتی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کو کل حالات سے جو اس کی قبر پر گزرتے ہیں۔ واقفیت ہوتی ہے۔ اور اس کی مثال یوں سمجھنا چاہیئے کہ آفتاب آسمان پر ہے۔ اور اس کی روشنی تمام عالم میں پھیلی ہوئی ہے اگرچہ ان کا مقام علیین ہے۔ مگر روشنی اس کی قبر تک بلکہ تمام عالم میں ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب شرح الصدور شرح حال الموتے والقبور میں اس بحث کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اگر اس چھوٹے مضمون میں گنجائش ہوتی۔ تو فقیر اس کو من وعن نقل کر دیتا۔ تاہم بعض دو چار موٹی موٹی باتیں ذکر کی جاتی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ کہ

ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے۔ کہ مومنین کی ارواح علیین میں رہتی ہیں۔ اور کفار کی ارواح سجین میں اور ہر روح کو اپنے جسم کے ساتھ اتصال معنوی رہتا ہے۔ اور ابن عبد البر نے کہا۔ کہ جب وقت مردہ ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کیا جاتا ہے۔ تو وہاں بھی یہ اتصال ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ جب یہ سمجھ لیا گیا۔ تو اب معلوم کرنے کی یہ ضرورت رہی۔ کہ کیا مُردے اس حالت میں اہل دنیا کی آواز پکار سُنتے ہیں۔ یا نہیں۔ مولوی سنبھلی ملتانی صاحب نے بڑی

شدّ و مدّ سے لکھا ہے۔ کہ مُردے کا سُننا ثابت نہیں۔ بلکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی سماع موتیٰ کے قائل نہیں۔ مگر مزے کی بات یہ ہے کہ آپ کو اپنا ہی پتہ نہیں۔ کہ پیچھے کیا لکھ آیا ہوں۔ اور اب کیا لکھ رہا ہوں۔ چنانچہ خود ہی اپنی بے سرو پا تصنیف مواعظ المسلمین کے ص۱۱ پر فرماتے ہیں۔ اور واضح طور پر فرماتے ہیں۔ کہ بعد دفن قبر کے سرہانے سورۃ بقر کی ابتدائی آیات آلمٓ سے ھم المفلحون تک اور پائنتی پر اسی سورۃ بقر کی آخری آیات امن الرسول سے لے کر فانصرنا علی القوم الکٰفرین تک پڑھنا مسنون ہے۔ نیز قبر پر تلقین کو بھی جائز کہا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

یا فلان ابن فلان اذکر دینک الذی علیہ من الشھادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ وان محمداً رسول اللّٰہ وان الجنۃ حق والنار حق وان الساعۃ آتیۃ وان اللّٰہ یبعث من فی القبور وانک رضیت باللّٰہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا وبالقرآن اماما وبالکعبۃ قبلۃ وبالمؤمنین اخوانا (شامی ص۵۹۶)

اے فلاں بن فلاں یاد کر اپنے اس دین کو جس پر تو تھا۔ یعنی گواہی اس امر کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور جنت حق ہے۔ دوزخ حق ہے۔ اور دوبارہ جینا حق ہے۔ اور قیامت آنے والی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ مُردوں کو قبروں سے اُٹھائے گا۔ اور تو راضی تھا۔ اللہ کو رب مان کر۔ اور اسلام کو دین مان کر اور حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی جان کر۔ اور قرآن کو امام، اور کعبہ کو قبلہ۔ اور مومنوں کو بھائی۔

بنانے پر۔ اس کے بعد واپسی میں جلدی نہ کریں۔ کیونکہ حاضرین سے میت کو اُنس ہوتا ہے۔ اور اس کو جواباتِ منکر ونکیر میں آسانی ہوتی ہے۔ مولوی جی سے پوچھا جائے۔ کہ وہ آیاتِ سورۂ بقر کیوں پڑھی جائیں اور یہ تلقین کیوں کی جائے۔ کیونکہ آپ کے ایمان کے مطابق تو مُردے سُنتے ہی نہیں۔ اور جب وہ نہیں سُنتے۔ تو یہ سب کچھ بقول آپ کے عبث ہو گا۔ اور اسلام نے کوئی عبث کام اپنے غلاموں کو نہیں بتایا۔ بلکہ اسلام ہر چیز فطرت اور عقل کے مطابق پیش کرتا ہے۔ یہ ایک جداگانہ بات ہے۔ کہ بعض مسائل میں سمجھنے کو عقل انسانی انسان کا ساتھ نہ دیتی ہو۔ اب یہاں تلقین جائز۔ اور وہاں جس کو تلقین کرنا ہے وہ سُنتا ہی نہیں۔ تو پھر آپ کی اس دو رنگی اعتقادی منطق کا کیا بنے گا۔ یا مُردوں کا سُننا جائز فرمائیے۔ کہ وہ سنتے ہیں۔ پھر تلقین جائز ہو گی۔ اور اگر مردوں کا سُننا بقول آپ کے شریعت میں نہیں آیا۔ تو تلقین بھی ناجائز قرار دے دیجئے۔ جہاں اتنے اسلامی معتقدات پر ہاتھ صاف کئے ہیں۔ وہاں بیچاری تلقین کی کیا ہستی۔ جو آپ کے علمی حربے سے جیتی رہ جائے۔ جائز تو آپ نہ لکھتے مگر حق حق ہے۔ بے اختیاری میں منہ سے نکل گیا۔ کیونکہ سارے کا سارا دین جھٹلایا جانا ذرا مشکل کام ہے۔ پھر آپ ابھی علمی میدان میں نوآموز ٹھہرے۔ ایسی آگے پیچھے کی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ خدا آپ کی اس گھبراہٹ پر رحم فرمائے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ جس بات کا آپ نے ص۱۴۱ پر اپنی کتاب میں انکار صریح کیا ہے۔ وہ قابلِ انکار نہیں۔ اور نہ ہو سکتی ہے۔ حدیثوں پر از روئے دیانت وعلم نظر ڈالئے۔ مغالطہ دور ہو جائے گا۔ اگر آپ

معذور ہیں۔ تو فقیر لکھ دیتا ہے۔ سنیئے۔ فی الصحیحین عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالھم۔ یعنی صحیحین میں انس سے روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ کہ جب آدمی قبر میں رکھا جاتا ہے۔ اور ساتھی اس کے لوٹتے ہیں۔ تو مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا۔ کہ مردے سنتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ یہ امر عام ہے۔ حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی بطریق معجزہ خاص نہ تھا۔

دوئم۔ فی صحیح البخاری عن سعید عن ابیہ انہ سمع ابی سعید الخدری ان رسول اللہ قال اذا وضعت الجنازۃ واحملھا الرجال علی اعناقھم فان کانت صالحۃ قالت قدمونی وان کانت غیر صالحۃ قالت یا ویلھا این تذھبون بھا یسمع صوتھا کل شیٔ الا الانسان ولو سمعہ لصعق۔ ترجمہ:۔ صحیح بخاری میں ہے۔ روایت کیا سعید نے اپنے باپ سے۔ کہ سنا انہوں نے ابا سعید خدری سے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنازہ کو جبوقت لوگ لے چلتے ہیں۔ اگر وہ مردہ نیک لوگوں میں سے ہے۔ تو کہتا ہے۔ جلدی لے چلو۔ مجھ کو اور اگر برے لوگوں میں سے ہے۔ تو کہتا ہے۔ خرابی ہے مجھ کو کہاں لئے جاتے ہو۔ اور اس آواز کو سوائے انسان کے سب سنتے ہیں۔ اور اگر انسان سنے تو بیہوش ہو جائے۔ اس حدیث سے ہر مردے نیک و بد کا بولنا اور کلام کرنا ثابت ہوتا ہے۔ جس میں اگر پکارنے اور بولنے کی اہلیت باقی رہتی ہے۔ تو سننے کی بھی لازماً رہتی ہے۔

سوئم۔ احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔ کہ جب لوگ قبروں پر جائیں۔ تو مُردوں کو سلام کریں۔ اور یہ کہیں۔ انتم لنا سلف ونحن لکم خلف وانا انشاء اللہ بکم لاحقون البشروا فان الساعۃ لاٰتیۃ لاریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور۔ ترجمہ۔ تم لوگ آگے ہو۔ اور ہم تمہارے پیچھے ہیں۔ اور ہم انشاء اللہ تم میں ملنے والے ہیں۔ خوش ہو۔ پس تحقیق کہ قیامت آنے والی ہے۔ جسمیں کوئی شک نہیں اور تحقیق کہ اللہ اُٹھائے گا۔ ان لوگوں کو جو قبروں میں ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہُوا۔ کہ اگر مردے نہ سُنتے اور سماع موتیٰ صحیح نہ ہوتا۔ تو سرکارِ انبیا علیہ السلام ایسا حکم نہ فرماتے۔ کیونکہ بر تقدیر عدم سماع موتیٰ کے نعوذ باللہ یہ حکم لغو و بے معنی ٹھیرتا ہے۔

(چہارم)۔ روی ابو الشیخ الاصبھانی باسنادہ عن عبید بن مرزوق قال کانت امرءۃ بالمدینۃ یقال لھا ام محجن تقم المسجد فماتت فلم تعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمر علی قبرھا فقال ماھذا فقالوا ام محجن قال النبی کانت تقم المسجد قالو نعم فصف الناس فصل علیھا ثم قال ای العمل وجدت افضل قالوا یا رسول اللہ اتسمع قال ما انتم باسمع منھا فذکر انھا اجابت تقم المسجد وھذا مرسل۔ ترجمہ:۔ ابو الشیخ الاصبہانی نے روایت کیا۔ اپنے اُستاد سے عبید بن مرزوق سے یہ کہ عبید بن مرزوق نے کہا۔ کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جس کو ام محجن کہتے تھے۔ اور وہ مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ پس وہ مرگئی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مرنے کی اطلاع نہ پائی۔ پس گذرے حضورؐ اس کی قبر پر۔ اور

پوچھا آپ نے کہ یہ کس کی قبر ہے۔ پس عرض کیا لوگوں نے کہ ام محجن کی پھر پوچھا حضورؐ نے کہ وہ جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ عرض کیا گیا ہاں پس صف بنائی لوگوں کی۔ اور نماز پڑھی حضورؐ علیہ السلام نے اس پر اور پھر پوچھا اس عورت سے کہ کونسا عمل تو نے بہتر پایا۔ پھر لوگوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ سُنتی ہے۔ تو حضورؐ علیہ السلام نے فرمایا۔ تم اس سے زیادہ نہیں سُنتے ہو۔ اور پھر فرمایا کہ اس نے یہ جواب دیا ہے۔ کہ میں نے جاروب کشی مسجد کو بہتر پایا ہے۔ اور یہ حدیث مرسل ہے۔ اس حدیث میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مردے سے مثل زندوں کے سوال کرنا۔ اور مُردے کا سُننا۔ اور جواب دینا ثابت ہوتا ہے۔ اور سماع موتیٰ کے متعلق خاص ارشاد ہے۔ کہ تم اس سے زیادہ نہیں سُنتے ہو۔ گویا وہ بھی ویسے ہی سُنتی ہے۔ جیسے تم سنتے ہو۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا۔ کہ حضورؐ کے اپنے ارشادات اور عمل میں سماع موتیٰ صحیح ہے۔ پھر احادیث کو ٹھکرانا۔ اور ارشادات نبوت سے صریح انکار کرنا۔ کون سے ایمان کی دلیل ہے۔ اس مختصر میں اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا۔ تو ہم اس مسئلہ کو معہ عربی متن کے واضح تر کر دیتے لیکن صرف ترجمہ اُردو پر اکتفا کرتے ہوئے چند اور احادیث لکھ دیتے ہیں۔

پنجم۔ ذکر طبرانی نے اوسط میں اور ابن ابی الدنیا نے کتاب القبور میں یہ کہا کہ ابن عمرؓ نے ایک مرتبہ ہم اطرافِ بدر میں پھر رہے تھے۔ کہ ناگاہ ایک شخص ایک گڑھے سے نکلا۔ اور اس کی گردن میں ایک زنجیر تھی۔ پس پکارا اُس نے مجھ کو کہ اے عبداللہ پانی پلاؤ۔ اور ہم کو یہ نہیں معلوم کہ آیا وہ میرا نام جانتا تھا۔ یا موافق قاعدہ عرب کے اُس نے پکارا۔ پھر اسی گڑھے

سے ایک شخص اور نکلا۔ کہ اس کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ پس پکارا اس نے مجھ کو کہ اے عبداللہ اس کو پانی مت پلاؤ۔ اسواسطے کہ تحقیق یہ کافر ہے اور پھر مارا اس کو کوڑا یہانتک کہ پھر لے گیا اس کو اسی گڑھے میں پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ حال بیان کیا۔ پھر فرمایا آپؐ نے کہ تحقیق تُو نے اس کو دیکھا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ ہاں۔ پس آپؐ نے فرمایا۔ وہ ابوجہل دشمن خدا تھا۔ اور یہی عذاب اُس پر قیامت تک رہے گا۔ یہ واقعہ حضور علیہ السلام کے سامنے کا ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ جسطرح دنیا میں قیدی موقعہ پاکر بھاگنے کا قصد کرتا ہے۔ اور محافظ زندان پھر اس کو گرفتار کر کے لے جاتا ہے۔ اسی طرح ابوجہل نے بعد مرنے کے اپنی جگہ سے نکل بھاگنے کا قصد کیا تھا۔ مگر موکل عذاب پھر اس کو لے گیا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ بزبانی ابن عمر رضی اللہ عنہ ابن برائے نے روضہ میں لکھا ہے۔

(ششم) روایت کیا۔ ابو یعلی اور بیہقی اور ابن مندہ نے حضرت انس رضؓ سے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں اور نماز پڑھتے ہیں۔

ھفتم۔ روایت کیا ابونعیم نے کہ کہا جبیر نے کہ قسم ہے خدا کی کہ سوائے اس کے کہ کوئی خدا نہیں۔ میں نے ثابت بنانی کو قبر میں رکھا۔ اور میرے ساتھ حمید طویل تھے۔ پس جب میں نے قبر پر اینٹ کو برابر کیا تو ناگاہ ایک دوسری اینٹ گر پڑی۔ پس دیکھا میں نے کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور ان کا یہ قاعدہ تھا۔ کہ ہمیشہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ کہ اے اللہ اگر تُو نے کسی اپنی مخلوق کو قبر میں بھی نماز پڑھنا عطا

کیا ہے۔ تو یہ مجھ کو بھی عطا کر۔ پس اللہ کریم نے ان کی دعا کو رد نہیں فرمایا۔ اس روایت سے صرف سُننا اور بولنا ہی نہیں۔ بلکہ عملی طور پر نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔

ایسی بے شمار روایات حدیثوں کی کتابوں میں آتی ہیں۔ جن کو ضرورت ہو۔ مطالعہ کرے۔ اور خدا سے قبر کی زندگی کو بہتر بنا لینے کی توفیق مانگے۔ وہ اللہ کریم ہر مومن کو اعمال صالح و عقیدہ حقہ کی توفیق رفیق فرمائے گا۔ فقط



مسئلہ بزرگانِ دین اور ان کی قبور کے علاوہ انکی مستعملہ چیزوں کو وسیلہ حصولِ خیر و برکت سمجھنا۔

اس باب میں ہم رفع شکوک منکرین کے لئے ان دلائل کا ذکر کرینگے جن سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر بزرگانِ دین سے بذاتہ یا قبور بزرگانِ دین سے استعانت کرنا۔ تو درکنار۔ ان کی ان چیزوں کی عظمت کرنا (جو انہوں نے اپنی زندگی میں استعمال فرمائی ہیں۔) اور وسیلۂ حصولِ خیر و برکت ٹھہرانا جائز اور ان کے ذریعے سے حاجات کا بر آنا۔ اور مصائب سے نجات پانا ثابت ہوگا۔ ان دلائل کے لکھنے کی وجہ صرف یہ ہے۔ کہ فی زمانہ بد اعتقادوں نے عوام کے گمراہ کرنے کا یہ طریق اختیار کر رکھا ہے۔ کہ ہر اس چیز کو جو عوام اپنے لئے محبت اہل اللہ کے ماتحت شرعی طور پر مفید اور سود مند خیال کریں۔ بد عقیدہ لوگ ان کو شرک بیان کر کے چاہتے ہیں۔ کہ ان کے دلوں میں گمراہی کا ایسا بیج بویا جائے۔ جس سے یہ نیک اعتقاد نہ رکھ سکیں۔ کہیں قبروں کو عرب کے بتوں اور پتھروں سے تشبیہہ دی جاتی ہے۔ کہیں مشرکوں کی قبور والی حدیثیں بیان کر کے ایسی تقریروں پر زور دیا جاتا ہے۔ کہ عوام بیچارے جن کو احکام شرح سے واقفیت

نہیں ہوتی - اس قسم کی موٹی باتیں سن کر اس کو تسلیم کر لیتے ہیں - اور جادۂ ثواب سے بہک جاتے ہیں - بس ان کی یہ کیفیت ہو جاتی ہے کہ کیسے ہی بزرگ کا مزار ہو - یا ان کے تبرکات وہاں جانے کا تو کیا ذکر ہے - اگر کہیں اتفاقیہ اُس طرف سے گزر بھی ہو جائے - تو منہ پھیر لیتے ہیں - اور اُس مزار کی طرف دیکھنا بھی گناہ سمجھتے ہیں - اور یہ کچھ عوام پر ہی موقوف نہیں - بلکہ بعض خواصوں کے دلوں میں بھی یہ خیالات پیدا ہو گئے ہیں - کہ باوجود اہل اللہ سے نسبت بیعت ہونے کے بھی عقیدے میں اہل اللہ کے مخالف نظر آتے ہیں - اللہ تعالےٰ اس بدعقیدگی سے محفوظ فرمائے - اور نیک عقیدہ کی توفیق بخشے - الحدیث الاول فی الصحیحین او فی صحیح مسلم عن اسماء بنت ابی بکرؓ وفی بعض حدیثها فقالت هذه جبة رسول الله فاخرجت لی جبة طیالسة کسروانیة لها لبنة دیباج وفرجاها مکفوفتان بالدیباج فقالت فهذه کانت عند عائشة رضی الله عنها فلما قبضت قبضتها فنحن نغسلها للمرضی نستشفی بها - ترجمہ :- صحیحین یا صحیح مسلم میں اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے - کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جبہ تھا جس کا تانا ریشمی اور کناروں پر اُس کے ریشمی حاشیہ لگا ہوا تھا - پس وہ فرماتی ہیں - کہ یہ جبہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس تھا - اور بعد انتقال کے اُس کو میں نے لے لیا - اور اس جبہ کو ہم مریضوں کو دھو کر پلاتے ہیں - اور اس کے وسیلہ سے شفا چاہتے ہیں -

الحدیث الثانی فی جمع الصحیحین للحمیدی عن عبد اللہ بن موھب قال ارسلنی اھلی الی ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقدح من ماء فجاءت بجلجل من فضۃ فیہ شعر من شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکان اذا اصاب الانسان عین اوشئی بعث بانا ء الیھا فخضخضت لہ فشرب منہ فاطلعت فی الجلجل فرایت شعرات حمرا۔ ترجمہ:۔ حمیدی نے جمع الصحیحین میں عبد اللہ بن موہب سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ میری بی بی نے مجھ کو ایک برتن میں پانی لے کر ام سلمہ زوجۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ پس لے آئیں وہ ایک چاندی کی ڈبیہ جسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک تھا۔ اور لوگوں کا یہ معمول تھا۔ کہ جب کسی کو نظر بد لگتی تھی۔ یا اور کچھ ہوتا تھا۔ تو اُن کے پاس برتن بھیجتے تھے۔ اور وہ اسمیں بال کو حرکت دیتی تھیں۔ پس جھانکا مَیں نے اُس ڈبیہ کو۔ تو میں نے اُس میں چند بال سُرخ دیکھے۔ ان دونو حدیثوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ و بال مبارک کو حصولِ صحت کے لئے ذریعہ کرنا جائز نہ ہوتا۔ تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور دیگر عوام ہرگز ایسا نہ کرتے۔ اور نہ صحت پاتے۔ الحدیث الثالث فی الجمع بین الصحیحین ایضا عن سھل بن سعد فی البردۃ التی استوھبھا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلامہ الصحابۃ علی طلبھا منہ وکان لابسھا فقال انما سالتہ ایاھا لیکون کفنی وفی روایۃ ابی غسان انہ قال حین لامو ہ رجوت برکتھا حین لبسھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلی اکفن بھا

ترجمہ:- اُسی جمع بین الصحیحین میں سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک مخطط چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگ لی جو آپ کے مصرف میں تھی۔ پس صحابہ نے ان کو اس فعل پر ملامت کی۔ تو انہوں نے کہا کہ مَیں نے اس کپڑے کو اس واسطے لیا ہے۔ کہ مَیں اس سے اپنا کفن بناؤں۔ اور بعض روایت میں یوں ہے۔ کہ جب صحابیوں نے ان کو ملامت کی۔ تو اُنہوں نے یوں کہا۔ کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پہنتے ہیں۔ اس واسطے میں نے اس کو بامید برکت مانگ لیا ہے۔ اور میں اس کا کفن بناؤں گا۔ اس روایت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر وہ چادر ذریعہ بہبودئ آخرت نہ ہوتی۔ تو حضرت سہل بن سعد اس کا کفن کیوں بناتے۔ اُنہوں نے باوجود صحابی ہونے کے اُس کپڑے کو اچھا ذریعۂ نجات سمجھ کر کفن بنانے کا قصد کیا۔ تو اگر ہم لوگ بھی اس قسم کی متبرک چیزوں کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھیں۔ تو کچھ بے جا نہیں۔ فقیر نے اپنے سفر حج میں مدینہ منورہ پہنچکر ایک اولعزم بزرگ کو دیکھا ہے کہ وہ اُحد پہاڑ کے چند پتھر اُٹھاکر اپنے ساتھیوں کو یہ ارشاد فرما رہے تھے۔ کہ جب میں مروں۔ تو یہ پتھر میرے کفن میں رکھ دینا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ جبل اُحد جنت کے رکنوں میں سے ہے۔ ممکن ہے انہی پتھروں کی برکت سے حول قبر سے نجات پاؤں اور عذاب سے محفوظ رہوں۔ برخلاف اس کے مولوی ملتانی صاحب ایسے تمام اعمال کو شرک سے تعبیر کرتے اور منع گردانتے ہیں۔ الحدیث الرابع وفی صحیح مسلم وغیرہ عن انس قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والحلاق یحلقہ وطاف بہ اصحابہ فما یریدون

ان تقع شعرۃ الا فی ید رجل منھم۔ ترجمہ:۔ صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ کہ جب آپ سر کے بال ترشواتے تھے۔ تو اصحاب آپ کے گرد جمع رہتے تھے۔ اور سب بالوں کو اٹھا لیتے تھے۔ الحدیث خامس فی صحیح مسلم من باب الحلق قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ للحلاق الحلق فحلقہ فاعطاہ ابا طلحۃ فقال اقسمہ بین الناس ای شعرہ الشریف۔ ترجمہ:۔ صحیح مسلم کے باب خلق میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجام کو سر کے بال تراشنے کو فرمایا۔ پس جب حجام نے سر کے بال تراشے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب بال ابو طلحہؓ کو دے دیئے۔ اور فرمایا کہ یہ سب بال لوگوں میں تقسیم کر دینا۔ الحدیث السادس فی البخاری ان انس بن مالک خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصی ان ندفن معہ شعرات للنبیؐ معہ۔ ترجمہ:۔ بخاری میں ہے۔ کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو بال مبارک تھے۔ ان کی نسبت حضرت انسؓ نے یہ وصیت فرمائی تھی۔ کہ وہ موئے مبارک ان کے ساتھ قبر میں دفن کئے جائیں۔ الحدیث السابع روی الامام احمد فی المسند قال حدثنی یحیی بن یمان عن حسن بن صالح عن جعفر بن محمد قال کان الماء یستنقع فی جفون النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین غسلوہ بعد موتہ وکان علیؓ یحسوہ۔ ترجمہ:۔ امام احمد نے مسند میں روایت کیا ہے۔ کہ حدیث بیان کی مجھ سے یحییٰ بن یمان نے حسن بن صالح

سے کہا انہوں نے کہ کہا جعفر بن محمد نے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد انتقال کے غسل دیا گیا۔ تو غسل کا پانی ایک کاسۂ بزرگ میں جمع کیا گیا تھا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اس کو پیا تھا

الحدیث الثامن روی القاضی عیاض فی الشفا۔ انہ کانت فی قلنسوۃ خالد بن الولید شعرات من شعرہ صلی اللہ علیہ وسلم فسقطت قلنسوۃ فی بعض حربہ فشد علیہا شدۃ انکر علیہ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کثرۃ من قتل فیہا فقال لم افعلہا بسبب القلنسوۃ بل لما تضمنتہ من شعرہ صلی اللہ علیہ وسلم لئلا اسلب برکتہا وتقع فی ایدی المشرکین

ترجمہ:۔ مکمل روایت کی فی اسد الغابہ وفتوح الشام وحاکم وغیرہم و عبارت شفا قاضی عیاض کی یوں ہے۔ کہ خالدؓ بن ولید کی ٹوپی میں چند موئے مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے۔ کہ جنگ یرموق میں حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی وہ ٹوپی گُم ہو گئی۔ اور وہ عین اسوقت جبکہ میدان کارزار گرم ہو رہا تھا۔ اپنی ٹوپی ڈھونڈھنے میں مشغول ہو گئے۔ لوگوں نے ایسے حال میں جبکہ مسلمانوں کی موت وحیات کا سوال درپیش تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے اس ٹوپی کی تلاش میں لگ جانے کو ناپسند کیا۔ لیکن وہ اسی ٹوپی کی تلاش میں لگے رہے۔ بالآخر ان کو ٹوپی مل گئی۔ تو انہوں نے اپنے آپ کو مطمئن پا کر بیان کیا۔ کہ میری اس ٹوپی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کے بال ہیں۔ جو کہ آپ ایک دفعہ عمرہ بجا لانے کو تشریف لے گئے تھے۔ اور سر مبارک کے

بال اُترواے تھے۔ اس وقت ہم میں سے ہر ایک شخص بال لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔ تو میں نے بڑھ کر پیشانی مبارک کے بال حاصل کر لئے۔ اور اس ٹوپی میں سی رکھے ہیں میں اس ٹوپی کو اسلئے ڈھونڈھ رہا تھا۔ کہ یہ ٹوپی جس جنگ میں میرے سر پر ہوتی رہی ہے۔ میں اُس جنگ میں ضرور فتحیاب ہوتا رہا ہوں اسی طرح بیہقی نے بھی نقل کیا ہے۔ پس اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر موئے مبارک ذریعہ حصولِ مقاصد کا نہ ہوتے۔ تو خالدبن ولید ان کو لڑائیوں میں اپنی ٹوپی میں نہ رکھتے۔ ہر گاہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرت کے موئے مبارک کی عظمت کرتے تھے۔ اور اپنے مقاصد دینی و دنیوی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اور اگر موئے مبارک کا رکھنا باعث خیر و برکت اور ذریعہ بر آنے حاجات دینی و دنیوی کا نہ ہوتے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اصحابیوں میں تقسیم نہ فرماتے۔ اور نہ وہ لوگ حضور کے بال مبارک اس کوشش سے حاصل کرتے۔ اور نہ اپنے ساتھ قبروں میں دفن کرنے کی وصیت فرماتے اُن حضرات کو باوجود صحابی ہونے کے بھی اگر ایسی چیزوں سے برکت حاصل کرنے کی حاجت تھی۔ تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہو گیا۔ کہ ہر گاہ جب اس کثرت سے موئے مبارک لوگوں کے پاس تھے۔ تو کیا عجب ہے۔ کہ کچھ ان میں سے یکے بعد دیگرے زمانہ سلطنت اسلام کے ساتھ ہندوستان میں لوگوں کو بھی پہنچے ہوں۔ جو بعض مقامات پر دیکھے گئے ہیں۔ پس اگر کوئی شخص کوئی روز معیّن کر کے ان کی زیارت کرائے۔ اور ہر مسلمان جس کو اپنے پیغمبر علیہ

السلام سے محبت ہے۔ چاہیے کہ اس کی زیارت کرے۔ تاکہ اُس کو خیر و برکت حاصل ہو۔ تو موجب ثواب ہے۔ جن لوگوں کا دل ایسی مقدس چیزوں کو دیکھنے کو نہیں چاہتا۔ وہ اپنی طبعی نفرت کو چھپانے کیواسطے انواع و اقسام کے حیلے پیش کیا کرتے ہیں۔ اور اس حدیث کے مصداق ہوتے ہیں۔ جو ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ اپنا ایک بال مبارک ہاتھ میں لئے فرما رہے ہیں۔ کہ جس نے میرے ایک بال کی بھی بے ادبی کی۔ اُس پر جنت حرام ہے۔

سند المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب مسمیٰ بہ دُر الثمین فی مبشرات النبی الامین کی پندرھویں حدیث کے ضمن میں سرکار دو جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کے بالوں کا یوں ذکر فرماتے ہیں۔ کہ مجھے میرے والد بزرگوار حضرت شیخ محدث شاہ عبد الرحیم دہلوی قدس سرہ العزیز نے بیان فرمایا۔ کہ میں ایک وقت بیمار ہُوا۔ تو سرکار دو جہاں سرور کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ تو آپ نے میرا حال دریافت فرمایا۔ اور صحت و تندرستی کی بشارت فرمائی اور مجھ سے وضو کے لئے پانی طلب فرمایا۔ پھر بعد وضو سے فراغت فرمانے کے ریش مبارک میں کنگھی فرمائی۔ اور کنگھی سے ریش مبارک کے نکلے ہوئے دو بال مجھے عنایت فرمائے۔ پھر جب میں نیند سے بیدار ہُوا۔ تو بالکل تندرست تھا۔ اور وہ دونو بال مبارک میرے ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ ایک والد بزرگوار نے مجھے مرحمت فرمایا۔ جو

ابتک میرے پاس موجود ہے۔ اور ایک اپنے پاس بطور تبرک رکھا سبحان اللہ وہ کونسا وجود تھا۔ جو آنکھوں میں بغیر بوجھ کے آ گئے۔ اور وجود مقدس کے ساتھ آنے کا ثبوت اپنے بال مبارک دے جائے۔ اس مقام کو کوئی نا اہل کیا سمجھے۔ اس حقیقت سے آگاہی اہل اللہ اور عاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی رکھتے ہیں۔ جن نا اہلوں کو تبرکات و آثار اور متبسات کا دیکھنا ہی بار ہو۔ وہ ذاتِ مطہر نبی الانبیاء کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ جب کسی کو کسی شخص سے محبت ہوتی ہے۔ تو وہ اس کے آثار و متبسات سے بھی محبت رکھتا ہے۔ اور جو شخص کسی کے آثار و متبسات سے محبت نہ رکھے تو یہ اس شخص سے عدم محبت کی دلیل ہے۔ جس کے وہ آثار ہیں۔ اور توسل اور تبرک بہ آثار انبیاء و صالحین دین کا شعار قدیم اور کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ اور ان کو نظر عظمت و تقدس سے نہ دیکھنا یا ان کی تحقیر کرنا موجب نزول قہر الٰہی ہوتا ہے۔ تمام مومنوں کو نفس پرستی چھوڑ کر عقیدۂ حقہ پر کاربند ہو جانا چاہیئے۔ اور یہ جو شرک کی مشینیں ہر نیک کام پر شرک کے فائر کرتی رہتی ہیں۔ ان کا شرک اُن ہی کو لوٹا کر انہی اعمال صالح کا عامل بننا چاہیئے۔ جن پر متقدمین رحمہم اللہ گذر گئے ہیں۔

فقط

مسئلہ میلاد النبی علیہ السلام

مثل مشہور ہے۔ نیت بد را بہانۂ بسیار۔ جس کام کو بُرا کہنے یا کہلانے کی غرض ہو۔ اس کیلئے بعض لوگ ہیر پھیر کر کے اپنا مطلب پورا کر لیتے ہیں۔ اور دوسرے پر اعتراض کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکال لیتے ہیں۔ یہی وطیرہ مولوی ملتانی صاحب نے بھی کتاب مراسم المرتحلیں میں مسئلہ میلاد النبی علیہ الصلوات والسلام کے متعلق اختیار کیا ہے۔ یعنی غور کیا جائے۔ تو بظاہر میلاد النبی علیہ السلام کا مُردوں کے مسائل سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اور مولوی صاحب کا مقصود اس کو بھی اسی کتاب میں حرام کہنے کا ضرور تھا۔ لہذا اس پر حرمت کا فتوےٰ دینے کے لئے ایک لایعنی سوال پیدا کر کے اور اس کا جواب لکھ کر اپنے عقیدہ میں اس مسئلہ پر بھی جوش دکھا ہی دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

سوال ۔ اگر چالیسویں وغیرہ پر مولود شریف کرا دیا جائے تو کیا حرج ہے۔ پھر جواب دیتے ہیں۔ اگر مولود شریف سے مُراد یہ رواجی مولود ہے۔ جسمیں سریلی آوازوں سے گانا اور گانیوالوں کا اکثر و بیشتر حصہ بے نماز مخالف شرع ہونا اور موضوع و منکر روایتوں کا بیان کرنا اور پھر درمیان میں کھڑا ہو جانا۔ فضول روشنی و اسراف وغیرہ ہوتا ہے۔ تو شرعاً ایسا مولود ناجائز و بدعت ہوتا ہے۔ صفحہ ۱۰۱

پھر جو حوالہ جات دیئے ان میں صحیح طور پر مولود شریف کرنے اور

کرنیوالوں کی تخصیص کے بغیر اپنے مشرب اور عقیدہ کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے۔ جن سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مولوی صاحب نہ رواجی مولود کے قائل ہیں۔ اور نہ اصل کے۔ محض مغالطہ دہی سے پہلے کے لئے دو سطروں میں یہ لکھ دیا ہے۔ کہ اگر مولود شریف سے مراد تذکرہ ولادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے حالات اور سیرت مبارکہ بیان کرنا مراد ہے۔ تو وہ ہر وقت مطلوب ومقصود مومن ہے۔ اور اس کی تشریح نہ کرتے ہوئے ایسی چپ سادھ گئے۔ کہ جواز کا ایک لفظ بھی نہیں لکھ سکے۔ ہاں اگر لکھا ہے۔ تو یہ کہ اس میلاد کو باطل پرستوں نے ایجاد کیا۔ اور خواہشات نفسانی کے باعث بیٹوں نے رواج دیا۔ شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ بلکہ وہ بدعت اور عبراطریقہ ہے۔ محفل میلاد نہ منعقد کی جائے۔ کہ یہ محدث ہے۔ اور ہر محدث گمراہی اور ہر گمراہی آگ میں ڈالی جائے گی۔ ایک جگہ شامی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ بدترین کام مولود پڑھنے کی نذر ماننا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس پر طرہ یہ کہ لگے ہاتھوں محفل میلاد میں قیام کرنے کے مسئلہ پر بھی کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آئے۔ اور تحفۃ القضاۃ کا حوالہ دے کر یہ الفاظ سپرد قلم کر گئے ہیں۔

"کہ مولود میں قیام کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ روح مبارک حاضر ہو گئی ہے۔ ان کا یہ گمان باطل ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ شرک ہے۔"

ان عبارات سے مولوی صاحب کا اندرونی حال اور مخفی عقیدہ ظاہر ہو گیا ہے۔ کہ جب وہ ایسے عمل کے متعلق عقیدہ رکھنا بھی شرک سمجھتے ہیں۔

اور مولود شریف پڑھنے کی نذر ماننا بدترین کام جانتے ہیں۔ تو بتائیے مولود شریف کا وہ کونسا پہلو ہے۔ جس کو اس عبارت کے لحاظ اور مولوی صاحب کی منطق کی رو سے مستثنےٰ سمجھا جائے۔ حقیقت حال یہ ہے۔ کہ ان کے نزدیک رواجی ہو یا اصلی جس مجلس پر مجلس میلاد کا نام آ جائے گا۔ وہ ناجائز اور بدعت ہو گی۔ تو بتائیے یہ اصلی میلاد کس جانور کا نام ہے۔ اور اگر مولوی صاحب کے زعم میں اصلی میلاد تذکرہ ولادت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی سیرت مبارکہ کے حالات ہیں۔ تو جب بھی جس مجلس میں یہ حالات پیش کئے جاویں گے وہی محفل میلاد ہو جاوے گی۔ یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ کہ مسلمانوں کی طریق کار پر عمل نہ کرتے ہوئے اپنے تعصب میں مولوی صاحب چراغاں اور عطریات وپھولوں کا انتظام اور شیرینی وغیرہ کا اہتمام نہ کریں۔ اور یہ سمجھ لیں۔ کہ میں محفل میلاد میں شامل نہیں ہوں۔ ورنہ فعل وہی ہے تو یہ وہی مثل ہو گی۔ جیسے کوئی کہے۔ یہ دھوپ نہیں۔ بلکہ سورج کی روشنی ہے۔ افسوس کہ یہ اتباع سُنت کے مدعی اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے۔ کہ ایک شخص نے ادائیگی نماز کی سنت عام لباس کے ساتھ فرشی زمین پر ادا کر لی ہے۔ تو بھی وہی بات ہے۔ اور اگر ایک نے عمدہ لباس کیساتھ جائے نماز بچھا کر ادا کر لی تو بھی وہی۔ مگر دوسرے نے اس اہتمام کے ساتھ کرنے میں کونسا گناہ کیا ہے۔ جو وہ مورد عتاب ہو رہا ہے۔ آپ تذکرہ ولادتِ سرکارِ رسالتِ مآبؐ اپنی خشک طبعی کے ماتحت بغیر اہتمام کے کریں۔ تو بھی وہ محفل میلاد مبارک ہی ہو گی۔ اور اگر ایک شخص نے اپنے عشق کے ماتحت مجلس کو اور مسجد کو معطّر کر کے کیا۔ تو بھی محفل میلاد مبارک

اسمیں بدعت اور حرام ہونا کہاں سے آگیا۔ اور کیا صرف خلوص وعشق کے باعث کرنے سے اس کو شرک کہا جائے گا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دین کا کوئی کام عشق ومحبت میں اہتمام کیساتھ کرنا مولوی صاحب کے نزدیک بدعت ہے۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں۔ کیونکہ انکے نزدیک بھی مولود اصلی تو جائز ہے ہی۔ خواہ اس کا عملی وجود کوئی نہ ہو۔ اور محض لوگوں کو اپنی خدا پرستی کا چکمہ دے کر اور محبت نبی علیہ السلام جتا کر اعتبار جمایا گیا ہو۔ اسلئے کہ اصلی میلاد بہ نہ کریں۔ اور رواجی کے قائل نہیں۔ کہ بدعت ہے۔ اگر یہی بدعت مزعومہ ہے۔ تو لیجئے متقدمین اسلام کی محبت پر ایک منصفانہ نظر ڈالیئے۔ آپ کا مغالطہ رفع ہو جائے گا۔ کہ اُنہوں نے اپنے عمل سے کیونکر اسے جائز مستحسن اور ثواب دارین بیان فرمایا ہے۔ ہاں اگر آپ کی کج نگاہی اس امر کی مقتضی ہے۔ کہ وہ بھی نعوذ باللہ بدعتی تھے۔ تو آپ کے اس اسلام کو ہمارا دور سے ہی سلام ہے۔ جو محبت وعشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسائل کو بدعت اور اختیار کرنے والوں کو مبتدع قرار دے۔ شعر۔

عجب دیوانگی چھائی ہے عقلِ اہلِ دُنیا پر ۔۔۔ جو دانائے جہاں ہو اُسکو یہ دیوانہ کہتے ہیں

لیجئے مسئلہ میلاد النبی علیہ السلام اور مسئلہ قیام فی المجالس سُنئے۔ اور خدائے واحد توفیق عطا فرمائے۔ تو عمل بھی کیجئے۔ ورنہ بندگان خدا کو حق سے نہ پھیریئے۔

رب العزت جل جلالہٗ نے فرمایا ہے۔ واذکرو نعمۃ اللہ علیکم۔ یعنی اللہ کریم کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اور ظاہر ہے۔ کہ مولا کریم کی تمام نعمتوں سے بڑھ چڑھ کر اگر کوئی نعمت از روئے ایمان ودیانت اور تقوے

ہوسکتی ہے۔ تو وہ صاحبِ لولاک سیاح ہفت افلاک نبی پاک علیہ الصلوات والتحیات کی ذاتِ مطہر ہی ہے۔ کیونکہ انسان کو بیشمار انعامات فرما کر اللہ کریم نے کسی نعمت کے متعلق یہ نہیں فرمایا۔ کہ میں نے یہ نعمت انعام کرنے سے تم پہ کچھ احسان فرمایا ہے۔ بلکہ صرف ذاتِ نبی مکرم اور حضورؐ کی نبوت ہی وہ انعام ہے۔ جس پر ارشاد ہوتا ہے۔ لقد من اللہ علی المومنین اذ ابعث فیھم رسولاً من انفسھم۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا۔ کہ ان کا رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحب محدث دہلوی اس آیت کا ترجمہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ ہر آئینہ نعمتِ فراواں داد خدا بر مومناں آں گاہ کہ فرستاد درمیاں ایشاں پیغامبرے از قوم ایشاں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری علیہ الرحمتہ ایک دوسری آیت کریمہ کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ان تعد وانعمتہ اللہ لاتحصوھا یعنی اگر شمار کرو تم اللہ کی نعمتوں کو نہ گن سکو۔ اس سے مراد حضرت محمدؐ رسول اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ آپ ہی وہ نعمت عظمےٰ ہیں۔ جس کے منافع و فوائد حاصل شدہ بے شمار ہیں۔ اسلئے کہ آپ رحمت للعالمین ہیں۔ اور زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب کچھ حضورؐ کی طفیل وجود میں آیا ہے۔ تو پھر اُس کی شمار کس طرح ہو۔ حضرت سعدی علیہ الرحمتہ تفسیر آیت کریمہ یعرفون نعمتہ اللہ ثم ینکرونھا۔ میں فرماتے ہیں۔ کہ نعمت اللہ حضور علیہ السلام ہیں۔ جن کو بنی جانتے ہوئے معجزات باہرہ دیکھ کر کفار انکار کرتے ہیں۔ پھر سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ الذین بدلوا نعمتہ اللہ کفراً کا مطلب یہ

ہے۔ قال ھم واللہ کفار قریش محمدؐ نعمۃ اللہ تعالےٰ۔ یعنی اللہ کی قسم وہ لوگ نعمت اللہ سے ناشکری کرنے والے کفار قریش ہیں۔ اور نعمت اللہ کی محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہو گیا۔ کہ حضور علیہ السلام نعمت اللہ۔ اور سب سے بڑی نعمتِ اللہ ہیں۔ تو پھر قرآنِ کریم کے ارشاد کے ماتحت آپ کا ذکر کرنا مومنوں کے لیئے واجب و لازم ہو گیا۔ اب رہی یہ بات کہ یہ ذکر کیونکر کیا جائے۔ اور موجودہ زمانہ میں جو ذکر حضور علیہ السلام کا طریق مرّوج ہے۔ وہ بقول معترضین بدعت کیوں ہوا۔ جبکہ متقدمین اسلام علیہ الرحمۃ والرضوان سے اس ذکر کرنے کی مختلف صورتیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے ہند ابن ابی ہالہ سے حضور علیہ السلام کے حلیہ شریف کے متعلق سوال کیا۔ کیونکہ رکان وصافاعن حلیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی وہ بہت وصف کیا کرتے تھے۔ وانا اشتھی ان یصف لی شیئا اتعلق بہ۔ اور میں چاہتا تھا۔ کہ مجھے حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصف سنائیں۔ اور میں اُس سے دل لگاؤں۔ پس ہند ابن ابی ہالہ نے وصف بیان کیا۔ یہ ایک طویل حدیث شمائل میں مذکور ہے۔ اسی طرح ابو عبیدہ نے مسماۃ ربیع صحابیہ سے حضورؐ کا وصف سُنا۔ اور ابو اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ جو ایک جلیل القدر تابعی ہیں۔ اور صحابیات سے وصف رسول اللہ سُنتے ہیں۔ اور وہ بڑے ذوق اور عشق سے بیان فرماتی ہیں۔ یہ تذکرہ میلاد کی ایک صورت ہے۔ کہ ایک شخص نے ایک سے سُنا اور انفرادی طور پر وصفِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا گیا۔ اب دوسری صورت ملاحظہ ہو۔ کہ حضور علیہ السلام جب غزوہ تبوک سے واپس

تشریف لائے۔ تو پہلے مسجد میں اجلاس عام فرمایا۔ جیسا کہ کعب ابن مالک نے صحیح میں روایت کی ہے۔ پھر حضرت عباس ابن عبد المطلب نے وصف کی اجازت چاہی۔ تو آپ نے دعا خیر فرما کر ان کو اجازت بخشی اور اُنہوں نے یہ اشعار پڑھے :-

من قبلها طبت فی الظلال وفی — مستودع حیث یخصف الورق
ثم ھبطت البلاد لا بشر — انت ولا مضغۃ ولا علق
بل نطفۃ ترکب السفین وقد — الجم نسراً واھلہ الغرق
تنقل من صالب الی رحم — اذا مضی عالم بدا طبق
وردت نار الخلیل مکتتما — فی صلبہ انت کیف یحترق
حتی احتوی بیتک المھیمن من — خندف علیھا تحتھا النطق
وانت لما ولدت اشرقت الارض — وضاءت بنورک الافق
فنحن فی ذالک الضیاء وفی — النور وسبل الرشاد نخترق

ترجمہ :- یعنی آپ قبل ولادت شریف صلب آدم علیہ السلام میں ایک عمدہ حالت میں تھے۔ جہاں پیوند لگائے جاتے تھے۔ یعنی جنت میں پھر زمین پر اُترے۔ نہ اُس وقت آپ بشر تھے۔ نہ گوشت کا ٹکڑا۔ اور نہ خون جما ہُوا۔ بلکہ صلب سام بن نوح میں آپ ایک نطفہ تھے سوار کشتی میں۔ اس حالت میں آپ نے بت نسر کو ڈبویا۔ اور اس کے پوجنے والوں کو طوفان میں غرق کیا۔ آپ منتقل ہوتے رہے۔ ایک پشت سے ایک رحم میں۔ حتیٰ کہ ایک عالم گذرنے کے بعد دوسرا طبقہ ظاہر ہُوا۔ اور آپ صلب خلیل میں چھپے ہوئے آتش میں داخل ہوئے۔ پھر وہ کس طرح جلتے۔ پھر آپ اصلاب کریمہ میں

منتقل ہوتے رہے۔ یہانتک کہ آپ کا بلند نسب اولاد خندف اشرف نسب میں شامل ہُوا۔ کہ بیچ اس کے اور طبقات بھی تھے۔ اور جب آپ دنیا پر تشریف لائے۔ یعنی پیدا ہوئے۔ تو آپ کے نور سے زمین چمک گئی۔ اور اطرافِ شام روشن ہو گئے۔ اور اب ہم اس روشنی اور نور میں ہدایت کے رستوں پر چل رہے ہیں۔ یہ دوسری صورت مجمع عام میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذکر میلاد کرنے کی ہے۔ اور اس میں کسی اور وعظ کا کوئی موقع و محل نہیں۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایک مجلس میں تذکرہ ولادت حضور علیہ السلام جُداگانہ اور بالوضاحت جائز اور فعل صحابہ رضوان علیہم اجمعین ہے۔ تیسری صورت خود نبی مکرم فخر اولاد آدم صاحبِ خیر الامم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام مسلمانوں کے سامنے اپنی مقدس ولادت اور نبوت اور زندگی کے ہر پہلو کو بیان فرمانا ہے۔ جو کتب احادیث سے بحدِ تواتر ثابت ہے۔ جس سے معترضین کی صریح تردید ہوتی ہے۔ اور خدا کا شکر ہے۔ کہ میلاد النبی کے ذکرِ پاک کی تینوں صورتیں ہمارے عقیدہ حقّہ اہل سنت والجماعت کی تائید میں ہیں پھر بھی معترضین کا یہ کہنا کہ یہ متقدمین سلفِ صالحین۔ صحابہ و تابعین سے ثابت نہیں۔ یاوہ گوئی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ کیونکہ موجودہ مجالس میں جو تذکرہ ولادت کا رواج ہے۔ یہ اسی اصل کی ایک صورت ہے۔ مثلاً پاک و مصفّا مکان یا مسجد میں انعقاد مجلس کرنا۔ علماء و صلحاء و قراء و حفاظِ قرآن کو اس مجلس میں دعوت دینا۔ عطر۔ پھول لوبان۔ الائچی وغیرہ سے مجلس کو مہکانا۔ گلدستے لگانا۔ قرآن کریم پڑھنا۔ درود شریف کی کثرت کرنا۔ اور حضور علیہ السلام کا ذکرِ پاک حضورؐ کے نور کی

پیدائش سے شروع کر کے مع حالات و واقعات حیاتِ طیبہ سامعین کو نظم و نثر میں سُنانا اور محبّین و عاشقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر زندگی گزارنے کی دعوت دینا۔ اور پھر حضور علیہ السلام پر بوقت اختتام ذکرِ مقدس سلام پڑھنا اور تعظیم کیلئے کھڑا ہو جانا۔ اور دعائے فاتحہ بالخیر مانگنا۔ اور شیرینی بعد ایصال ثواب روح پُر فتوح محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں تقسیم کرنا۔ اور اس سب کچھ کے کرنے میں حصول محبت رب العزت جل شانہ اور رسول کریم علیہ السلام کی غرض رکھنا۔ کس طرح متقدمین اسلام کے خلاف ہو سکتا ہے۔ جب حرمین شریفین اور تمام ممالک اسلامیہ میں اسی طریق میں میلاد النبی کی محافل ہوتی ہیں اور تمام دنیائے اسلام کے علمائے کاملین اور فضلائے صالحین عرب و عجم، مصر و اندلس۔ روم و شام۔ ہند و سندھ کا اسی ہئیت کذائیہ پر اتفاق و اجماع ہے۔ جس کا ماننا اربعہ اولہ میں فرض ہے۔ اس پر بھی معترضین کی یہ نکتہ چینیاں اور کفر فشانیاں موجب تعجب ہیں۔ کہ اگر ذکر الٰہی اور ذکر رسول الٰہی ان کے نزدیک بدعت و حرام ہے۔ اور کرنیوالے مبتدع۔ فاسق۔ فاجر اور مشرک ہیں۔ تو یہ لوگ کس اسلام کو لئے پھرتے ہیں۔ اور اس ذکر کے سوا ان کی زندگیوں کی غرض و غایت کیا ہے۔ مولا کریم ان کو ہدایت فرمائے۔ اور توفیق بخشے کہ یہ ذکرِ خدا جلشانہ اور ذکر محبوبِ خدا علیہ السلام کو اپنی حیات مستعار کا نصب العین اور شعار سمجھ سکیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ثبوتِ میلاد النبی میں کچھ دلائل ذکر کر کے معترض کے جوشِ عقیدت کو ٹھنڈا کر دیا جائے۔ ممکن ہے۔ حق کو حق دیکھکر اپنا عاقبت کا رستہ صاف کر لیں

مگر مسئلہ میلاد النبی علیہ السلام کے دلائل کو پیش کرنے سے قبل یہ بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ مولوی صاحب کی اس تاریخ دانی کا بھی جواب عرض کر دیا جائے۔ جو اُنہوں نے ابتدائے میلاد شریف کے متعلق اپنی کتاب میں ظاہر فرمائی ہے۔ اور دو بزرگوں پر ناجائز فتویٰ دیدیا ہے۔ ص۱۰۱ پر لکھا ہے:۔

"کہ اس کو ابوسعید ابن الحسن علی بکتگین ملقب بہ عمر بن محمد نے ایجاد کیا۔ اور اس کو ملک ابن المظفر بن زین الدین گورنر اربل متصل موصل نے رواج دیا۔ اور یہ دونو فاسق اور بدعتی تھے (قرۃ العیون)

اس حوالہ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ مولود شریف کرنے کے متعلق مولوی سنبھلی ملتانی صاحب کا عقیدہ کیا ہے۔ اور کرنے کرانے والوں کو کن الفاظ میں یاد کرتے ہیں۔ بلکہ ان کی اس دو رنگی پر افسوس سے کہنا پڑے گا۔ شعر۔

عجب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

اگر یہی تاریخی معلومات تھیں۔ تو اس علّامگی اور ہمہ دانی کے اظہار کی ضرورت کیا تھی۔ کہ دو نیک مردوں کے متعلق یوں زبان طعن کھولکر اپنی بھڑاس نکالی۔ ہاں اس تاریخ دانی سے قبل آپ کی حقیقتِ علمیت تو آشکارا ہو ہی گئی تھی۔ اب حقیقتِ حنفیت بھی ظاہر ہو گئی۔ گویا اس پردہ میں میلاد کرنے والوں کو کوسنا اور اپنی تنگدلی کا ثبوت دینا مقصود تھا۔ ورنہ حقیقتاً یہی دو انسان جن کو ابتدائے تذکرہ مولود لکھنے اور کرنے پر فاسق اور بدعتی کہا گیا ہے۔ وہ آپ سے ہی نہیں۔ بلکہ آپ جیسے بیشمار مذبذبین بین ذالک

سے اچھے اور دیندار تھے۔ اور یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا۔ کہ اگر بقول آپ کے فاسق اور بدعتی تھے۔ تو اُن پر آپ جیسے لاکھوں مُوحد قربان ہوں جن کو تمام عمر میں سوائے اسلام دشمنی کے اور کچھ حاصل ہی نہیں ہُوا۔ دیکھئے جن کو آپ نے گلا پھاڑ پھاڑ کر فاسق اور بدعتی کہا ہے وہ متقدمین اسلام کی نظروں میں کیا تھے۔ علامہ زرقانی شارح مواہب نے علامہ ابن کثیر کو تاریخ سے ملک ابو سعید بن المظفر کے متعلق نقل فرمایا ہے۔ کان شہما شجاعا بطلا عاقلا عادلا محمود السیرۃ۔ یعنی وہ بادشاہ تھا۔ بہادر۔ جواں مرد۔ دلیر۔ عقلمند۔ منصف۔ اس کی عادت اور خصلت کی تعریف کی گئی ہے۔ اس بادشاہ کی دینداری کا یہ ثبوت ہے۔ کہ ذکرِ خدا اور ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلیں منعقد کیا کرتا۔ اور ہر سال اس محفلِ میلاد پر مبلغ تین لاکھ اشرفی خرچ کر دیا کرتا تھا۔ اس کے زمانہ میں ایک عالم اجل ابو الخطاب بن وحیہ جو حضرت وحیہ کلبی صحابی کی نسل سے تھے۔ جن کے متعلق علامہ زرقانی نے لکھا۔ کہ وہ علم حدیث میں بڑا مبصر۔ پختہ کار۔ علم نحو۔ لغت و تاریخ عرب میں کامل اور تمام بلاد اسلامیہ کی سیر کئے ہوئے تھا۔ ۶۰۴ھ ہجری میں وہ اربل میں وارد ہُوا۔ اور سلطان ابو سعید مظفر کی صحبت پا کر اس کیلئے صرف مولود شریف کے مسئلہ پر ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر رکھا۔ اور خود اس کے سامنے پڑھ کر مبلغ ایک ہزار اشرفی انعام میں پائی۔ بہت سی کتب معتبرہ میں ان دو نو حضرات کی تعریف و توصیف درج ہے۔ مگر منکرین مولود محض اس وجہ سے کہ اس نے ابو سعید مظفر کیلئے مولود شریف کی کتاب لکھی اور ابو سعید میلاد کرایا کرتا تھا۔ بُرا

جانتے ہیں۔ اور بُرائی لکھتے ہیں۔ حالانکہ علامہ جلال الدین سیوطی نے فتویٰ الحسن المقصد میں لکھا ہے۔ احدثہ ملك عادل عالم وقصد بہ التقرب الی اللّٰہ عزوجل وحضرن عندہ فیہ العلماء والصالحون من غیر نکیر۔ یعنی عمل محفل مولود شریف کو ایک بادشاہ عادل عالم نے جاری کیا۔ اور اسمیں اللہ عزوجل کی نزدیکی کا ارادہ کیا۔ اور اسمیں علماء وصالحین حاضر ہوئے۔ اور کسی عالم اور صالح نے اس میں انکار نہیں کیا۔ مشائخ صوفیہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے۔ وکان یحضر عندہ فی المولد اعیان العلماء والصوفیہ۔ یعنی اس کی محفل میلاد میں بڑے بڑے علمائے عظام اور صوفیائے کرام حاضر ہُوا کرتے تھے۔ کیا مولوی ملتانی سنبھلی صاحب عقل وشعور سے کام لینے کی زحمت گوارا فرماویں گے اور از روئے ایمان یہ بتائیں گے۔ کہ کیا یہ دونو مومن واقعی فاسق و بدعتی تھے۔ اور اگر آپ کی دیانت فیصلہ کرنے سے قاصر ہو۔ تو اتنا ہی بتا دیجئے۔ کہ علامہ زرقانی۔ علامہ ابن کثیر۔ علامہ سیوطی۔ اور سبط ابن جوزی علیہم الرحمۃ کی تحقیق صحیح ہے۔ یا یہ آپ کی تاریخ دانی۔ اور ابوسعید بن المظفر و ابو الخطاب بن دحیہ کے حالات بیان کرنے میں ان متقدمین عظام کو جھوٹا سمجھا جائے۔ یا آپ کی ذات شریف کو۔ یہ بیباکی اور جسارت اہل اللہ کے حق میں اچھی نہیں۔ کیونکہ آج اپنے ہمنواؤں کے لئے تو باوجود بے راہ رو ہونے کے بھی کسی قسم کا فتوےٰ قبول نہیں کیا جاتا ہم حیران ہیں۔ کہ متقدمین کے حق میں اس بے دردی سے یہ فتویٰ کس ایمانداری کے ماتحت دیئے جاتے ہیں۔ اگر مولوی سنبھلی ملتانی صاحب میں رمق انصاف بھی باقی ہو۔ تو یقیناً ان مذکورہ بالا حضرات کی تحقیق کا اتباع کریں۔ اور آئندہ

کسی مومن کو بلا تحقیق مبتدع و فاسق کہنے کی دلیری سے کام نہ لیں غضب خدا کا وہ حدیث بھی تعصب میں بھول گئے۔ کہ مرے ہوؤں کو بُرا نہ کہو۔ وہ اپنے اپنے ٹھکانے پہنچ چکے ہیں۔

مولوی صاحب آپ نے جن چند غیر معروف کتب کا حوالہ دے کر مولود شریف کو بزعم خود بدعت ہونا ثابت کیا ہے۔ ان سے ہی آپ کی متعصبانہ روش کا پتہ چل گیا ہے۔ کیا مفتی اسی لیاقت کے ہی ہوتے ہیں جن کو یہ بھی سمجھ نہ ہو۔ کہ غیر معروف کتب شاذہ پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔ اور اگر دیا بھی جائے۔ تو وہ قبولیت کی وقعت نہیں رکھتا۔ ہاں اپنے منہ اپنی تعریف کر کے رسالہ کی پُشت پر خود بخود مُفتی لکھ کر اپنے آپ کو چڑھا کر بیان کرنا ہی آپ کی زیرک و دانائی کا شاہد اور علم و فضل کا گواہ ہے۔ سُنئے:

ثنائے خود بخود گفتن نمے زیبد ترا حافظ

کا مصداق انکساری سیکھئے۔ کسی زمانہ میں بھی کوئی مفتی ایسا نہیں ہُوا۔ جس نے از خود اپنے آپ کو اپنی قلم سے مفتی لکھا ہو۔ مگر آپ ہیں کہ اپنی خود پسندی میں زمانہ بھر سے مستثنےٰ ا۔ خدا آپ کی اس خود پسندی کو عجز و انکساری اور کسر نفسی و بُردباری سے تبدیل فرما کر آپ کو اس قابل بنائے۔ کہ آپ سے یہ لا یعنی کلام اور جانبداری اوہام کی خُو دور ہو جائے۔ وہ مسئلہ میلاد جس کو آپ نے بے حد زور لگا کر بدعت ثابت کرنا چاہا ہے۔ علمائے متقدمین و بزرگانِ دین کے عقیدہ سے سُنئے۔ دلائل تو قرآنِ کریم اور احادیث نبی رؤف و رحیم اور اقوال و افعال آئمہ مجتہدین دیگر بزرگانِ دین متین سے بے شمار ایسے ہیں۔ کہ اگر مفصّل

عرض کروں۔ تو ایک جُداگانہ ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ مگر یہاں صرف ان چند حوالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ جو آپ کی تحقیق میں اُن قریبی بزرگوں کے ہوں گے۔ جن سے آپ کو بھی براہِ راست یا بذریعہ کتب شناسائی ہو گی۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے۔ کہ دنیا میں میلاد شریف کی محفلیں قائم کرنے والی جماعت مسلمانوں میں رہی ہے۔ اور اسی بدعت کا ارتکاب بڑے ذوق و شوق اور پختگی عقائد سے کرتی رہی ہے۔ لیکن وہ بدعتی نہ تھی۔ اور اگر باور نہ ہو۔ تو لیجئے۔

سب سے پہلے دیوبندی جماعت کے سرگروہ اور دیوبندیوں کے اُستاد مولانا مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی تحریر دیکھئے۔ کہ آپ مولود شریف کو اس وقت فرض کفایہ فرما رہے ہیں۔ چنانچہ کتاب انوار ساطعہ ص۳۲۲ و ص۳۲۳ میں فرماتے ہیں:۔

"اس زمانہ میں جو ہر طرف پادریوں کا شور اور بازاروں میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دین کی مذمت کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف سے اور لوگ جو خدا ان کو ہدایت کرے پادریوں کی طرح کچھ ان سے زیادہ شور مچا رہے ہیں۔ ایسی محفل کا انعقاد ان شروط کے ساتھ جو میں نے ذکر کی ہیں۔ اسوقت میں فرض کفایہ ہے۔ میں مسلمان بھائیوں کو بطور نصیحت کے کہتا ہوں۔ کہ ایسی مجلس کرنے سے نہ رُکیں۔ اور اقوال بیجا منکروں کی طرف جو تعصب سے کہتے ہیں۔ ہرگز التفات نہ کریں بلفظہٖ"۔

اب فتویٰ دیجئے۔ کہ محفل میلاد کو فرض کفایہ کہنے والے آپ ہی کے

گھر سے بدعتی نکل آئے۔ جن کے نزدیک نہ مباح ہے نہ مستحب۔ نہ سُنت نہ واجب۔ بلکہ مولوی صاحب فرض کفایہ ہے۔ فرض کفایہ۔ اور وہ بھی اسلئے کہ ان کو آپ حبیبوں کی غیر حاضری اور محرومی کا خیال تھا۔ ورنہ شاید فرض عین ہی فرما دیتے۔ صرف فرض کفایہ کہکر آپ کو اور ہیچمدان قسم کے دیوبندیوں کو گناہ سے بچا گئے ہیں۔ جو تعصب کی وجہ سے شاملِ مجالس ہونیوالے نہ تھے۔

پھر مناہج النبوت ترجمہ مدارج النبوت حضرت شیخ عبد الحق رحمتہ اللہ علیہ جلد دوم صـ۲۷ سطر ۱۵ میں ہے۔ بعضے عالموں نے اس قول کے متفق ہونے پر دعوےٰ کیا ہے۔ کہ ولادت شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارھویں تاریخ ربیع الاول کو واقع ہوئی۔ اور اہل مکہ کا عمل اسی پر ہے۔ اور اسی شب میں مقامِ ولادت شریف کی زیارت کرتے ہیں۔ اور مولود شریف اور جو کچھ آداب اور اوضاع سے ہے۔ بارھویں شب کو پڑھتے ہیں۔ اور ولادت بارھویں روز دوشنبہ کو واقع ہوئی تھی۔

مجمع البحار حضرت محمد طاہر محدث علیہ الرحمتہ ثلث اخیر صـ۵۵ میں ہے فانہ شھر امرنا باظھار الحبور فیہ کل عام بلفظہ۔ یعنی ماہ ربیع الاول ایسا ہے کہ ہم حکم کئے گئے ہیں۔ اس بات کا کہ ہر سال خوشی واکرام ظاہر کیا کریں۔ یعنی مولود شریف سال بسال کیا کریں۔

ما ثبت بالسنتہ فی الایام والسنتہ۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث علیہ الرحمتہ صـ۷۹ سطر ۹ میں ہے۔ ولازال اھل الاسلام یحتفلون بشھر مولدہٖ صلی اللہ علیہ وسلم ویعملون الولائم وتتصدقون فی لیالیہ بانواع الصدقات ویظھرون السرور ویزیدون فی

المبرات ویفتنون لقراءۃ مولدہ الکریم۔ ویظہر علیہم من برکاتہ کل فضل عمیم ومما جرب من خواصہ انہ امان فی ذالک العام وبشری عاجل بنیل البغیۃ والمرام فرحم اللّٰہ امرأ اتخذ لیالی شہر مولدہ المبارک اعیادا لیکون اشد علۃ علی من فی قلبہ مرض وعناد۔ ترجمہ:۔ اور اہل اسلام ہمیشہ حضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی پیدائش کے مہینہ میں محفل کرتے ہیں۔ اور کھانے کھلاتے ہیں اور اس مہینہ کی راتوں میں طرح طرح کے صدقات کرتے ہیں۔ اور بڑی خوشیاں مناتے ہیں۔ اور اچھے اچھے نیک کاموں میں زیادتی پکڑتے ہیں۔ اور حضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا مولود شریف پڑھتے ہیں۔ اور ان پر فضل عمیم سے ہر قسم کی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور مولود شریف کی مجرّب خاصیت یہ ہے۔ کہ اس سال بھر میں امان اور امن ہے۔ اور حاجت روائی اور مطلب براری کی بڑی بشارت ہے۔ پس اللّٰہ تعالےٰ اس شخص پر رحم فرمائے۔ جو مولد مبارک کے مہینہ کی راتوں کو عیدیں بنائے۔ تاکہ اس پر جس کے دل میں مرض عداوت رسولِ کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم اور عناد ہے سخت علّت ہو معلوم ہو گیا۔ محفلِ میلاد کے منکروں پر یوں فتوےٰ دیا گیا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث رحمۃ اللّٰہ علیہ تو مولود کی محفل قائم کرنے اور اس میں خرچ کرنے اور صدقات دینے کو متقدمین مومنین اور بزرگان دین کا فعل فرما رہے ہیں۔ اور یہ بھی کہ ہر فضل عمیم کی برکات ہوتی ہیں اور مولود شریف کرانے والا تمام سال امن و امان میں رہنے کی خصوصیات پاتا ہے۔ اور اس کو ہر قسم کے حاجات و مطالب میں پورا ہونے کی بشارتیں

ہوتی ہیں۔ مگر مولوی سنبھلی ملتانی صاحب مرض عداوت و عناد ہیں کہے جاتے ہیں۔ کہ یہ گمراہی ہے۔ بدعت ہے۔ اور بدترین کام مولود کی نذر ماننا ہے۔ فی قلوبہم مرض فزادھم اللہ مرضاً۔ خود اپنا دل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں جل کر تحقیق حق سے منع کرتا تھا۔ تو اپنے بزرگوں سے ہی سبق حاصل کرتے۔ ان کے اعمال کو دیکھتے تو ممکن تھا۔ آتش بغض سے نجات پا جاتے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب دُرِ ثمین فی مبشرات النبی الامین ہی دیکھی ہوتی۔ جس میں بائیسویں حدیث میں وہ اپنے والد بزرگوار سے روایت فرماتے ہیں۔ کنت اصنع فی ایام المولد طعاماً صلۃ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یفتح لی فی سنۃ من السنن شئ اصنع بہ طعاما فلم اجد الا حمصا مقلیا فقسمتہ بین الناس فرأیتہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین یدیہ ھذا الحمص مبتھجاً بشاشا۔ ترجمہ:۔ یعنی میں ایام مولد شریف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نیاز کا کھانا کیا کرتا تھا۔ اس سال مجھے بھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ بھی میسّر نہ ہوا۔ میں نے حسب دستور) لوگوں میں وہی چنے تقسیم کر دیئے۔ پھر میں حضور علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ وہی چنے حضور کے سامنے رکھے ہیں۔ اور حضرت شاد و مسرور ہیں یعنی خوش ہو رہے ہیں۔ یہاں منکرین شانِ نبوی کا یہ حال ہے۔ کہ جو میلاد کا تذکرہ کرے وہ بدعتی ہے۔ خواہ بڑے سے بڑا بزرگ ہی کیوں نہ ہو۔ مگر سچ ہے۔

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل ۔۔۔ کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

اذا خذنا الاشام لما لغی المولد والقیام - ص۲۵ میں حافظ امام ابن جوزی کا فتویٰ پڑھیئے - کہ وہ ایسے عمل کے متعلق کیا فرماتے ہیں - لم یکن فی ذالک الا ارغام الشیطان وادغام اہل ایمان - یعنی اس عمل مولود شریف میں تذلیل شیطان اور تقویت اہل ایمان کے سوا اور کچھ نہیں - اب تبلایئے؟ اور اگر یہ حوالہ بھی تپ دروں کیلئے ناکافی ہے - تو فیوض الحرمین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ص۲۶ و۲۷ کو پڑھیئے جسمیں بقول آپ کے وہ اپنے ہی بدعتی ہونے کا ثبوت دیتے ہیں - اور آپ جیسے مریض القلب انسانوں کو فرماتے ہیں - کہ اپنی آنکھ کو حضور علیہ السلام کی طرف سے میلا نہ کر - تیری نجات اخروی اور برکاتِ دنیوی کیلئے محفل میلاد سے بہترین ذریعہ اور کوئی نہیں - اور ساتھ ہی اپنا فعل پیش کرتے ہیں - کہ میں مکہ میں محفل مولد میں شریک ہوا - تو مجھ پر برکات نازل ہوئیں - فرماتے ہیں - کنت قبل ذالک بمکۃ المعظمۃ فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم الولادتہ ومشاہدہ قبل بعثتہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکرون اوہا صباتہ التی ظہرت فی ولادتہ ومشاہدہ قبل بعثتہ صلی اللہ علیہ وسلم مراتب انوار اسطعت دفعۃ واحدۃ لا اقول انی ادرکتہا ببصر الجسد ولا اقول ببصر الروح فقط اللہ اعلم کیف کان الامر بین ہذا وذالک فتاملت فلک الانوار فوجدتہا من قبل الملئکۃ الموکلین بامثال ہذہ المشاہدہ وامثال ہذہ المجالس ورایت یخالط انوار الملئکۃ بانوار الرحمۃ - ترجمہ :- میں اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد مبارک میں تھا - میلاد شریف کے روز اور لوگ جمع تھے - اور درود شریف پڑھ رہے تھے - اور بیان کر رہے تھے - وہ معجزات جو ولادت کے

وقت ظاہر ہوئے تھے۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ یکبارگی انوار ظاہر ہوئے میں نہیں کہتا کہ ان آنکھوں سے دیکھے اور نہ کہتا ہوں کہ روح کی آنکھوں سے دیکھے۔ فقط خدا جانے کیا امر تھا۔ میں نے تامل کیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ یہ نور اُن ملائکہ کا ہے۔ جو ایسی مجلسوں پر موکل ہیں۔ اور اسی مشاہدہ پر میں نے دیکھا کہ انوار ملائکہ اور انوار رحمت دونو ملے ہوئے ہیں۔ کیوں صاحب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی بھی آپ کے نزدیک بھی اُسی بدعتی فتوے کے حقدار ہیں۔ جسکی نشر و اشاعت کا آپنے ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ یا وہ موجودہ بدعتی حنفیوں سے مستثنےٰ ہیں۔ فقیر کو ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ایک مرتبہ دورانِ وعظ جمعۃ المبارک میں فقیر نے یہ واقعہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کیا۔ تو ایک صاحب حنفی نما وہابی ابو القاسم جو کسی انگریز کے دستر خوان پر ملازم تھے۔ بول اُٹھے کہ مولوی صاحب یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے۔ اگر یہاں کا ہوتا۔ تو ہم مان لیتے یہاں پر کوئی ایسا سلسلہ ہم نے نہیں دیکھا۔ میں نے کہا یہ اور بھی مبارک قصہ ہے۔ آپ کے نزدیک محفلِ میلاد شرک و بدعت ہے۔ اور یہ واقعہ ہے۔ مکہ مکرمہ کا۔ تو یوں سمجھ لیجئے

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اور اس پر طرّہ یہ کہ جب آپ محفل میلاد میں شرکت کرنی ہی حرام خیال فرماتے ہیں۔ تو بتایئے۔ آپ انوار ملائکہ اور انوار رحمت کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔ یہ جواب سُن کر نادم سے ہو گئے۔ اور پھر کبھی اس مسجد میں نہ آئے۔ یہ ہے۔ ان عاشقانِ اسلام کا نام نہاد جذبۂ عشق۔ کہ حق کو قبول کرنے کی بجائے مسجد ہی چھوڑ گئے۔

بحوالہ اخبار اذاقتہ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام در منظم علامہ دہر

علامہ تغر یک میں ہے۔ قد عمل المحبون النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرحا بمولدہ الولائم فمن ذالک ما عملہ یا القاہرۃ من ولائم الکبار الشیخ ابو الحسن المعروف یابن فضل قدس سرہ شیخ شیخنا ابی عبد اللہ محمد بن نعمان وعمل ذالک علی قبل ووسعۃ یوسف الحجاز بمصر فلذی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو بجرص یوسف المذکور علی عمل ذالک۔ یعنی میلاد مبارک کی خوشی میں محبان رسالت مآب علیہ الصلوات نے ولیمے کئے کھانے کھلائے۔ پس قاہرہ کے بہترین کھانوں میں اور ولیموں سے وہ ولیمہ ہے۔ جو ہمارے اُستاد ابو عبد اللہ محمد بن نعمان کے اُستاد شیخ ابو الحسن معروف ابن فضل قدس سرہٗ نے کیا۔ اور ان سے قبل جمال الدین ہمدانی نے کیا۔ اور یوسف حجاز نے مصر میں بقدر وسعت ترتیب دیا۔ اور سرکار انبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خواب میں تشریف لاکر انہیں اس عمل مبارک پر ترغیب وتحریص فرمائی۔ ہم مصنف مواعظ المسلمین سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا بدعتی اسی طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ جن کے ایک ایک فعل کو دربارِ رسالت کی قبولیت حاصل ہو۔ اور عالم رویا میں سرکار دو عالم خود تشریف لاکر ان کو مبارک اعمال پر ترغیب وتحریص فرمائیں۔ درحقیقت آئینہ سے اپنا چہرہ ہی نظر آتا ہے۔

شرک ٹھیرے جس میں تعظیمِ حبیب اُس بُرے مذہب پر لعنت کیجئے

مولد النبی حضرت ابن حجر زمی محدث شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہے جس کی عربی طویل عبارت کا صرف ترجمہ بخوف طوالت ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ جسے اصلی متن کی ضرورت ہو۔ کتاب مذکور میں دیکھے۔ یا ہم سے طلب کرے۔ آپ لکھتے ہیں۔ ہمیشہ سے اہل حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و

تعظیماً اہلِ مصر و یمن و شام اور تمام ملکِ عرب مشرق سے مغرب تک مولود شریف کی مجلس کرتے ہیں۔ اور ماہ ربیع الاول کے آنے کی خوشیاں مناتے ہیں۔ اور عمدہ عمدہ فاخرہ لباس پہنتے۔ اور قسم قسم کی رنگین خوشبوؤں سے کرتے اور سُرمہ لگاتے ہیں۔ خوشی کو مناتے ہوئے آتے ہیں۔ اور لوگوں کو جو کچھ اُن کے پاس ہے بخشش کرتے ہیں۔ اور بڑے بڑے انتظام و اہتمام مولود شریف کے سُننے میں بجا لاتے ہیں۔ اور اس فعل سے اجر جزیل اور مُرادِ عظیم حاصل کرتے ہیں۔ اور مولود شریف کا عمل مجرّب ہے۔ جو ان دنوں میں کیا جاتا ہے۔ مال میں کثرت و برکت مع سلامتی اور عافیت کے اور کشادگی و فراخی رزق میں اور زیادتی مال و اولاد کی اور ہمیشہ امن و امان اس مُلک و شہر میں رہتا ہے۔ اور مولود شریف کی برکت سے گھروں میں سکون اور قرار ہوتا ہے۔ بلفظہ ترجمہ۔ مواہب اللدنیہ جلد اوّل ص۲۷ سطر ۱۹ مطبوعہ مصری سے اس عمل خیر کی اور بھی وضاحت ہو جاتی ہے۔ ومما جرب من خواصہ انہ امان فی ذالک العام وبشری عاجلۃ بنیل البغیۃ والمرام فرحم اللّٰہ امرأ اتخذ لیالی شہر مولدہ المبارک اعیاد الیکون اشد علۃ علی من فی قلبہ مرض وعنادا۔ بلفظہٖ ترجمہ مولود شریف کے کرنے میں تجربہ کیا گیا ہے۔ کہ کرنیوالے کیلئے اس سال (جسمیں مولود کرائے) ان کے گھر میں امن رہتا ہے۔ اور دنیا کی تمام مرادیں مطلب اور حاجتیں حاصل ہونے کی خوشی ہے۔ پس اللہ کریم ان پر رحم فرمائے۔ جو مولود شریف کے مہینہ کی راتوں کو عیدیں بناتے ہیں۔ تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و بغض کی بیماری ہے۔ ان کیلئے شدت کی بیماری ہو۔

ان حوالہ جات سے بھی معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ محفلِ میلاد شریف کرانے کی کیا کچھ برکتیں ہیں۔ اور کیا کیا فضائل اسمیں پائے جاتے ہیں۔ مگر معترضین ہیں۔ کہ نہ اپنی تحقیق رکھیں۔ اور نہ اپنے بڑے اور بزرگوں کی مانیں جب متقدمین و متاخرین جمیع علمائے کرام کے نزدیک یہ مجلس باعث رحمت و برکت ہے۔ تو پھر اس سے منع کرنا کسی دانائے راز اور رہنمائے ملت کا کام نہیں۔ دوسرے آپ نے ایک بات جو ان لوگوں کے متعلق جو محفلِ میلاد میں اسلئے شامل تو ہوتے ہیں۔ کہ کچھ سنیں کچھ سنائیں۔ کچھ پڑھیں کچھ پڑھائیں اور نعت خوانی یا میلاد خوانی کریں۔ مگر بے شرع اور بد عمل ہوں لکھا ہے۔ اور ایسی محفل یا مولود رواجی بدعت و شرک کہا ہے۔ یہ ایک انوکھی منطق ہے۔ کہ فعل بد تو کریں۔ بعض وہ لوگ جو شرکت کے ارادے پر آتے ہیں۔ اور حرام ہو جائے مجلس میلاد۔ پنجابی میں مثل مشہور ہے۔ کہ جوئیں پڑنے سے لحاف نہیں پھونک دیا کرتے بلکہ جوئیں چُنکر نکال دیتے ہیں۔ اصلاح تو مقصود ہے۔ ان مسلمانوں کی جو اپنی بدعملی کو ساتھ لے کر ایسی محفل میں شریک ہو رہے ہیں۔ تاکہ آئندہ کو وہ صحیح مومن بن جائیں۔ مگر یہاں آپ اپنے مخصوص استدلال کے ماتحت فرماتے ہیں۔ کہ ایسے لوگوں کے شامل ہونے سے مجلس بدعت ہو گئی ہے۔ لہذا مجالس کو چھوڑ دو۔ اور آنیوالے گمراہوں کو ہدایت نہ کرو۔ اور پہلی گمراہی میں رہنے دو۔ کیا بے معنی فلسفہ ہے۔ مولوی صاحب آپ کو یہ کہنا چاہیئے تھا۔ کہ ایسے لوگوں کو جو بے شرع ہو کر ایسی مقدس و پاکیزہ مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شرکت کرتے ہیں ہدایت کی جائے۔ کہ متشرع بنیں۔ اور حضور کے سچے غلام بن کر عوام میں میلاد

خوانی اور نعت خوانی کریں تاکہ اپنے سامعین کے لئے مومنین۔ سابقین کا بہترین نمونہ ہوں۔ اور عوام کو ان کی متشرع صورتوں سے اتباع شریعت کا عشق پیدا ہو۔ مگر یہاں تو اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی کا مصداق۔ کیا سے کیا کیے جاتے ہیں۔ بھلا کون نہیں جانتا۔ کہ مبلّغ خود پہلے سرکارِ مدینہ محبوب نگینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا غلام اور سچا متبع ہونا چاہیئے اور ساتھ ہی بانئے محفل کو بھی دیندار۔ با اخلاص۔ متقّی۔ محبّ رسول اللہ پابند شرع اور مال حلال کمانے والا۔ اور حلال طریق پر خرچ کرنے والا ہونا لازم ہے۔ مال جو محفل میلاد شریف پر خرچ کرتا ہو۔ اپنی ملکیت صحیحہ یا محنت مزدوری کی پاک تنخواہ کا یا بطریق حلال تجارت کا کمایا ہُوا۔ یا ہبہ و میراث وغیرہ سے صحیح شرعی طریق پر پہنچا ہُوا ہو۔ طعام و شیرینی و عطر گلاب وغیرہ میں تیاری یا خرید کے وقت پاکیزگی اور صرف جائز کا خاص خیال ہو۔ فرش و فروش۔ برتن و ظروف وغیرہ سامان تجمل وغیرہ میں کوئی امر خلاف شریعت نہ ہو۔ گانا۔ بجانا۔ خواہ وہ محض منہ اور ہاتھوں یا باجوں گاجوں کے ساتھ ہو۔ اس سے قطعی مجلس کو پاک رکھا جائے میلاد خوانی کی روایات جو سامعین کے سامنے پیش کی جائیں نہایت معتبرہ اور وہ ہوں۔ جن کو ثقات محدثین نے باب المعجزات و فضائل میں قبول کیا ہو۔ اشعار وہ پاکیزہ اور محبت خدا و رسول ؐ میں بھیگے ہوئے پڑھے جائیں۔ جن کے پڑھنے پر علماء ربّانی اور مفتیان حقانی نے فتوے دیا ہو۔ دنیوی کلام اور بیہودہ انتظام سے پرہیز کر کے مجلس میں ایسا ادب سے ...... بیٹھا جائے۔ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محفلوں اور دربارِ رسالت ؐ کا نقشہ جم جائے۔ پھر ان تمام امور کے

بعد آداب و تسلیم و شانِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم مدِ نظر ہو۔ درود و سلام بکثرت پڑھا جائے۔ غرضیکہ مجلس کی صفائی اور پاکیزگی کا جسقدر اہتمام کیا جائے گا۔ اور امورِ غیر شرع منہیہ سے جسقدر بچا جائے گا۔ اسی قدر رضامندی حق سبحانہ تعالے اور متوجہ ہونا روح پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی طرف پایا جائے گا۔ اگر اس کی یہ محفل اور خدمتِ دین مقبول ہو گئی تو سمجھ لیجئے دین و دنیا کی بھلائیاں حصہ میں آ گئیں۔ اور اگر باوجود اس احتیاط و اہتمام کے بھی منکرین مجلس تذکرہ ولادت کو مردود باطل یا بدعت و شرک ہی کہتے جائیں۔ اور کرنیوالوں کو مشرک و مبتدع بنائیں۔ تو خداوند عالم ہی ان کو صراطِ مستقیم کی ہدایت کرے۔ کیونکہ اس سے آگے ان کا مطلب تبلیغ نہ ہو گا۔ بلکہ تعصب ہو گا۔ بحث کرنے اور مطلب کو زیادہ واضح کہنے کو تو اسقدر لکھا جا سکتا ہے۔ کہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ مگر اس مختصر میں اس کی گنجائش نہ رکھتے ہوئے ہم چند دیوبندی علماء کی خط وکتابت کے حوالے پیش کرتے ہیں۔ جو صاحب انوارِ صداقت نے اپنی تحقیق پر کتاب مذکورہ میں بحوالہ انوار ساطعہ درج فرمائے ہیں۔ خدا کرے۔ کہ ہمارے ان محبتِ محبوب خدا علیہ السلام کے نامحرموں کو وہی مشعل راہ بن جائیں۔ اور ان میں بھی عشق محمدیؐ اور محبت ایسی پیدا ہو جائے۔ لیجئے۔

تمام دیوبندی حضرات کے پیر و مرشد حضرت مولانا حاجی شاہ امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مکیؒ صاحب کا وہ خط جو آپ نے بنام مولوی نذیر احمد صاحب رامپوری مدرس احمد آباد گجرات کو روانہ فرمایا۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں :-

خط اوّل:- جواب ثالث کی تشریح یہ ہے۔ کہ فقیر مجلس تشریف میلاد مبارک کا مع ہیئت کذائیہ معمولہ علماء ثقات صلحاء و مشائخ کرام بارہا اقرار کر چکا ہے۔ اور اکثر اس کا عامل ہے۔ جبکہ فقیر کی دیگر تحریرات و تقریرات سے یہ مضمون ظاہر ہے۔ فقیر کو اسی مجلس شریف کے باعث حسنات و برکات کے معتقد ہونے کے علاوہ یہ عین الیقین ہے۔ کہ اس مجلس مبارک میں فیوض و انوار و برکات و رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ بلفظہٖ

انوار ساطعہ صہ ۳۲۶ سطر ۵ تاریخ خط ۷ رمضان ۱۳۰۷ھ

خط دوم:- منجانب حضرت ممدوح الصدر بنام خلیل احمد صاحب انبٹھوی و مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی درباہ ذیقعد ۱۳۰۷ھ از امداد اللہ عفی عنہ:-

بخدمت عزیزم پیرجی مولوی خلیل احمد صاحب انبٹھوی و عزیز مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی سلمہما اللہ تعالےٰ۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاتہ۔ تمام بلاد و ممالک ہند مثلاً بنگال و بہار و مدراس و دکن و گجرات و بمبئی و پنجاب و راجپوتانہ و رام پور و بہاولپور وغیرہ سے متواتر اخبار حیرت انگیز و حسرت خیز اس قدر آتی ہیں۔ کہ جن کو سن کر فقیر کی طبیعت نہایت ملول ہوتی ہے اس کی علت یہی براہین قاطعہ و دیگر ایسی تحریرات ہیں۔ یہ آتش فتنہ انوار ساطعہ کی تردید سے مشتعل ہوئی۔ کہ تمام عالم اس کی حمایت میں کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ نے اسکو بھی کچھ ایسی مقبولیت عطا فرمائی ہے۔ کہ تمام ممالک کے علماء و مفاتی نے

ساری کتاب کو نہ دل سے پسند فرما کر اس پر اتفاق کیا ہے دیکھو ہندوستان میں سینکڑوں مذاہب کفریہ و عقائد باطلہ مخالف دین و بیخ کن اسلام ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ اور کیسے کیسے الزام و اعتراض و شبہات و شکوک مذہب اسلام پر وارد کرتے جاتے ہیں۔ ایسے وقت آپس کے مجادلہ کی جگہ اس کی تردید کرنی چاہیئے۔ اور قرآن شریف کی خوبیاں اور فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و مکارم اخلاق و محاسن اوصاف کو ہر مقام پر ہر شہر و قریہ میں نہایت زور و شور سے مشتہر کرنا چاہیئے۔ اور ایسے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و اوصاف مکارم و اخلاق کو مشتہر و اشاعت کرنے کے لئے ہر مقام میں مجلس مولود شریف کا چرچا بڑا عمدہ ذریعہ مستحسن وسیلہ ہے۔ بلفظہٖ انوار ساطعہ صـ ۳۲۶۔

خط سوم:۔ از حضرت ممدوح الصدر بنام مولوی محمد عبد السمیع صاحب مصنف انوار ساطعہ مورخہ دہم رمضان ۱۳۰۷ھ

انوار ساطعہ کے اکثر مسائل میں فقیر دل سے متفق ہوا۔ تو اللہ تعالےٰ کی جناب میں بہت التجا اور دعا کی۔ کہ اے اللہ اگر میں ان مسائل میں صراط مستقیم پر ہوں۔ اور حق بجانب ہوں۔ تو اس کتاب کو مقبول علمائے دیار و امصار و اہل اسلام کر۔ چنانچہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو قبول فرمایا۔ کہ تمام علمائے حرمین شریفین و بلاد اسلام اسکے مسائل میں متفق ہیں۔ اور خود کتاب کو پسند کرتے ہیں۔

خط چہارم :- از حضرت ممدوح بنام مولوی محمد عبد السمیع صاحب مورخہ ۱۳ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

میں خود مولود شریف پڑھواتا ہوں۔ اور قیام کرتا ہوں۔ اور ایک روز میرا یہ حال ہوا۔ کہ بعد قیام سب بیٹھ گئے۔ مگر میں بے خبر کھڑا رہ گیا۔ بعد دیر کے مجھ کو ہوش آیا۔ تب بیٹھا۔

ان مندرجہ بالا حوالہ جات میں ارشادات شاہ امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل ظاہر و باہر ہو گیا ہے۔ کہ آپ کے ہی متقدمین اور اور مقتداؤں کے کیا عقائد مسئلہ میلاد شریف و قیام میں تھے۔ اب اگر آپ ان پر بھی بدعتی ہونے کا حکم صادر فرماویں۔ تو پھر موجودہ حنفیوں کو بھی آپ پر شکایت نہ ہوگی۔ کیونکہ آپ اپنے تعصب میں معذور سمجھے جائیں گے۔ خیال ہے۔ کہ ایک خط شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا بنام علی محمد خاں رئیس مراد آباد بھی اس مضمون کے ساتھ نقل کر کے پھر مسئلہ قیام پر بھی دیوبندی علماء کے ارشادات آپ کی رہنمائی کے لئے لکھ دوں اور اگر ان پر بھی ایمان نہ آئے۔ تو پھر خداوند عزوجل سے ہدایت کی التجا کیجئے۔ جسے وہ ہدایت فرما دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور جسے وہ گمراہ کرے۔ اس کو ہدایت نہیں مل سکتی۔ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کے خط کی عبارت بالاختصار یہ ہے :-

"در تمام سال دو مجلس در خانہ فقیر منعقد مے شود۔ اوّل کہ مردم روز عاشورہ یا یک دو روز پیش از ایں قریب چہار صد یا پانصد کس بلکہ قریب ہزار کس و زیادہ آں فراہم مے آیند۔ و درود مے خوانند۔ بعد ازاں کہ فقیر مے آید

مے نشینند و ذکر فضائل حسنین کہ در حدیث شریف وارد شدہ در بیان مے آید۔ و آنچہ در احادیث و اخبار شہادت ایں بزرگاں وارد شدہ۔ نیز بیان کردہ مے شود۔ و بعد ازاں ختم قرآن و پنج آیات خواندہ بر حضر فاتحہ نمودہ مے آید۔ پس اگر ایں چیز ہا نزد فقیر جائز نمے بود۔ اقدام برآں اصلاً نمے کرد۔

باقی ماندہ مجلس مولود شریف پس حالش ایں است کہ بتاریخ دوازدھم شہر ربیع الاول ہمیں مردم کہ موافق معمول سابق فراہم شدند۔ و در خواندن درود شریف مشغول گشتند۔ فقیر مے آید۔ اولاً از احادیث فضائل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مذکور مے شود۔ بعد ازاں ذکر ولادت باسعادت و نیز ے از حال رضاع و حلیہ شریف و بعضے از آثار کہ در ایں آوان بظہور آمد بمعرض بیان مے آید۔ پس بر ما حضر از طعام یا شیرینی فاتحہ خواندہ تقسیم آں بحاضرین مجلس مے شود۔

اس مذکورہ عبارت سے معلوم ہو گیا۔ کہ شاہ عبد العزیز صاحب رح سال بھر میں دو مجلس ذکر و فکر کی کیا کرتے تھے۔ ایک بموقعہ عاشورہ جس میں سینکڑوں آدمی شریک ہوتے۔ فضائل حسنین علیہما السلام پر وعظ ہوتا۔ شہادت کے واقعات بیان فرمائے جاتے۔ پھر کھانا سامنے رکھکر ختم پڑھا جاتا۔ اور قرآن کریم کی پنج آیتوں پر خصوصیت سے پڑھا جاتا۔ دوسری محفل مولود شریف ماہ ربیع الاول میں بارہ تاریخ کو منعقد ہوا کرتی۔ لوگ آتے درود شریف پڑھتے۔ وعظ و ذکر میلاد النبی علیہ

السلام خود شاہ عبد العزیز صاحب فرماتے۔ پھر کھانا آتا۔ جو سامنے رکھ کر ختم پڑھا جاتا۔ اور حاضرین مجلس میں شیرینی تقسیم کی جاتی۔ کیا بقول مولوی ملتانی صاحب نعوذ باللہ یہ شاہ عبد العزیز صاحب بھی بدعت ہی کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ ساتھ ہی وضاحت فرماتے ہیں۔ کہ ایک بدعت یوم عاشورہ ہیں۔ دوسری میلاد شریف بارہ ربیع الاول میں۔ تیسری کھانا سامنے رکھکر ختم پڑھنے میں۔ چوتھی میلاد شریف میں پانچویں پھول پھلواڑی اور شیرینی تقسیم کرنے ہیں۔ چھٹی لوگوں کو اس بدعت کی ادائیگی کے لئے جمع کرنے ہیں۔ اور پھر فیصلہ بھی فرما دیا۔ کہ اگر میرے نزدیک یہ فعل مجالس جائز نہ ہوتا۔ تو اس پر قطعاً اقدام نہ کیا جاتا۔ اب مولوی سنبھلی ملتانی صاحب بتائیں۔ کہ آپ کا کیا حال ہے۔ اور یہ دہلوی خاندان تو آپ کے فتوے کی بنا پر نعوذ باللہ سارے کا سارا ہی بدعتی نکلا۔ کیا ان کو بدعتی سمجھیں۔ یا آپ کی توحید پرستی کا شبہ کریں۔

اس مسئلہ کے ضمن میں مواعظ المسلمین میں بحوالہ سراج ادلیا ہندی قبلہ مجدد الف ثانی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ بھی انکار کیا گیا ہے۔ اور لکھا گیا ہے۔ کہ حضرت مجدد صاحب رضی اللہ عنہ بھی اس فعل میلاد کو بدعت ہی سمجھتے تھے۔ اور فرماتے کہ حضور علیہ السلام اس زمانے میں موجود ہوتے تو اس مولودخوانی کو آپ ہرگز جائز نہ فرماتے۔ بلکہ انکار فرماتے۔ کیا ہے مولوی صاحب کی تحقیق اور کیا ہے الزام تراشی لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ حالانکہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ تو اپنے مکتوبات کی جلد سوم کے مکتوب ۷۲ میں جس میں خاص میلاد شریف کے بارے میں سوال کیا گیا۔

یوں فرماتے ہیں۔

"دیگر در باب مولود خوانی اندراج یافتہ بود در نفس قرآن خواندن بصوت حسن و در قصائد نعت و منقبت خواندن چہ مضائقہ است ممنوع تحریف و تغیّر حروف قرآن است و التزام رعایت مقامات نغمہ و تردید صوت باں طریق الحان با تصفیق مناسب آں کہ در شعر نیز غیر مباح است۔ اگر بہ نہج خوانند کہ تحریفے در کلمات قرآنی واقع نشود و در قصائد خواندن شرائط مذکورہ متحقق نگردد و آنرا ہم بغرض صحیح تجویز نمایند چہ مانع است۔"

لیجئے اب مجدّد صاحب رضی اللہ عنہ کا بھی فتویٰ لے پڑھکر اپنا قلب صاف فرمائیے۔ کہ آپ نے میلادِ شریف سے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ صاف اور صریح الفاظ میں اجازت محفل میلاد خوانی فرما رہے ہیں۔ اور اس بات کی محافظت فرماتے ہیں۔ کہ مولود شریف کے پڑھنے میں حرُوف قرآنی کی تغیّر و تبدیل نہ ہونے پائے۔ نہ سُریں نکالیں۔ نہ تالیاں بجائیں۔ اس سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ حضرت مجدّدؒ صاحب آپ کے ہم عقیدہ ہیں؟ یا ہمارے ہم خیال اور رہنما۔ کیا یہی وہ حقیقت مغالطہ دہی نہیں ہے جس کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے اس غلط فہمی میں عوام کو مبتلا کرنا مقصود تھا۔ کہ لوگ مجدّد صاحب جیسے بزرگ سے جب میلاد شریف کرانے کی نفی پائیں گے۔ تو بہت جلد اس کارِ خیر کو ترک کر دیں گے۔ اس صورت سے ہماری توحید پرستی کا چرچا ہو جائے گا۔ مگر افسوس کہ اس نام نہاد خوشی کی بیل بھی آپ کیلئے منڈھے نہ چڑھی۔ اور وہ تمام وتپلا بیسی وچالا کی خاک میں مل گئی۔ جو اختیار کی گئی تھی۔

قیام میلادی۔ جہاں اور مسئلہ میلاد کو بدعت و ناجائز فرمایا گیا ہے۔ وہاں قیام کے مسئلہ کو بھی مصنف مراسم المرتحلین نے جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔ بلکہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۱ پر لکھا ہے:۔ کہ

"تعظیمی قیام مکروہ ہے۔ اور بہت سے دعوے محبت کرنیوالوں کی بدعت ہو گئی ہے۔ کہ جب ولادت کا ذکر سنتے ہیں۔ تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ قیام بدعت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں"!

پھر صفحہ ۱۱۲ پہ لکھا کہ:۔

"بعض جاہل پیروں نے بہت سی باتیں ایجاد کر لی ہیں۔ جن کا ثبوت قرآن و حدیث میں بالکل نہیں ہے۔ ان میں سے میلادی قیام ہے۔ اور (جو لوگ) مولود میں قیام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ کہ روح مبارک حاضر ہو گئی۔ اُن کا یہ گمان باطل ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ شرک ہے"!

اور حوالہ تحفۃ القضاۃ و طریقہ السلف مصنفہ قاضی نصیر الدین برہانپوری وغیرہ کا دیا ہے۔

کاش! کہ مصنف مراسم المرتحلین اس بات کو غور کر لیتے۔ کہ ذکر الٰہی کرنے کی کتنی صورتیں ہیں۔ اور کن کن حالتوں میں ذکر کرنا شرعاً جائز فرمایا گیا ہے۔ ہر ذکر کرنیوالا کھڑے ہو کر۔ بیٹھ کر۔ اور پہلو پر لیٹے ہوئے ذکر کرنے کا مجاز ہے۔ جیسے حکم الٰہی ہوتا ہے۔ فاذکروا اللہ قیاما و قعودا و علیٰ جنوبکم۔ ان میں سے لیٹ کر ذکر کرنا تو خاص خاص صورتوں میں جائز ہوتا ہے۔ مثلاً خاص اوقات سونے کے جو

احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ جو تھکا ہارا۔ سستی چڑھا ہُوا۔ یا مریض ہو کیونکہ تندرست آدمی تو بلاوجہ ذکر الٰہی لیٹ کر کرنا ادب نہیں سمجھتا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ نماز میں قیام وقعود تو تجویز ہُوا۔ مگر لیٹ کر بحالتِ صحت پڑھنا تجویز نہ ہُوا۔ اِلّا بعذر شرعی مریض کے لئے جس کو قیام وقعود کی طاقت نہ ہو۔ تو اب عبادت کی دو صورتیں بحالتِ صحت معین ہوئیں۔ قیام وقعود۔ اور اس کی بھی پھر تین شکلیں ہوں گی۔ یا یہ کہ کُل ذکر قیام میں کرے۔ یا کُل قعود میں کرے۔ یا کُچھ قیام میں اور کُچھ قعود میں۔ اور یہ تینوں صورتیں مضمون قیام الٰہی میں داخل ہیں۔ ان میں سے ایک شکل بالکل جلسہ مولود شریف پر منطبق ہے۔ کیونکہ کچھ اسمیں وعظ و کلام۔ روایات ومعجزات بیٹھ کر بیان کیے جاتے ہیں۔ اور کچھ درود وسلام یا مدح کھڑے ہو کر کہے جاتے ہیں۔ اور شرح شریف میں ان کی اس صورت سے بیان کرنے کی کوئی نفی وارد نہیں ہوئی۔ سوائے اس مروّجہ قیام اہل عجم کے جو وہ کیا کرتے۔ تو جب اس کی نفی شریعت میں وارد نہ ہو۔ تو قیام فقہا وعلما کے نزدیک مباح ہو گا۔ مگر مولوی صاحب نے بحوالہ تحفۃ القضاۃ اس کو شرک تک لکھ دیا ہے۔ فقیر دعوے سے کہتا ہے۔ کہ آپ اس برائے نام کتاب تحفۃ القضاۃ سے ناواقف ہیں۔ اور نہیں جانتے۔ کہ تحفۃ القضاۃ حقیقت میں کوئی کتاب ہے بھی یا نہیں کوئی فرضی نام وہابیوں نے اپنے رسالوں میں درج کر رکھے ہیں۔ آپ تحفۃ القضاۃ کا مطبع تحریر فرمائیں۔ اور لکھیں کہ وہ کیا بلا ہے۔ کس کی تصنیف ہے۔ کس زمانہ میں طبع ہوئی۔ اور اس کے نام نہاد مصنف کا اسم غیر معروف کیا تھا۔ بلکہ صرف کتاب کا وجود ہی ثابت کر دیں۔ تو

معلوم ہو جائے گا۔ کہ آپ بھی اپنی تحقیق سے کچھ لکھ رہے ہیں۔ اور کسی بدعقیدہ غیر مقلد کے رسالہ کی عبارتیں نہیں لکھ رہے۔ اور اگر آپ جرأت کریں۔ تو آپ کی خدمت میں ایک طالبعلم روانہ کردوں۔ جو تحفۃ القضاۃ کی زیارت سے آنکھیں ٹھنڈی کرآئے۔ بندہ نہایت مشکور ہوگا۔ وان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اور اگر آپ نہ دکھا سکیں۔ اور یقیناً نہ دکھا سکیں گے) کیونکہ یہ تحفۃ القضاۃ کوئی سُنی سُنائی چیز ہوگی) تو خدائے واحد سے خوف کھائیے۔ اور دوزخ کی آگ سے ڈریئے۔ اور مسلمانوں کو نہ بہکائیے۔ آخر یہ دُنیا ہمیشہ نہیں۔ اور ایک دن ربّ العزت کے حضور میں پیش ہونا ہے ہم بفضل تعالیٰ اپنے عقیدہ حقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حیات النبی جانتے ہیں۔ اور یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔ کہ سرکار انبیائ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں جہاں حضورؐ کا ذکر خیر ہو۔ اگر حضورؐ چاہیں تو تشریف فرما ہوتے ہیں۔ اور متقدمین نے اس مسئلہ کو اپنے عمل سے ثابت بھی کر دیا ہے۔ اور وہ واقعات اسقدر ہیں۔ کہ اگر ان کو ثبوت میں جُداگانہ طور پر ذکر کیا جائے۔ تو ایک علیحدہ کتاب تیار ہو جائے۔ اور یہی مسلمان اہل سنت والجماعت رحمہم اللہ کا عقیدہ ہے۔ گو آپ یا آپ جیسے اور آپ کے ہم عقیدہ اس کو شرک سے تعبیر کرتے رہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو مجالس میلاد منعقد کرکے اپنے مولا و آقا کا ذکر خیر کرتے ہیں۔ اور اتنی بڑی سرکار کو اپنے غریب خانہ پر دعوت دیتے ہیں۔ اور حضورؐ ان کو اپنی تشریف آوری سے سرفراز فرماتے ہیں۔ اور یہ کوئی ناممکن امر نہیں حضورؐ

کے وجودِ مطہر کے ساتھ چلنے، پھرنے، سیر کرنے، نماز پڑھنے، اُمت کو برکت عطا فرمانے اور کسی صالح اُمتی کے جنازہ پر تشریف لانے کے اکثر علماءٔ و صلحا و متقدمین قائل ہیں۔ اور یہی صحیح ایمان ہے۔ دیکھو تفسیر روح البیان میں سورۃ تبارک الذی کے آخر پہ ذکر ہے قال الامام الغزالی رحمۃ اللہ تعالےٰ والرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام له الخیار فی طواف العالم مع ارواح الصحابۃ رضی اللہ عنہم بقدر آہ کثیر من الاولیاء۔ یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا گیا ہے۔ کہ وہ تمام عالم زمینوں و آسمانوں میں مع ارواح صحابہ رضی اللہ عنہم و اولیاء کرام علیہم الرحمۃ سیر کرتے پھرتے ہیں۔ اور جیسا کہ لکھا گیا ہے۔ بہت سے اولیاء کرام نے حضورؐ کو بیداری میں دیکھا ہے۔

انتباہ الاذکیا فی حیات الانبیاء۔ شیخ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ صٓ میں ہے۔ النظر فی اعمال امتہ والاستغفار لھم من السیئات والدعا بکشف البلاء عنہم والتردد فی اقطار الارض بحلول البرکۃ فیھا وحضور جنازۃ من مات من صالحی امتہ فان ھذہ الامور من اشغالہ کما وردت بذالک الاحادیث والاثار بلفظہ یعنی یہ بات آثار و احادیث سے ثابت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعمال اُمت میں نظر فرماتے ہیں۔ ان کے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔ اور دفع بلا کیلئے دعا فرماتے ہیں۔ اور حدود زمین میں پھر کر برکت دیتے ہیں۔ اور جب اُمت کا کوئی نیک آدمی مرجاتا ہے۔ تو اس کے جنازہ پر تشریف بھی لاتے ہیں۔ اور عالم برزخ میں آپ کے اشغال

ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی فیوض الحرمین ہیں بھی اسی طرح فرماتے ہیں۔ کہ میں نے بہت سے کاموں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سامنے باجسد دیکھا۔ یعنی آپ کی اصلی صورت مبارک بار بار میرے سامنے آئی۔ تو میں نے جان لیا۔ کہ آپؐ کی روح انور کو جسمانی صورت بن جانے کی طاقت ہے۔ اور یہی وہ اشارہ ہے۔ جو حضورؐ نے فرمایا کہ انبیأ نہیں مرتے ہیں۔ وہ قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ حج کرتے ہیں۔ اور زندہ ہیں۔ ایسے بیشمار تذکارہیں۔ جن کو بزرگانِ اُمت نے ایسا واضح فرما دیا ہے۔ کہ کسی مذبذب ایمان والے کو شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ چونکہ یہاں مقصود ہے مسئلہ قیام پر روشنی ڈالنا۔ اسلئے باب میلاد میں طوالت ہوگئی ہے اور یہاں گنجائش نہیں۔ لہذا مسئلہ قیام پر دیوبندیوں کے سیّد ومولا۔ اُستاد ومُرشد حضرت۔ حاجی حافظ شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مختصر تحریر پیش کئے دیتا ہوں۔ تاکہ بقول مولوی سنبھلی صاحب پتہ چل جائے۔ کہ جاہل صوفیوں اور بے شرع پیروں نے اس کو رواج دیا ہے۔ یا اکابرین اُمت نے جن کو مولوی ملتانی صاحب بھی سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ اور اگر وہ بھی مولوی جی کے نزدیک جاہل صوفیوں میں ہی شمار ہیں۔ تو چھٹی ہوئی۔ اور تمام دشنام طرازی کا گلہ جاتا رہا کیونکہ ہم بھی اکیلے مجرم نہیں رہے۔ سنبھلی صاحب کے سب بزرگ بھی اسی جرم کے مجرم نظر آتے ہیں۔ جس کے ہم ہیں۔ چنانچہ شاہ امداد اللہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

میں خود مولود شریف پڑھواتا ہوں۔ اور قیام کرتا ہوں

ایک روز میرا یہ حال ہُوا۔ کہ بعد قیام سب بیٹھ گئے۔ مگر میں بے خبر کھڑا رہ گیا۔ بعد دیر کے مجھے ہوش آیا۔ تب میں بیٹھا۔ بلفظہٖ انوار ساطعہ ص‌۳۲۷ سطر ۱۷"۔
لیجئے آنکھیں کھولئے اور پہلے گھر کے بدعتیوں کی اصلاح کیجئے اور اگر یہ بدعتی نہیں۔ تو اپنا ایمان درست فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے نفرت کرنیوالے نااہل دوستوں کو بھی سمجھائیے کہ مولود شریف کرانے اور قیام تعظیم محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہونیوالے اعلیٰ درجہ کے عالم و فاضل مومن و متقی اور صوفی کامل تھے اور ہیں۔ پھر بڑے بڑے عالموں۔ فاضلوں۔ بزرگوں مفتیوں۔ بادشاہوں اور اپنے مرشدوں پر ہی مبتدع فاسق اور جاہل صوفی ہونے کا فتویٰ دینا کہاں تک حق اطاعت کی ادائیگی۔ اور اپنی مومنانہ شان کی دلیل ہوسکتا ہے۔ لہذا ہم یہ کہنے پر مجبور ہوں گے۔ شعر۔

مثل فارس زلزلے ہوں نجد میں ذکرِ میلادِ پیمبر کیجئے

اگر اس فتویٰ سازی کو اپنی شہرت کا ذریعہ بنانا مقصود ہے۔ تو ہم منع نہیں کرتے۔ مگر پہلے اپنی چارپائی کے نیچے ڈنگوری پھیر لیا کیجئے ایسا نہ ہو۔ اس فتوے کا چور کوئی گھر سے ہی نکل آئے۔ اور بعد کو ندامت اُٹھانی پڑے۔ مگر یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ کہ آپ اس دزد دلاور کی طرح ندامت محسوس کریں۔ جس کا حال یوں کہا جاتا ہے۔

لطیفہ۔ ایک عادی چور اس امر پر چوری کیلئے تُل گیا۔ کہ میرے فلاں متعلقین بڑے مالدار ہیں۔ ہو نہ ہو ان کے ہاں داؤ چلے۔ تو چوری کروں دو چار ہم پیشہ ساتھیوں کو ہمراہ لیا۔ اور وہاں نقب لگائی۔ مال تو بدقسمتی

سے ہاتھ نہ آیا۔ مگر خود پکڑے گئے۔ دوسرے ساتھی تھے عیار وہ نکل آئے۔ اب کیا تھا۔ رات بھر گرفتار کرنے والوں نے وہ جوتوں اور لاٹھیوں سے تواضع کی۔ کہ چمڑا اُدھیڑ دیا۔ شب بھر پیٹنے کے بعد صبح صادق کی روشنی میں گھر والوں نے دیکھا۔ کہ آہا یہ تو ماموں جان ہیں۔ بیچاروں نے اپنی بے عزتی اور خاندان کی بے عزتی محسوس کرتے ہوئے چھوڑ دیا۔ اب خدا خدا کر کے جو عذاب سے نجات ہوئی۔ تو پھر ساتھیوں میں آملے۔ انہوں نے پوچھا میاں کیونکر خلاصی ہوئی۔ کہنے لگے رات بھر تو پابند عذاب رہا جب صبح ہوئی۔ تو گھر والوں نے دیکھا۔ کہ ماموں جان ہیں۔ تو بچارے شرم سے پانی پانی ہو گئے۔ اور مجھے چھوڑ دیا اور معافی مانگنے لگے۔ گویا پکڑنے والوں کو حیا آگئی۔ کہ یہ بزرگ اپنے متعلقین سے ہیں۔ مگر ایں جناب ہیں۔ کہ انکی شرمندگی کا ذکر فرما رہے ہیں۔ اور اپنی وہی اکڑ فوں اور بزرگی کا اظہار ہے

براین عقل و دانش بباید گریست

اور اگر محض پیران عظام کی بغض و عداوت کے ماتحت یہ زہر اگلا ہے۔ کہ ہر جائز و مستحسن فعل شرعی ناجائز قرار دیا جا رہا ہے۔ تو اس حسد کا علاج ہمارے پاس ہے نہیں۔ لاکھوں کروڑوں اسی حسد میں تباہ و برباد ہو گئے۔ مگر پیران طریقت کا خاتمہ نہ ہونا تھا۔ نہ ہوا۔ اور نہ ہو بھی کس طرح۔ اب تو پیری مریدی کی بدعت عوام کو منع کرتے کرتے آپ کے دیوبندیوں نے بھی اختیار کر لی ہے۔ اس کا تدارک کیا ہوگا۔ کہ خود بھی پیروں کی صف میں نظر آتے ہیں۔ ع این گناہ ہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔ اللہ کریم آپ ایسے دوست نما دشمنوں کو شاہ امداد اللہ صاحب کا ہی ان مسائل میں متبع بنا دے۔ تو بھی کچھ تو آئے دن کی گرفتاریوں اور ندامتوں سے بچ جاؤ۔ یاد رکھو کہ جب تک حقیقت پر نہ آؤ گے۔ یہ ذلت دور نہ ہوگی۔ فافہم۔

مسئلہ علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مسلمان بھائیو! ایک مسلمان کیلئے عقائد کا معاملہ جسقدر اہم ہے۔ اسیقدر فی زمانہ اسکی طرف سے عوام کو ذہول ہو رہا ہے۔ اور ضرورت تقلید فضولیات میں شمار کی جاتی ہے۔ حالانکہ اسلامی دنیا میں ابتداء سے لے کر گیارھویں صدی ہجری تک کتب تاریخ سے کسی ایسے محدث مفسر اور فقیہ کا پتہ نہیں چلتا۔ جو غیر مقلد کہلاتا ہو۔ آج اس عدم تقلید کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ دنیا میں اتباع ہوائے نفس کا دروازہ کھل گیا۔ اور جس نے جو چاہا کہہ دیا۔ چنانچہ اسی بے راہ روی اور نااہلی کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ عقائد صحیحہ اسلامیہ کا جو حضرات اکابر آئمہ قرون ثلاثہ کا شعار تھا۔ تمام تار و پود بکھر گیا۔ اور قاعدہ ہے۔ کہ جب عقائد باطلہ سیاہ خانہ عمل میں جاگزیں ہو جائیں۔ تو بزرگان سلف کی نسبت سوء ظنی ہو کر دریدہ دہنی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اسی عدم تقلید کے باعث فیضان روحانی کا بکلی مسدود باب ہو کر بدعقیدگی کی حد ہو چکی ہے بارھویں صدی کے بعد سے لیکر آجتک فرقہ وہابیہ نے اتنا کام نہیں کیا ہے۔ جتنا اس گروہ نے کیا ہے۔ جو اگرچہ تمام اصول وہابیہ کا عامل ہے۔ مگر اس پر کوئی ظاہری اطلاق وہابیت کا عوام الناس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اُن کے عقائد سے جسطرح اہل سنت والجماعت کی تائید ہوتی ہے۔ اس سے صدہا درجہ بڑھکر وہابیہ کو قوت پہنچتی ہے۔ بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ وہابیہ کو بعض مسائل مثلاً امکان کذب باری تعالے۔ امکان نظیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نفی علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم وعدم جواز میلاد شریف۔ عدم جواز نذر نیاز۔ عدم جواز استمداد اولیاء اللہ۔ عدم جواز اعراس اہل اللہ وغیرہ وغیرہ میں اس جماعت سے اسقدر تقویت مل گئی ہے۔ کہ وہ اپنا جوئا اُتار کر اس کے زینت گلو کر چکے ہیں۔ اس سے بحث نہیں۔ کہ دیوبندی ہیں رہیں۔ یا نونہ ہیں گنگوہی ہوں۔ یا نجدی۔ سہارنپوری ہوں یا انبھیٹوی۔ تھانوی ہوں یا تحصیلوی۔ ہیں سب ایک ہی۔ اور بناوٹی حنفیت کے لباس میں اپنا اُلو سیدھا کر رہے ہیں۔

میرے بعض سادہ لوح حنفی بھائی ان حنفی نما وہابیوں کے دام تزویر میں ایسے آگئے ہیں۔ کہ خدا اور رسولِ خدا کی تحقیر اعتقاداً جائز رکھتے ہیں مگر ان اپنے دوستوں کے حق میں ایک لفظ بھی نصیحت کا سُننا پسند نہیں کرتے۔ حالانکہ ان کی ذاتیات سے کسی مسلم کو نہ پرخاش ہے۔ نہ مودّت اگر ہے تو محض مذہب کا واسطہ ہے۔ پھر کیا یہ ظلم نہیں ہے۔ کہ اس مذہب کی آڑ میں یہ لوگ توہین و تحقیر نبوی اور اہانت شان الٰہی جائز رکھیں۔ اور مسلمان ان کو محض مسلمان ہی نہیں۔ بلکہ اپنا ہادی و مقتدیٰ مانیں۔ خصوصاً یہ اثر انگریزی زدہ احباب نے زیادہ قبول کیا ہے۔ جو علمِ دین کی خصوصیات اور اعتقادات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی ضمن میں آج کل مسئلہ علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان گلابی وہابیوں کی پوری پوری مُنکرانہ کوششوں کے ساتھ معرضِ بحث میں آیا ہُوا ہے۔ اور مسلمانوں کو اس عقیدہ پر رغبت دلائی جا رہی ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علمِ غیب قطعی نہ تھا۔ حالانکہ یہ عقیدہ تمام سلف صالحین کے خلاف ہے۔ اور اس میں سرکارِ دوجہاںؐ کی توہین اور دیگر انبیاء علیہم

السلام کے مقابلہ میں کسر شان بھی ہے۔ جو مسلمان سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الرسل سید المرسلین مانتا ہے۔ وہ یہ عقیدہ رکھ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ ہم کو قرآن کریم سے ایسے انبیاء علیہم السلام کی فہرست ملتی ہے۔ جو اپنے مدارج میں علم غیب کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔ مگر یہ ہمارے دیوبندی حضرات ہیں۔ کہ افضل المرسلین مانتے ہوئے حضور علیہ السلام کی بمقابلہ دیگر انبیاء علیہم السلام تنقیص کرنے سے نہیں چوکتے معلوم نہیں اُنہیں حضور علیہ السلام کی شان کو گھٹانے میں کیا لطف آتا ہے۔

مولوی اشفاق علی صاحب سنبھلی ملتانی نے جہاں اور تمام عقائد اہلسنت والجماعت کے مخالف قلم اٹھایا ہے۔ وہاں ان کی زد سے مسئلہ علم غیب بھی مجروح ہوئے بغیر نہیں رہا۔ حالانکہ یہ مسئلہ وہ ہے۔ جس پر بے شمار رسائل صحتِ عقیدہ میں لکھے جا چکے ہیں۔ مگر ان کو بار بار اعتراض کرنے اور جواب لینے میں ذرا بھی تشکی معلوم نہیں ہوتی۔ یہاں فقیر بھی اپنے عقیدہ کے مطابق مختصر جواب عرض کرتا ہے۔ ہدایت کی توفیق رب العزت کو ہے۔

حضرات کسی مسئلہ کی بحث کرنے سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہوتا ہے۔ کہ اس کی نوعیت کیا ہے۔ اور قائل اس کی حقیقت کو اپنے عقیدہ اور خیال میں کسطرح جگہ دیتا ہے۔ کیونکہ اس وضاحت سے معترض بھی اعتراض میں تعجیل سے کام نہیں لیتا۔ اور قائل بھی اپنے قول میں لغزش نہیں کر سکتا۔ جب ہم کو یہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ علم غیب کیا چیز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کس طرح مستحق

ہیں۔ اور علم غیب الٰہی اور نبوی میں کیا مناسبت ہے۔ اور اس عقیدہ کے رکھنے یا نہ رکھنے سے مسلمان گنہگار تو نہیں ہوتا۔ پھر یقیناً ایک ذی علم اور ذی فہم بے تعصب انسان اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ کہ علمِ غیب نبوی علیہ السلام پر اس کا کیا عقیدہ ہونا چاہیئے۔ میں نے دیکھا ہے۔ کہ اکثر رسائل کسی ضروری مسئلہ کی بحث کو لیکر معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ مگر اُن کے مصنفین حضرات کی زبان درازی یا بد کلامی عوام کو مجبور کرتی ہے۔ کہ وہ ایسی کتاب سے طبعاً متنفر ہو جایئں۔ جسمیں اخلاقی کمزوری سے کام لیا گیا ہو۔ بفضلہٖ تعالےٰ اس تحریر میں فضول گوئی کی جانب رُخ بھی نہیں ہو گا البتہ بعض اعتراضوں کے جواب اور نفس مسئلہ کے متعلق مختصر علمی بحثیں ہوں گی۔

سُنیئے! علمائے کرام غیب کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک غیب کس چیز کو کہتے ہیں۔

تفسیر کبیر جلد اوّل مصری صـــ۱۶۹ سطر ۲۷۔ ان الغیب ھوالذی یکون غائباً عن الحاسۃ۔ یعنی غیب وہ ہے۔ جو حاسہ سے باہر ہو۔ یعنی حواس خمسہ دیکھنے۔ سونگھنے۔ سُننے۔ چکھنے۔ چھونے سے الگ ہو۔

تفسیر عزیزی میں شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جلد اوّل سورۃ بقر۔ صـــ۵۷ سطر ۲ میں لکھا ہے۔ غیب نام آں چیز است۔ کہ از ادراک حواس ظاہرہ و باطنہ خارج باشد۔ یعنی غیب وہ چیز ہے۔ جو حواس ظاہری و باطنی کے ادراک سے خارج ہو۔ اور یہی تعریف غیب کی تفسیر عزیزی جلد دوم صـــ۲۰۵ سطر اوّل میں شاہ عبد العزیز صاحب نے فرمائی ہے۔ اور اسی کے ماتحت ہمیں سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا علم

ثابت کرتا ہے۔ اور اسی کے ماتحت اہل سنت کا عقیدہ کا اظہار ہوگا۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ علماء کرام اہل سنت حضور سرورِ عالم تاجدارِ عرب و عجم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے نہ جمیع غیوب نامتناہیہ کا علم ثابت کرتے ہیں۔ اور نہ جملہ معلومات الٰہیہ کا مقابلتاً حضور علیہ السلام کے علم کو علمِ الٰہی سے کوئی برابری کی نسبت نہیں دیتے۔ اور یہ بھی عقیدہ نہیں رکھتے۔ کہ ذرہ کو آفتاب سے یا قطرہ کو سمندر سے جو نسبت ہے۔ یہی خالق و مخلوق میں متصور ہو جائے۔ کیونکہ خدا اور رسولِ خدا میں مماثلت اور مساوات سوءِ ادبی باری تعالیٰ ہے۔ تمام مخلوق کے علوم علمِ الٰہی کے حضور میں اقل قلیل اور کوئی ہستی نہیں رکھتے۔ ہم نہ مثل اور برابری کے قائل۔ کہ خدا اور رسول خدا کے علمِ غیب کو ایک کر دکھائیں۔ اور نہ عطائے الٰہی اور فضائل ایزدی کے منکر۔ کہ شانِ نبوی کو گھٹائیں۔ اور خداوند عالم کے ذمہ امکان کذب کے بہتان لگائیں۔ معترضین کا یہ کہنا کہ علمائے اہل سنت خدا کے علم غیب میں برابری اور مماثلت کر دیتے ہیں۔ محض بہتان اور علمائے اہل سنت پر صریح افترا ہے۔ یہ عقیدہ ضالہ بفضلہٖ تعالیٰ علمائے اہل سنت کے کسی ایک کا بھی نہیں۔ ہاں مخالفین کیطرح منکرِ علمِ غیب رسول اللہ نہیں ہیں۔ یہ ضرور مانتے ہیں۔ کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اور ایسی وسیع فضیلت کے لئے وسعتِ علم بھی ایسی ہوئی مانتے ہیں۔ کہ حضور علیہ السلام کی روح اقدس سے عالم کی کوئی چیز عرشی ہو یا فرشی۔ دنیا کی ہو یا آخرت کی پردہ حجاب میں نہیں ہے۔ حضور سب کے عالم ہیں۔ اور ذرہ ذرہ حضور پر ظاہر و روشن ہے۔ مگر حضور کے اس علم کو علم الٰہی سے کوئی نسبت نہیں

کیونکہ وہ علم غیر متناہی ہے۔ اور حضورؐ کا علم خواہ کتنا ہی وسیع ہو۔
متناہی ہے۔ اور متناہی کو غیر متناہی سے کوئی مساوات کا تعلق نہیں
ہوتا۔ ہاں اتنی وسعت علم دیکھکر اگر مخالفین سٹ پٹا جائیں۔ کہ یہ رسول
اللہ کے لئے مان لیا۔ اور خدا کے پاس اب اس کے سوا باقی کیا رہ
گیا ہو گا۔ اور ان کی تنگ ظرفی علم الٰہی کو بھی محدود اور نہایت کم
استعداد کا خیال کرے۔ تو یہ ان کی اپنی کوتاہ نگاہی ہے۔ کہ علم الٰہی
کو عالم میں منحصر خیال کریں۔ یا علم متناہی کے برابر ٹھہرائیں۔ اہل سنت
علم الٰہی کو محدود نہیں مانتے۔ اور نہ علم متناہی سے مماثلت کر کے علم
قدیم ازلی سے جس کے معلومات لاانتہا ہیں۔ کوئی مزاحمت کراتے ہیں۔
کیونکہ علم قدیم کے معلومات اس عالم میں منحصر نہیں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ اسرار
ربوبیت و اوصاف الوہیت جو غیر متناہی ہیں۔ اس عالم ہی سے نہیں
ہم حضورؐ کے علم کو عطائے الٰہی کا اقرار کرتے ہوئے اس وسعت کیساتھ
تسلیم کرتے ہیں۔ جو حضورؐ کو عطا فرمائی گئی۔ اور علم الٰہی کو اس کی بے
مثال عظمت کیساتھ ذاتی اور مخصوص بحق مانتے ہیں۔ درحقیقت یہ مغالطہ
ان ہی لوگوں کو ہے۔ جو رسولِ خدا کے علم کے مقابلہ میں علم الٰہی کو بھی
محدود اور متناہی خیال کرتے ہیں۔ اور خداوند عالم کے علم کی تنقیص
کرنے میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ لوگ اللہ جل شانہ کی قدرت اور علم سے
واقف ہوتے۔ تو رسولِ خدا کے علم کی وسعت کا انکار نہ کرتے ہوئے
اہل سنت والجماعت کو مساوات کرنے کا الزام نہ لگاتے۔ اور حقیقت میں
بات یہ ہے۔ کہ مدارج نبوت اور مراتب رسالت کے کمالات کا وہی منکر
ہو سکتا ہے۔ جو خداوندِ عالم کی قدرت و عظمت سے بے خبر ہو۔

کتاب الدبریز کے مصنف اسی کتاب کے صہ۱۳۳ میں اپنے شیخ کی نسبت دے کر فرماتے ہیں۔ کہ اس امتیاز میں سب سے زیادہ قوی روح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کہ اس روح پاک سے عالم کی کوئی چیز پردہ میں نہیں۔ یہ روح مقدس عرش اور اس کی بلندی پستی دُنیا و آخرت جنت و دوزخ سب پر مطلع ہے۔ کیونکہ یہ سب اسی ذات مجمع کمالات کیلئے پیدا کی گئی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔ آپ کی تمیز ان جملہ عالموں کی خارق ہے۔ آپ کے پاس اجرام سمٰوات کی تمیز ہے۔ کہ کہاں سے پیدا کئے گئے۔ کیوں پیدا کئے گئے۔ اور کیا ہو جائیں گے۔ اور آپ کے پاس ہر آسمان کے فرشتوں کی بھی تمیز ہے۔ اور اس کی بھی کہ وہ کہاں سے اور کب پیدا کئے گئے۔ اور کہاں جائیں گے۔ اور ان کے اختلاف مراتب اور منتہائے درجات کی بھی تمیز ہے۔ اور ستر پردوں اور ہر پردہ کے فرشتوں کے جملہ حالات کی بھی تمیز ہے۔ عالم علوی کے اجرام نیرہ۔ ستاروں۔ سورج۔ چاند لوح و قلم۔ برزخ اور اس کی ارواح کی بھی ہر طرح امتیاز ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینوں اور ہر زمین کی مخلوق خشکی اور تری کا بھی حال معلوم ہے۔ اسی طرح تمام جنتیں اور اُن کے درجات اور ان کے رہنے والوں کی گنتی اور مقامات سب خوب معلوم ہیں۔ لیکن اس علم نبوی کی علم قدیم ازلی سے کوئی نسبت نہیں۔ اسلئے کہ اُس کے معلومات بے انتہا ہیں۔ اس کی وضاحت منہاج النبوت ترجمہ مدارج النبوت جلد اوّل صہ۳۴۶ سطر ۵ میں یوں فرمائی گئی ہے۔ فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔ یعنی وحی کیا پروردگار نے طرف اپنے بندے کے جو کچھ وحی کیا بطریق الہام کے یعنی وحی کیا سو کیا خدا جانتا ہے۔ یا اُس کا رسول۔ دوسرا کیا پا سکتا ہے۔ تمام علوم اور معارف

حقائق اور بشارات۔ اشارات اور اخبار۔ آثار اور کرامات و کمالات۔ اس الہام کے احاطہ میں داخل ہیں۔ اور تمام کو یہ شامل ہے۔ اور کثرت اور عظمت سے ہے۔ جو ملہم لایا۔ اور بیان نہ کیا۔ ان اشارات کے تنبیئں اُوپر اس بات کے کہ سوائے علام الغیوب کے اور اس کے رسول محبوب کے کوئی اس پہ احاطہ کرنیوالا نہیں ہو سکتا۔

ان ہر دو عبارتوں سے رسولِ خدا کے علم کی نسبت معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کس قدر ہے۔ اور متقدمین اسلام اس کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہے۔ کہ باوجود اس طرح ماننے کے علم الٰہی سے اس کی کوئی مماثلت نہیں ہوتی۔ فقیر انشاء اللہ اس کو دو عنوانوں میں علیحدہ علیحدہ درج کرتا ہے۔ تاکہ علم الٰہی اور علمِ نبوی کی مماثلت اور مساوات کا شبہ نکل جائے۔ اور یہ بھی معلوم ہو جائے۔ کہ سلف صالحین نے علم الٰہی کے متعلق کیا عقیدہ رکھا ہے۔ اور علم نبوّی کو کس مرتبہ تک تسلیم کیا ہے۔ اور اس کو خدا کے علم کے برابر نہ جانکر کفر اور شرک کے موجودہ فتووں سے کس طرح محفوظ و مامون رہے ہیں۔

<u>بیان علم اللہ تعالےٰ میں</u> صحیح بخاری جلد دوم ص۱۲۶ سطر۴ مطبوعہ مصری۔ قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام فلمّا رکبا فی السفینۃ جاء عصفور فوقع علی حرف السفینۃ فنقر فی البحر نقرۃ او نقرتین قال لہ الخضر یموسیٰ مانقص علمی وعلمک من علم اللہ الا مثل مانقص ھذا العصفور بمنقارہ من البحر۔ (الحدیث بلفظہا)

یعنی موسےٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کشتی پر سوار ہوئے۔ تو ایک چڑیا کشتی کے کنارے پر آکر بیٹھی۔ اور اُس نے اپنی چونچ کو سمندر میں ڈبو

دیا۔ پس خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا۔ کہ تمہارا علم۔ اور سارے جہانوں کا علم اللہ تعالےٰ کے علم کے مقابلہ میں اتنا ہے۔ جتنا چڑیا نے سمندر میں سے اپنی چونچ میں لیا۔ شرح عقائد علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ ص۲۷ معلومات اللّٰہ تعالےٰ اکثر من مقدوراتہ مع لا متناھیتھما یعنی اللہ تعالےٰ کے معلومات مقدورات سے بہت زیادہ ہیں۔ باوجود اس کے کہ دونوں کی کوئی انتہا نہیں۔ (معلومات کی اور مقدورات کی)

شرح مواقف موقف ثانی علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ واعلم ان معلومات اللّٰہ تعالےٰ اکثر من مقدوراتہ مع ان کل واحد منھما غیر متناھیۃ۔ یعنی جان تو۔ تحقیق اللہ تعالےٰ کے معلومات بہت زیادہ ہیں۔ اس کے تقدیر کئے ہوئے سے باوجود اس کے کہ ہر ایک ان دونو میں سے غیر منتہی ہے۔

حاشیہ بیضاوی۔ میں علامہ خفاجی علیہ الرحمۃ سے ہے۔ ان معلومات اللّٰہ تعالےٰ لا نھایۃ لھا وغیب السمٰوات والارض وما یبدونہ وما یکتمونہ قطرۃ منھا۔ یعنی تحقیق اللہ تعالےٰ کی معلومات کی انتہا نہیں ہے۔ اور غیب آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور چھپاتے ہیں اس کو۔ اس سے ایک قطرہ ہے۔

کیمیائے سعادت۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ میں ہے۔ ہیچ سلیم دل نبود کہ ایں قدر نداند۔ کہ علمِ فرشتگاں و آدمیاں در جنب علمِ حق تعالیٰ ناچیز است وہمہ را گفتہ کہ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ فرمایا کوئی سلیم دل نہیں جو اس قدر نہ جانے کہ۔ علم فرشتوں اور آدمیوں کا علم حق تعالےٰ کے حضور میں ناچیز ہے۔ اور اس نے سب کو فرما دیا ہے۔ کہ تم علم سے بہت تھوڑا

دیئے گئے ہو۔

الغرض اللہ تعالےٰ کے علم میں یہ عقیدہ علمائے اسلام اہلسنت کا ہے جو مشتے نمونہ از خروارے۔ دو چار کتب سے بالاختصار نقل کر دیا ہے۔ تاکہ معترض بھائی کو یاد رہے۔ کہ ہم اس میں یعنی علم الٰہی میں کسی مساوات و مماثلت کے معتقد نہیں ہیں۔

بیان علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے سے پہلے یہ ذکر کر دینا بے محل نہ ہو گا۔ کہ ہمارے بعض بھائی بغیر دیکھے سُنے اہل سنت کو طعن کرتے ہیں۔ کہ یہ لوگ اپنے مشرکانہ عقیدہ کے ماتحت مراتب علم و نعمت میں خداوندِ عالم جل شانہ اور رسول اللہ علیہ وسلم کو برابر کر دیتے ہیں۔ اور اسقدر بڑھاتے ہیں۔ کہ تمیز ہی نہیں چھوڑتے مگر یہ بات ہماری سمجھ میں آجتک نہیں آئی۔ کہ بڑھانے گھٹانے کا معاملہ ان بھائیوں نے کہاں سے ثابت کیا ہے۔ علمائے اہل سنت تو پکار پکار کر فرما رہے ہیں۔ کہ ہم اس سے بری الذمہ ہیں۔ اور ہمیں اس عقیدہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہاں عنائیات ایزدی کا رسول خدا کی نسبت اقرار ضرور کرتے ہیں۔ کیونکہ اس کے اقرار کئے بغیر کوئی مومن مومن نہیں ہو سکتا۔ کس قدر تعجب انگیز یہ امر ہے۔ کہ خدا کے دیئے ہوئے کی بھی نسبت کرنا ہندوستان کی مذہب انگیز زمین میں کفر اور شرک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو سراسر شان نبوی میں تعصب اور سُوء فہمی کے مرادف ہے۔ خدا اگر اپنے محبوب و مختار نبی (فداہ امی وابی) کو اپنے انعام سے مالا مال فرماتا ہے۔ تو اسمیں متعصبین کو چون و چرا کا کیا حق ہے۔ کیا وہ علم الٰہی کی کوئی حد مقرر کرتے ہیں۔ جس کے ساتھ برابری کا شبہ ان کو دن رات رسولِ خدا کی

طرف سے بے چین رکھتا ہے۔ اور اگر وہ بے حد اور بے انتہا ہے۔ تو اس برابری کی غیرت کے کیا معنی ہیں۔ ہم اس شبہ کو یہاں صاف کرتے ہیں اور ایک دو حوالہ جات سے دکھاتے ہیں۔ کہ ہمارا عقیدہ علمِ غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کس طرح ہے۔ باقی حوالہ جات کسی دوسرے مقام پر اسی تحریر میں بطور ثبوت پیش کریں گے۔ جس سے علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت ہو جائے گی۔ معلوم کیجئے کہ علمِ غیب کی تقسیم دو طرح پر ہے۔ اوّل حقیقی یا استقلالی یا ذاتی۔ دوسرا اضافی یا وہبی یا تعلیمی۔ پہلی قسم کا علمِ غیب جو بلا کسی وسیلہ یا ذریعہ کے ہے۔ بالاستقلال ذاتی ہے۔ اور وہ خاص اللہ تبارک وتعالےٰ کیواسطے ہے۔ اور دوسرا علم غیب جو اضافی یا وہبی یا تعلیمی ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کو ثابت ہے۔ جس کا ہم آگے چلکر بفضلہٖ تعالےٰ وضاحت سے ثبوت پیش کریں گے۔ اگر باور نہ ہو۔ تو لیجئے سب سے پہلے ہم معترض صاحب کے ایک ہم عقیدہ عالم کی تحریر پیش کرتے ہیں۔ کہ وہ اس عقیدہ میں کیا کچھ اظہار کرتے ہیں دیکھو کتاب صراطِ مستقیم مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی بلفظہٖ صت ۱۰۱ سطر ۲۔

(ا) وہمچنین اصحاب این مراتب عالیہ وارباب این مناسب رفیعہ ماذونِ مطلق در تصرف عالم مثال وشہادت مے باشند۔ واین کبار اولی الایدی والابصار را میرسد۔ کہ تمامی کلیات را بسوئے خود نسبت نمایند مثلاً ایشاں را میرسد۔ کہ بگویند کہ از عرش تا فرش سلطنت ماست الاخرہ بلفظہٖ صت ۱۰۱ سطر ۲۔

(ب) افادہ ا۔ برائے انکشاف حالاتِ سمٰوات وملاقاتِ ارواح و ملائکہ وجنت ونار واطلاع بر حقائق آں مقام و دریافت امکنہ آنجا و

انکشاف امرے از لوح محفوظ ذکر یاحی یاقیوم است بلفظہٖ ص ۱۱۳ سطر ۷

ج۔ افادہ۔ ا۔ برائے کشف ارواح و ملائکہ و مقامات آنہا و سیر امکنہ زمین و آسمان و جنت و نار و اطلاع بر لوح محفوظ شغل دورہ کند۔ و طریقش در فصل اوّل مفصلاً مذکور شد۔ الاخر بلفظہٖ ص ۱۱۷ سطر ۸۔

سمجھ لیا ہو گا۔ یہ ہے۔ دستاویز مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کی وہ لکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی الگ رہی۔ صرف اولیأ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے یہ مرتبے ہیں۔ کہ تمام زمینوں آسمانوں کے حالات اور دوزخ و جنت کی سیر۔ اور لوح محفوظ پر اطلاع پانا۔ ان کا ثابت ہے۔ اور یہ بھی استحقاق لکھتے ہیں۔ کہ ان کو جائز ہے۔ وہ یہ بات بھی کہہ دیں۔ کہ عرش سے لیکر فرش تک ہماری بادشاہی۔ اور سلطنت ہے۔ یہاں سے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ جب اولیأ کرام کا تمام جہانوں پر تصرّف اور علم غیب لوح محفوظ پر اطلاع ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے مقابلے میں ایک قطرے کے بھی مقدار نہیں۔ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرّف اور علم کا کیا اندازہ ہو گا۔ تفسیر روح البیان کے ص ۳۷۵ پر ایک عبارت یوں ہے۔ قال شیخنا العلامہ ابقاہ اللہ بالسلامۃ فی الرسالۃ الرحمانیۃ فی بیان الکلمۃ العرفانیۃ علم اولیاء من علم الانبیا بمنزلۃ قطرۃ من سبعۃ البحر و علم الانبیا من نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھذہ المنزلۃ و علم نبینا من علم الحق سبحانہ بھذہ المنزلۃ۔ یعنی رسالہ رحمانیہ فی بیان کلمۃ العرفانیہ میں ہے کہ علم اولیاء اللہ کا علم انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں سات سمندر میں

میں سے ایک قطرہ ہے۔ اور علم تمام انبیأ علیہم السلام کا مقابلہ میں علم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا ہے۔ جیسے سات سمندروں سے ایک قطرہ۔ اور علم سرورِ عالم علیہ السلام کا علم الٰہی سبحانہ و تعالےٰ کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے۔ جیسے ایک قطرہ۔ زرقانی شرح مواہب اللدنیہ میں حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔ کہ نبوت اس چیز سے عبارت ہے جسکے ساتھ نبی مختص ہے۔ اور غیروں سے ممتاز ہے۔ ایک یہ کہ جو امور اللہ تعالےٰ اور اس کی صفات اور فرشتوں اور آخرت کے ساتھ متعلق ہیں نبی انکی حقائق کا عارف ہوتا ہے اور دوسروں کو کثرت معلومات اور زیادتی کشف و تحقیق میں اس سے کچھ نسبت نہیں۔ دوم یہ کہ ان کی ذات میں ایک ایسا وصف ہے۔ جس سے افعال خارقہ عادت تمام ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ ہمیں ایک وصف قدرت کا حاصل ہے۔ کہ جس سے ہمارے حرکاتِ ارادیہ پورے ہوتے ہیں۔ سوم یہ کہ نبی کو ایک ایسا وصف حاصل ہے جس سے ملائکہ کو دیکھتا ہے۔ اور ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جس طرح کہ بینا کو ایک وصف حاصل ہے۔ جس کے باعث وہ نابینا سے ممتاز ہے چہارم یہ کہ نبی کو ایک ایسا وصف حاصل ہے۔ جس سے وہ غیب کی آئندہ باتوں کو ادراک کر لیتا ہے۔

اس عبارت امام غزالی علیہ الرحمۃ سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ اللہ جل شانہ نے انبیاء علیہم السلام کو حقائق امور کا علم عطا فرمایا۔ اور کثرت معلومات زیادتی کشف و تحقیق میں اور سب سے ممتاز فرمایا ہے۔ افعال خارقہ کی ایسی صفت عطا فرمائی ہے۔ جیسے ہم کو حرکات ارادیہ کی کہ ہم جب چاہیں حرکت کریں۔ ایسے ہی وہ جب چاہیں۔ افعال خارقہ

ظاہر فرمادیں۔ ایک صفت ایسی دی جس سے وہ ملائکہ کو اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح بینا اندھے کے مقابلہ میں دیکھتا ہے۔ اور ایک صفت غیب کی ایسی عنایت فرمائی جس سے غیب کی آئندہ باتیں وہ جانتے ہیں۔ کیوں صاحب امام غزالیؒ بھی اس فتوے کا شکار ہیں جس سے موجودہ اہل سنت پر مشرکانہ نوازش ہوتی ہے۔ یا یہ مستثنےٰ ہیں۔

کون کہتا ہے کہ نبی کا علم غیب خدا کے برابر ہے۔ اور کون کہتا ہے۔ کہ خدا اگر عطا کرے۔ تو بھی شرک ہی کہتے چلے جاؤ۔ اگر خدا کا عطیہ ماننا بھی شرک ہی ہے۔ اور نبی کو اس کی اوصاف سے متصف ماننا گناہ کبیرہ ہے۔ تو ڈر ہے۔ کل کو یہ نہ کہنے لگ جاؤ۔ کہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ یہ محمد الرسول اللہ کیسی مخلوق جز ہے۔ لہٰذا مسلم وہی ہو سکتا ہے۔ جو صرف توحید الٰہی کے ماتحت لا الہ الا اللہ ہی پڑھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کہنے سے ایک وقت میں مماثلت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا شرک ہے (نعوذ باللہ)

یہاں مثال کے طور پر ایک اور حوالہ درج کیا جاتا ہے جس سے واضح ہو جائے گا۔ کہ متقدمین اسلام غیب پر کسی مخلوق کے مطلع ہونے کے قائل تھے یا نہیں۔ اور یہ عقیدہ جس پر اہل سنت قائم ہیں غلط ہے۔ یا صحیح اس کے بعد ہم وہ آیات قرآنی اور احادیث و اقوال سلف صالحین علیحدہ علیحدہ تقسیم ابواب کیساتھ ثبوت میں پیش کر دیتے ہیں۔ جس سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام و اولیائے کرام علیہم الرحمتہ والرضوان کا اعلیٰ قدر مراتب مطلع از غائب ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اس کے بعد مخالف دمطابق کو حق کے قبول کرنے میں اختیار ہو گا۔ رہا

علینا الا البلاغ ۔
وہ حوالہ جس کا ہم نے اُوپر ذکر کیا ہے ۔ یہ ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح جلد ا صـ۲۴۵ میں تحریر فرماتے ہیں ۔
ان للغیب مبادی ولواحق فھو نمبادیھما لا یطلع علیہ ملک مقرب ولا نبی واما اللواحق فھو ما اظھرہ اللہ تعالیٰ علی بعض احبابہ لوحۃ علمہ وخرج بذالک عن الغیب المطلق وصار غیبا اضافیاً وذالک اذا تنورت الفلسیہ وازداد ۔ نور امنتہا واشراقھا بالاعراض عن ظلمۃ عالم الحس وبتجلیۃ القلب عن صدا ء الطبیعۃ والمواظبۃ علی العلم والعمل وفیضان الانوار الالھیۃ حتی یقوی النور وینبسط فی فضاء قلبہ وتنعکس فیہ النقوش المرتسمہ فی اللوح المحفوظ ولطلع علی المغیبات وبتصرف فی عالم السفلی بل یتجلی حینئذ الفیاض الاقدس بمعرفتہ التی ھی اشرف العطایا فکیف بغیرہ خلاصہ یہ کہ غیب کے مبادی پر کوئی ملک مقرب و نبی مُرسل مطلع نہیں ۔ البتہ غیب کے نورحق پر اللہ تعالےٰ نے اپنے بعض احباب کو مطلع فرمایا ہے ۔ جس کے علوم میں سے ایک لوح کا علم بھی ہے ۔ اور یہ غیب اضافی ہے ۔ اور یہ جب ہے ۔ کہ جب روح قدسیہ منور ہوتی ہے ۔ اور عالم حس کی ظلمت اور تاریکی اعراض کرنے دل صاف ہوئے علم و عمل پر مواظبت کرنے اور انوار الٰہیہ کے فیضان کے باعث اس کی نورانیت اور اشراک زیادہ ہو جاتا ہے ۔ اور لوح محفوظ کے نقوش اس میں منعکس ہو جاتے ہیں ۔ اور یہ مغیبات پر مطلع ہو جاتا ہے ۔ اور عالم سفلی میں تصرّف

کرتا ہے۔ بلکہ اس وقت خود فیاض اقدس جلشانہ اپنی معرفت کے ساتھ تجلی فرماتا ہے۔ اور یہی بڑا عطیہ ہے جب یہی حاصل ہو۔ تو اور کیا رہ جائے گا۔ اس عبارت سے یہ پورے طور پر واضح ہو گیا ہے۔ کہ اللہ تعالٰے اپنے احباب کے دل میں ایسا روشن نور عطا فرماتا ہے۔ جس میں لوح محفوظ اس طرح منعکس ہو جاتی ہے۔ جیسے آئینہ میں صورت۔ اس نور پاک سے اللہ تعالیٰ کے احباب غیبوں پر مطلع ہوتے ہیں۔ عالم میں تصرف کرتے ہیں۔ بلکہ خود اللہ کریم ان کے دلوں میں تجلی فرماتا ہے۔ چونکہ اہل سنت و الجماعت تو جمیع انبیاء صلوات اللہ علیہم اجمعین کو اور اولیاء کرام قدس اللہ تعالٰے اسرارہم کو اللہ تعالٰے کے دوستوں اور احباب سے مانتے ہیں۔ اسلئے یہ رُتبے ان کو حاصل ہونا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ جن کوتاہ نگاہوں کے نزدیک انبیاء اور اولیاء۔ اللہ کے احباب سے نہیں ہیں۔ وہ علم غیب کسی ایسے کو نسبت کر دیں جس کو اس کا مستحق خیال کریں۔ جیسے منکرین کی کتاب براہین قاطعہ مؤلفہ خلیل احمد انبیٹھوی صـ۴۷ میں لکھا ہے۔ کہ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کو وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے۔ یہ ہے عقیدہ ان کا جو علمبردارانِ توحید کہلاتے ہیں۔ اور دوسروں کو شرک سے متہم کرتے ہیں۔ کیا مومن کی شان اسلامی یہی ہے۔ کہ احسانات رسول اللہ کو تعصب کے پردے میں ڈال کر یہ ایمان رکھے۔ کہ شیطان اور ملک الموت کا علم تو نص قطعی سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی علم نص سے نہیں۔ اور نہ اُس پر کوئی نص قطعی دلیل ہے۔ کیا ایسے علماء شیطان کی نافرمانی کا درجہ محبانِ الٰہی سے زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جو علمِ غیب جیسا

انعام الٰہی اس کی تفویض میں دینا منظور فرماتے ہیں۔ کتاب حفظ الایمان کے صٰ پر مولوی اشرف علی صاحب بھی علم غیب نبوی کی نفی کرتے کرتے اور مندرجہ بالا عقیدہ کی تائید میں یہاں تک غصے میں آ کر لکھ مارتے ہیں۔ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہ ہوگا۔ پھر یہ کہ آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا۔ اگر بقول زید صحیح ہو۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے۔ کہ اس غیب سے مراد بعض ہے۔ یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس میں حضورؐ کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کیلئے بھی حاصل ہے۔ کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے۔ جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔ بلفظہ صـــــ حفظ الایمان مولوی اشرف علی تھانوی۔ اس مضمون سے ان عاشقانِ نبوت کے قلبی پیار کا پتہ چل گیا ہوگا۔ کہ اوّل تو حضور علیہ السلام کے علمِ غیب کلی کی نفی کرتے ہیں۔ کہ یہ مماثلت باری تعالےٰ ہے۔ اور شرک ہے۔ پھر جب علم غیب نبوی عطائی وہبی۔ اضافی سامنے آتا ہے۔ تو معلوم کرتے ہیں۔ کہ اس کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔ تو اس کو خصوصیات نبوی سے ہی نہیں مانتے۔ اور اس کے مقابلہ میں نبی کی ذات کے سامنے دیوانوں۔ لڑکوں۔ چارپایوں۔ حیوانوں کو لاکر اُن کا علم جزئی تسلیم کر کے پھر ان کے بعد نبی کی ذات کو بطریق طعن ذکر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ کلی ہم نہیں مانتے اور جزئی میں حیوانات بھی شامل ہیں۔ لہٰذا حیوانات کا تسلیم کرلو۔ اور سرکارِ دوجہاں کیلئے نہ کلی نہ جزئی تسلیم کرو۔ اگر دونوں سے ایک بھی ہم نے مان لیا۔ تو پھر اہل سنت ہوگئے۔ ساری اپنی پنچتہ محو سہو ہو کر رہ جائے گی۔ اور جن بھیڑوں کو مشترکہ گلے کے جانوروں کی طرح

ہم نے نشان لگا رکھا ہے۔ یہ بھی ہاتھ سے جاتی رہیں گی۔ کیا اسلام میں ہمارے لئے تعلیم یہی ہے۔ کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نعوذ باللہ کوئی خصوصیت علمِ غیب کی نہیں۔ ایسا غیب زید وبکر بلکہ ہر ایک لڑکے اور پاگل اور جانوروں اور چوپایوں اور ڈھور ڈنگروں کو بھی حاصل ہے۔ جیسا رسول اللہ کو ہے۔ یہ ہے ایک توحید پرست۔ دیوبندی مسلمانوں کے مذہبی پیشوا کا عقیدہ نعوذ باللہ من ھٰذہ الخرافات۔ معلوم نہیں ہوتا کہ ایک ذی علم عالم نے رسولِ خدا کی تحقیر میں تمام جاندار اجسام کا علمِ غیب جزئی تو تسلیم کر لیا ہے۔ مگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس عطیہ ربانی کو ذکر کرتے اور اعتقاد رکھتے کیوں شرم آتی ہے۔ اور وہ کونسی چیز ہے۔ جو سرکارِ دوجہاںؐ کی شانِ امتیازی کے تسلیم کرنے سے باز رکھتی ہے۔ فقیر کہتا ہے ؎

محمدؐ تاجدارِ کشورِ اسرارِ شاہی ہے ۔۔۔ سراپا علم ہے اعجاز ہے سِرِّ الٰہی ہے

اور سُنئے کتاب الدبریز شریف کے صـ ۲۶۲ پر ایک عبارت آتی ہے۔ جس کا خلاصہ ترجمہ فقیر یہاں درج کرتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ تحقیق اگر زندہ رہیں جبرئیل علیہ السلام ایک لاکھ برس سے دوسرے لاکھ برس تک یا اسقدر زندہ رہیں۔ کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ تو بھی معرفت سرورِ عالم سے اور ان کے علم سے جو ان کو ان کے ربّ جل مجدہٗ نے عطا فرمایا ہے چوتھا حصّہ بھی نہیں پائیں گے۔ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام زیادہ علم والے ہوں۔ سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ حالانکہ جبرائیل علیہ السلام ان ہی کے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ دُررالغواص عن فتوٰی علی الخواص حضرت علامہ اجل امام وہاب الدین

شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ص ۶۸ میں ہے۔ قال ولما لقن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ وخلع علیہ ذالک صار یقول عندی من العلم الذی اسرہ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالیس عند جبرئیل ولا میکائیل فقال لہ ابن عباس کیف ذالک یا امیر المومنین فقال ان جبرائیل علیہ السلام تخلف عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الاسراء وقال ما منا الا لہ مقام معلوم فلا یدری ما وقع بعد ذالک الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اھ)

یعنی کہا۔ اور جب تعلیم کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو۔ یعنی حضرت علی پر اس تلقین کو پیش کیا۔ تو حضرت علی فرمانے لگے میرے پاس اس علم میں سے جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کیا۔ وہ علم بھی ہے۔ جو جبرائیل و میکائیل جیسے فرشتوں کے پاس بھی نہیں ہے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضؓ نے آپ سے سوال کیا کس طرح ہے یہ۔ یعنی اس کا مطلب کیا ہے۔ اے امیر المومنین۔ ایس جواب دیا حضرت علی کرم اللہ وجہ نے۔ تحقیق جبرائیل علیہ السلام پیچھے رہ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج میں۔ اور کہا جبرائیل علیہ السلام نے کہ ہم میں کوئی ایسا فرشتہ نہیں ہے جس کے لئے ایک خاص حد نہ ہو۔ بلکہ ہر ایک کے لئے ایک مقام معیّن و مقرر ہے۔ کہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ پس نہیں جانتے جبرائیل علیہ السلام جو کچھ بعد اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر واقع ہُوا۔ جب وہ الگ ہو گئے اور یہ اپنے مقام پر رہ گئے تھے۔

کیا میرے اشرف المخلوقات دوستوں کو اب بھی اپنی فضیلت اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و اختیار کا احساس نہ ہوگا جب اپنے علم کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے معلومات بڑھنے پر جبرائیل علیہ السلام پر فوقیت ظاہر فرماتے ہیں سرکار دو عالم تاجدارِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی کیفیت تو ان اقوال سے کہیں بالاتر ہے۔

اب یہ عبارت اور کلام تو کسی معمولی شخصیت کا نہیں۔ حضرت علی رضؓ کرم اللہ وجہہ ہیں جن کی نسبت فرمایا گیا ہے۔ کہ انا مدینۃ العلم و علی بابھا۔ فرمایا حضورؐ نے میں علم کا شہر ہوں۔ اور علیؑ کرم اللہ وجہہ اسکے دروازے ہیں۔ حضرت علیؓ کی اس سند پر بھی منکرین کو اگر سمجھ نہ آئے تو پھر اُن سے خدا سمجھے۔

افضل الرسل کے علمِ غیب کے متعلق آیاتِ قرآنی۔

اس سے پہلے کہ علمِ غیب کے متعلق آیات قرآنی درج کروں۔ مشککین کو یہ واضح طور پر بیان کر دینا ضروری جانتا ہوں۔ تاکہ بصیرت سے کام لے کر سمجھیں۔ کہ علم الٰہی ذاتی ہے۔ اور علم نبویؐ اور تمام مخلوق کا علم عطائی وہ واجب ہے۔ یہ ممکن۔ وہ قدیم یہ حادث۔ وہ نامخلوق یہ مخلوق۔ وہ نامقدور۔ یہ مقدور۔ وہ ضروری البقاء یہ جائز الفنا۔ وہ ممتنع التغیر۔ یہ ممکن التبدل ہے۔ ان عظیم تفرقوں کے بعد کیسے مماثلت ہوتی ہے۔ اور کیونکر شرک ہوسکتا ہے۔ اس واضح عقیدہ پر بھی اگر احتمال شرک ہوگا۔ تو اس کا اہل کوئی دیوانہ ہوسکتا ہے۔ کسی عاقل کے نزدیک تو علم الٰہی سے مساوات کا ہونا بھی ممکن نہیں۔ یہ ہے عقیدہ جماعت سلف صالحین اور

علمائے اہل سنت والجماعت کا جس پر مندرجہ ذیل آیات اسی مفہوم میں شاہد ہیں۔ جن کو فقیر خوف طوالت سے بالاختصار پیش کرتا ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

(آیت ۱۷) وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء فامنوا باللہ ورسلہ وان تومنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم ط (سورہ آل عمران مدنی) ترجمہ:۔ ارشاد ہوا۔ اور اللہ جل شانہ یوں نہیں۔ کہ تم کو مطلع کر دے غیب پر اور لیکن اللہ جل شانہ چھانٹ لیتا ہے۔ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے۔ پس ایمان لاؤ۔ تم اللہ اور اُس کے رسولوں پر۔ اور اگر ایمان پر رہو۔ تم اور پرہیز گاری پر۔ تو تم کو بڑا ثواب ہے۔

تشریح۔ اس آیت سے خوب طور پر ظاہر ہُوا۔ کہ اللہ جل شانہ اپنے مجتبیٰ و مرتضیٰ رسولوں کو غیب پر مطلع فرما دیتا ہے۔ پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو گا کہ یہ علم تعلیم الٰہی سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ ضروری یہی مطلب ہو گا۔ کہ خود بخود اپنی ذات اور اٹکل سے کوئی غیب کو نہیں جانتا۔ البتہ تعلیم الٰہی سے انبیاء علیہم السلام جانتے ہیں۔ کیا اس آیت کو سُننے پڑھنے کے بعد کوئی منکر عیب بتا سکتا ہے۔ کہ انبیأ کو غیب بتایا جاتا ہے۔ یا نہیں۔ یا ضد اور تعصب کے جوش میں قرآن پاک کا بھی خلاف کرتے جانا مومن کی شان ایمانی میں داخل ہے۔ اب بھی اگر یہ کہا جائے۔ کہ حق سُبحانہ نے کسی کو اس پر مطلع نہیں کیا۔ تو کس حد تک بطالت اور جمہور مفسرین کے خلاف عقیدہ ہے۔ کیا منکرین کے نزدیک خداوند عالم غیب کی تعلیم پر قادر نہیں ہے۔ حالانکہ اُن کے

نزدیک جھوٹ بولنے پر بھی قادر ہے۔ پھر اس میں قدرت پر کیا کمزوری وارد ہوتی ہے۔

(آیت) ۲۔ عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول الاٰیہ (سورۃ جن مکیہ) ترجمہ:۔ اللہ جل جلالہٗ عالم الغیب ہے۔ پس کسی کو اپنے غیب پر مطلع نہیں کرتا۔ مگر جس کو کہ چن لے رسولوں میں سے۔ تشریح۔ اس آیت میں یہ لطیف اشارہ سمجھنے کے قابل ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے لا یظہر غیبہ علی احد نہیں فرمایا۔ کیونکہ اس کے معنی ہو جاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا۔ اور حالانکہ غیب کا اظہار اولیاء پر بھی ہوتا ہے۔ اور انبیاء پر بھی اور بذریعہ انبیاء و اولیاء بعض صالحین پر بھی۔ تو اس میں غیب کی کلی نفی ہو جاتی تھی۔ بلکہ فرمایا۔ لا یظہر علی غیبہ احداً یعنی اپنے علم غیب خاص پر کسی کو ظاہر و غالب اور مسلط نہیں فرماتا۔ مگر رسولوں کو۔ اس عجیب بیان سے کیسا مرتبہ قرآن پاک نے انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت فرمایا ہے۔ تفسیر روح البیان جلد چوتھی ص۴۹۶ میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے۔ ابن شیخ نے فرمایا۔ کہ اللہ کریم اپنے غیب خاص پر جو اس کے ساتھ مختص ہے۔ رسول مرتضےٰ کے سوا کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ اور جو غیب اس کے ساتھ خاص نہیں۔ اس پر دوسرے غیر رسول کو بھی مطلع فرما دیتا ہے۔ اب تو کوئی شک نہیں رہا۔ کہ اللہ کا دیا ہوا غیب ماننا بھی جائز ہے یا نہیں۔

آیت (۳) وما ھو علی الغیب بضنین (الاٰیۃ) سورۃ تکویر مکیۃ ترجمہ:۔ اور نہیں وہ غیب پر (بتانے میں) بخیل، تشریح۔ ہو کا

مرجع بعض نے اللہ جل شانہ فرمایا ہے۔ اور بعض نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور بعض نے قرآن کریم بہر حال ہمارا مدعا حاصل ہے۔ اور مطلب یہ ہوگا۔ کہ وہ غیب کی باتیں چھپا نہیں رکھتا۔ یا بتانے میں بخل نہیں کرتا۔

تفسیر جامع البیان بر حاشیہ تفسیر جلالین صفحہ ۴۹۰ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی خبروں کو جو ان کو اطلاع ہوتی ہے۔ بتلانے میں متہم نہیں۔ اور حرف ضاد کی قرات میں اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی تمام باتوں کو بتلانے میں بخیل نہیں ہیں۔ بلکہ ہر ایک کو سکھلا دیتے اور بخشش کر دیتے ہیں۔ یہی مطلب تفسیر جلالین صفحہ ۴۹۰ میں مذکور ہے۔ جہاں اس آیت شریف کی تفسیر کی گئی ہے اور تفسیر جمل بر حاشیہ تفسیر جلالین شریف زیر آیت مبارکہ عالم الغیب فلا یظھر الخ۔ ترجمہ یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی جگہ علم غیب کی نفی اپنے نفس شریف سے فرمائی ہے۔ تو یہ حق تعالےٰ سے تواضع ہے۔ اور اپنی عبودیت کا اقرار ہے۔ اور معنی آیت کے یہ ہیں۔ کہ میں خود بخود غیب نہیں جانتا۔ مگر حق تعالےٰ مجھے غیب پر مطلع فرما دیتا ہے۔

آیت (۴) وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما (سورۃ نسا مدنی)، ترجمہ:۔ اور اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)، ہم نے تمام علوم تم کو سکھلا دیئے۔ جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔ تشریح۔ اس آیت کے متعلق مفسرین متفق ہیں۔ کہ تجھے اے نبی وہ باتیں سکھلائیں جن کو تو نہیں جانتا

تھا، اس عبارت کا مفہوم احکام شرعی اور امورِ غیبی ہیں۔
تفسیر مواہب الرحمٰن میں ہے۔ کہ فرمایا حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان دنیا و آخرت عرش و فرش آسمان و زمین۔ تمام کائنات۔ اجرام فلکی کا علم۔ اور حلال و حرام سکھلا کر اپنی مخلوق پر حجت کیا۔
صاحب تفسیر خازن اسی آیت کے تحت میں لکھتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ وہ سب کچھ تم کو سکھلا دیا۔ جو آپ نہیں جانتے تھے۔ یعنی احکام شرع و امورِ دین و امورِ غیبیہ اور یہ بھی قول ہے۔ کہ علمک سے علم غیب ہی مُراد ہے۔ جو حضورؐ نہیں جانتے تھے۔ اور بعض علمائے نے فرمایا۔ کہ اس کے معنی ہیں۔ کہ تمام خفیہ اور مخفی باتیں سکھلا دیں۔ اور خبردار کر دیا۔ تمام لوگوں کے دلوں کی خفیہ باتوں پر اور تمام منافقین کے حالات اور ان کے مکروں پر آگاہ کر دیا۔ جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہمیشہ سے ہے۔ آپ پر فضل اللہ تعالےٰ کا عظیم۔ کہ آپ کو علم غیب عطا ہُوا۔
تفسیر روح البیان جلد ششم صلاح جس کی عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ آپ کا (صلی اللہ علیہ وسلم) علم جمیع معلومات غیبیہ ملکوتیہ کو محیط ہو گیا۔ جیسا کہ حدیث بحث ملائکہ میں آیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ حق تعالےٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے شانوں پر رکھا۔ پس اس کی خنکی میری چھاتیوں میں پہنچی۔ پس جان لیا میں نے علم اولین و آخرین کا اور دوسری روایت میں فرمایا۔ علم اس چیز کا جو ہو چکی ہے۔ اور اس کا جو آئندہ ہوگی۔

تفسیر کبیر مصری جلد سوم صفحہ ۳۱۰ سطر ۳۱ میں اسی آیت کے ماتحت یوں لکھا ہے۔ یعنی یہ بزرگ تر دلائل سے ہے۔ علم کے اشرف فضائل اور مناقب ہونے پر بدیں وجہ کہ اللہ تعالے نے فرمایا۔ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ یعنی مخلوق کو تھوڑا سا علم دیا گیا ہے۔ اور ایک برگزیدہ ہستی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوق کے علوم سے جو حصہ ملا۔ تو وہ بھی تھوڑا ہی ہے۔ پس اس تھوڑے کو اللہ تعالے نے بہت فرمایا۔ اور اس قدر بڑھایا۔ کہ اس کے علم میں ساری دنیا کا نام بھی تھوڑا ہی فرمایا۔

تفسیر عزیزی سورۃ بقر صلا۱۱ سطر ۱۴ میں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انبیأ میں سے سات نبیوں کو سات علم صراحتاً فضیلت فرمائے ہیں۔ حضرت آدمؑ کو علم لغت۔ جیسے فرمایا۔ وعلم آدم الاسماء کلھا حضرت خضرؑ کو علم فراست وعلمناہ من لدنا علماً حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تعبیر وعلمنی من تاویل الاحادیث۔ حضرت داؤدؑ کو علم صنعت وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم منطق الطیر۔ یعنی جانوروں کی بولی جاننا۔ کہ علمناہ منطق الطیر۔ اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کو علم تورات و انجیل اور اس کی حکمت جیسے فرمایا۔ ویعلمہ الکتب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل۔ اور حضرت سید عالم محبوبِ مکرم محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم اسرار غیب جیسے فرمایا۔ علمک مالم تکن تعلم (بلفظہا)

تفسیر جلالین ص۸۵ سطر ۴ زیر آیت علمک مالم تکن تعلم فرمایا گیا ہے کہ من الاحکام والغیب۔ یعنی اللہ تعالے کا فرمانا۔ کہ

اے رسول سکھلا دیا تم کو جو کچھ آپ نہیں جانتے تھے۔ وہ تمام احکام وامر و نواہی اور غیب کے علوم ہیں۔ تفسیر جامع البیان میں اسی آیت کے ماتحت یوں ارشاد ہے۔ کہ یہ آیت شریفہ مخفی امور کی تعلیم کے متعلق ہے۔ اسی آیت شریف کے ماتحت تفسیر مدارک کی یوں عبارت ہے۔ علمك مالم تکن تعلم من امور الدین والشرائع ومن خفیات الامور وضمائر القلوب۔ یعنی یہ آیت شریف کہ اے رسول سب کچھ تم کو سکھلا دیا جس کو آپ نہیں جانتے تھے۔ وہ تمام امور دین کے اور شریعت کے اور تمام غیب کی باتیں اور تمام لوگوں کے دلوں کے بھید اور اندرونی حالات ہیں۔

آیت۔ (۵) وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم ان فی ذالك لاٰیة لکم ان کنتم مومنین (آل عمران)۔ ترجمہ اور میں بتا دیتا ہوں تم کو جو کچھ کھا کر آؤ تم اور جو کچھ رکھ آؤ تم۔ بیچ گھروں اپنے کے۔ اس میں تم کو پوری نشانی ہے۔ اگر تم یقین رکھتے ہو۔

تشریح۔ اس آیت شریفہ میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمت کے لوگوں میں پانچ معجزات پیش کئے تھے اول مٹی سے پرند کی صورت بنانا۔ اور اس کو باذن اللہ پھونک دے کر صحیح جاندار پرند کی طرح اُڑا دینا۔ دوسرا مادر زاد اندھے کو بینا کر دینا۔ تیسرا کوڑھی کو اچھا کرنا۔ چوتھا مُردے کو زندہ کرنا۔ پانچواں علم غیب کے ذریعہ یہ بتانا۔ کہ بنی اسرائیل کیا کھا کر حضرت کے پاس آئے ہیں۔ اور ان کے گھروں میں کیا پونجی پڑی ہے۔ اور ضرورت اس

پانچویں معجزے کی اس لئے ہوئی۔ کہ بنی اسرائیل کے کم بختوں نے کہا کہ مُردے زندہ کرنا تو جادو ہے۔ کوئی ایسی نشانی غیب دانی کی ہم کو بتاؤ۔ جس سے ہم کو تمہاری نبوت کا یقین ہو جائے۔ تو عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو اس طرح بتانا شروع کیا۔ اور یہی کمالین میں لکھا ہے۔ اور روایت حضرت عمار ابن یاسر کی بھی آئی ہے۔ جسمیں یوں ذکر ہے۔ کہ بنی اسرائیل نے درخواست کی تھی۔ کہ پروردگار ہمارے واسطے آپ کی دعا سے آسمان سے دسترخوان کھانے کا نازل فرمایا کرے۔ تو آپ نے عہد لیا تھا۔ کہ کھایا کرو۔ مگر ذخیرہ نہ کرنا۔ اور پاس جمع نہ کرنا۔ چنانچہ انہوں نے اقرار کیا۔ پھر کھاتے اور رکھ بھی چھوڑتے۔ اور پوشیدہ طور پر بد عہدی بھی کرتے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو بتلانا شروع کر دیا کہ اے فلانے تو نے یہ کھایا اور یہ جمع کر دیا ہے۔ تا آنکہ اللہ نے ان کو خنزیر کر دیا۔ معالم میں سدی سے روایت ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام لڑکوں کو مکتب میں بتلا دیا کرتے تھے۔ کہ تیرے والدین نے یہ کھایا۔ اور یہ تیرے لئے رکھ چھوڑا۔ وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال روایات مختلفہ ہوں۔ یا کچھ۔ شانِ نزول یا وجہ اشاعت کوئی ہو۔ ہمارا مطلب حاصل ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام غیب جانتے تھے۔ اور قرآن کریمہ بیان فرماتا ہے۔ کہ لوگوں کو بتلایا بھی کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کے ایمان درست ہوتے۔ اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کرتے تھے۔ ہم نے تمہید میں عرض کیا تھا۔ کہ قرآنِ کریم نے بعض انبیا علیہم السلام کا غیب بیان فرمایا ہے۔ جو حضور سرورِ کائنات سے پہلے تھے۔ اور حضور علیہ السلام کے مقابلہ میں مدارج نبوت میں کم درجہ رکھتے ہیں۔ پھر جب

ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اپنے مولا د آقا تاجدار کونین کو جمیع انبیائے سے افضل اور تمام مرسلین کا سردار مانتا ہے۔ تو کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ وہ دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں رسولِ اکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمی مرتبت کو جائز رکھے۔ اور یہ کہے کہ عیسٰی علیہ السلام تو غیب جانتے تھے۔ یعقوب علیہ السلام غیب جانتے تھے خضر اور موسےٰ علیہم السلام غیب جانتے تھے۔ نوحؑ غیب جانتے تھے۔ یوسف علیہ السلام غیب جانتے تھے۔ مگر افضل الرسل محمد رسول اللہ نہیں جانتے تھے۔ تمام انبیاء کو جو نعمت حضور علیہ السلام کی طفیل ملی۔ وہ تو سب اس کے حامل ہیں۔ مگر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محروم سمجھے جائیں ؎

بریں عقل و دانش ببائد گریست

اللہ تعالےٰ ایسے کم فہم لوگوں کو توفیق عطا فرمائے۔ کہ مراتب سرکارِ دو جہاںؐ کی معرفت اور تمیز کر سکیں۔

آیت۔(۶) ولا یحیطون بشیءٍ من علمہٖ الا بما شاءَ (بقرہ)

ترجمہ:۔ اور وہ موجودات اس کے معلومات سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لا سکتے۔ مگر وہ جسقدر جس کو دینا چاہے۔

تشریح:۔ اس آیت شریف سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ معلومات الٰہی کا احاطہ موجودات دنیا سے کوئی ہستی نہیں کر سکتی۔ مگر وہ خود جس کو جس قدر عطا فرماوے۔ تو گویا کل یا بعض علم کا احاطہ علم الٰہی سے کرنا اپنی اٹکل اور قدرت سے بدون عطائے ایزدی محال ہے۔ اور جن کو عطائے الٰہی سے ہو جائے۔ اس کا انکار صریح کج فہمی اور لاعلمی

ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ نعمت کفرانِ النعمت ہے۔ اگر اظہار نعمت نہ کیا جائے۔ اور اسی رنگ میں کسی پر عطیہؐ کا انکار بھی جہالت ہے۔ یہ بھی عطائے الٰہی سے انحراف ہے۔ کیا اس آیت میں صاف مفہوم نہیں۔ کہ علم الٰہی سے کسی کو حصہ ملنا اور بالخصوص انبیأ علیہم السلام و اولیائے کرام علیہم الرحمتہ و الرضوان جو محبانِ خدا ہیں۔ ممکنات سے ہے۔ اور اگر اس آیت سے علم غیب کی نفی ہے تو اس کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس کا مطلب ظاہری علم سے لیا جائے گا۔ تو ظاہری علم کا انکشاف تو اس کے نزول سے پہلے ہی ثابت ہے۔ اس جملہ سے ماقبل جملہ کا مطلب شفاعت کے متعلق تھا۔ جیسے وہاں سے مخلوق کا شافع ہونا مراد ہے۔ خواہ وہ انبیأ اولیأ صلحا۔ علما۔ شہدا ہوں۔ ویسے ہی علم کی بعض کے لئے مستثنےٰ ہو کر دلیل ہے۔ کہ امر الٰہی سے علم غیب کا عطیہؐ ہو سکتا ہے۔ اور اس کا انکار شیطانی وساوس سے ہے۔ بعض علما نے کہا ہے۔ کہ وہ علمِ ربوبیت حق اور اُس کے جلال کا ہے۔ بحر الحقائق میں لکھا ہے۔ کہ جو کچھ ہو چکا۔ یہ اس کا علم ہے۔ کہ حق سبحانہ تعالےٰ نے شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ اور جو کچھ ہونیوالا ہے۔ جیسا کہ معراج کی حدیثوں میں وارد ہے۔ تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے روبرو میری اُمت پیش کی گئی۔ اپنی اصلی صورتوں میں جو مٹی میں تھیں۔ جیسے کہ تمام اولاد حضرت آدمؑ کے روبرو پیش کی گئی تھی۔ تب میں نے جان لیا ہر شخص کو جو مجھ پر ایمان لائے گا۔ اور جو ایمان نہ لاکر کافر رہے گا۔ پس یہ بات جب منافقین کو پہنچی

تو انہوں نے مسخری سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، دعوےٰ کرتے ہیں۔ کہ میں جانتا ہوں۔ اُس شخص کو جو مجھ پر ایمان لائے گا۔ اور جو کافر رہے گا۔ اگرچہ وہ اب تک پیدا بھی نہیں ہُوا۔ حالانکہ ہم اُس کے ساتھ رہتے ہیں۔ اور وہ ہم کو بھی نہیں پہچان سکتے۔ اور نہ اب تک اُنہوں نے ہم کو جانا ہے۔ پس منافقین کی اس گفتگو سے اطلاع پاکر حضورؐ فوراً منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اور اللہ تعالےٰ کی حمد وثنا کرکے فرمایا۔ کہ جو میرے علمِ (غیب) پر طعن کرتے ہیں۔ وہ قیامت تک کے حالات مجھ سے پوچھیں۔ میں اُن سب کو بتلاؤں۔ پس کھڑا ہُوا عبداللہ ابن حذیفہ جس کے باپ کے بارے میں لوگ شک کرتے تھے۔ اور عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ بیان فرمائیے میرا باپ کون ہے۔ تو جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیرا باپ حذافہ ہے۔ اُسی وقت حضرت عمر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عرض کیا۔ یارسول اللہ ہم اللہ تعالےٰ سے راضی ہیں۔ جو ہمارا رب ہے۔ اور اسلام سے جو ہمارا دین ہے۔ اور قرآن سے جو ہمارا امام ہے۔ اور حضورؐ سے کہ ہمارے نبی اور رسول ہیں۔ پس معاف فرمائیے ہمیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔ تب فرمایا حضورؐ نے کہ کیا تم نہیں پوچھتے اور تم نے پوچھنے سے بس کردی۔ اس وقت حضورؐ منبر سے اُتر آئے کیا یہ دعوےٰ غیب نہیں تو کیا تھا۔ اسی قسم کی دوسری اُنتیس ۲۹ آیات ہمارے پیش نظر اور ہیں۔ جن کو ہم اس لئے درج نہیں کرتے کہ مختصر تحریر طول پکڑ جائے گی۔ جسے ضرورت ہو فقیر کا رسالہ علم غیب اور کتاب کلمۃ العلیا حضرت مرادآبادی دیکھئے۔

احادیث نبویہ فی علوم غیبیہ

حدیث (۱) عن طارق بن شہاب قال سمعت عمر رضی اللہ عنہ یقول قام فینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم مقاماً فاخبرنا عن بدئ الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم واھل النار منازلھم حفظ ذالک من حفظہ ونسیہ من نسیہ (صحیح بخاری جلد دوم کتاب بدٔ الخلق ۴۵۳ سطر ۲)

ترجمہ:۔ طارق بن شہاب سے روایت ہے۔ کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سُنا۔ فرماتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے میں (صحابہ میں)، ایک مقام پر کھڑے ہوئے۔ اور ہم کو خبر دے دی تمام ابتدائے دنیا سے لے کر قیامت تک کی باتوں کی۔ یہانتک کہ بہشتی اپنی جگہوں میں داخل ہوں۔ اور دوزخی اپنی جگہوں میں۔ یاد رکھا اس بات کو جس نے یاد رکھا۔ اور جو بھول گیا سو بھول گیا۔ یہی حدیث مشکواۃ شریف صفحہ ۵۰۶ سطر ۶ مطبع مجتبائی میں درج ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ سے مروی ہے۔ کہ رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری مجلس میں قیام فرما کر اور ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں اور دوزخیوں کے اپنی اپنی منزلوں میں داخل ہونے تک کی خبر دے دی۔ اور یاد رکھا اُس کو جس نے یاد رکھا۔ اور بھلا دیا جس نے بھُلا دیا۔

حدیث (۲) عن انس رضی اللہ عنہ۔ قال سئالو النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی احضوہ بالمسئلۃ فصعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم المنبر فقال لاتسئلونی عن شئ الا بینت لکم فجعلت انظر یمیناً وشمالاً فاذا کل رجل

داسہٗ فی ثوبہٖ یبکی فانشاء رجل اذا لاحی یدعی الی غیر ابیہ فقال یانبی اللہ من ابی فقال ابوک حذافہ ثم انشاء عمر فقال رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولاً۔ نعوذ باللہ من سوء الخلق فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما رایت فی الخیر والشر کالیوم قط انہ صورت لی الجنۃ والنار حتی رایتھما دون الحائط۔ صحیح بخاری۔ جلد چہارم کتاب الفتن صفحہ ۱۶۱ سطر ۳۵۔ مطبوعہ مصری۔ ترجمہ یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علمِ غیب کی بابت پوچھا۔ اور سوال کرنے میں بہت اصرار کیا۔ تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا پوچھو جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو۔ تاکہ میں بیان کروں۔ اِدھر اُدھر دائیں بائیں میں نے نظر کی تو معلوم ہوا۔ کہ ہر ایک شخص اپنے منہ پر کپڑا ڈالے رو رہا ہے۔ اتنے میں کھڑا ہوا ایک آدمی جس کو جھگڑے کے وقت اس کے باپ کے سوا اور کسی کی نسبت کرتے تھے۔ اُس نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے میرا باپ کون ہے۔ اسوقت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً کھڑے ہو گئے۔ اور عرض کی یارسول اللہ ہم راضی ہوئے اللہ پر جو ہمارا رب ہے۔ اور اسلام پر جو ہمارا دین ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ہمارا رسول ہے۔ ہم خلق کی بُرائی سے پناہ مانگتے ہیں۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ میں نے آج کے دن کا سا خیر اور شر نہیں دیکھا۔ تحقیق وہ متشکل دکھائی دیئے بہشت اور دوزخ یہانتک کہ میں نے دونوں کو اس دیوار کے ادھر

دیکھا۔

تمام احادیث کا عربی متن چونکہ کتاب کے حجم کو زیادہ کردے گا لہذا سب کا ترجمہ بہ تفصیل حوالہ لکھا جاتا ہے۔ جو دیکھنا چاہے شک نکال لے۔ حدیث (۳) مشکواۃ شریف صفحہ ۵۴۳ سطر ۱۰ باب المعجزات کا ترجمہ عمرو بن اخطب انصاری سے روایت ہے۔ کہا نماز پڑھائی ہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فجر کی۔ اور منبر پر چڑھے پس ہمارے لئے خطبہ فرمایا۔ یہانتک کہ ظہر کی نماز کا وقت آگیا۔ پھر اُترے منبر سے اور نماز ظہر کی پڑھی۔ پھر منبر پر چڑھے۔ اور خطبہ فرمایا۔ یہانتک کہ عصر کی نماز کا وقت آگیا۔ پھر اُترے اور نماز عصر کی پڑھی۔ پھر منبر پر چڑھے اور ہمارے لئے خطبہ فرمایا۔ یہانتک کہ آفتاب غروب ہوا۔ یعنی تمام روز وعظ ہی میں گزرا۔ پس خبر دی ہم کو ساتھ اس چیز کے کہ ہونے والی ہے۔ قیامت تک۔ یعنی وقائع اور حوادث اور عجائبات قیامت کے بیان فرمائے۔ پس اس میں بہت سے معجزے ہوئے۔ کہا عمرو نے پس دانا تریں ہمارا ہے۔ (یعنی اب) بہت یاد رکھنے والا اس دن کو (از مظاہر الحق مطبوعہ نول کشور ربع چہارم صفحہ ۶۱۳) اور یہی حدیث (حدثنی ابو زید) سے شروع ہوتی ہے۔ صحیح مسلم جلد دوم صفحہ ۳۹۰ سطر ۲ میں۔ جو عمرو بن اخطب سے روایت کی گئی ہے۔ لیکن بعض الفاظ کی تقدیم و تاخیر ہے۔

حدیث (۴) مشکواۃ شریف کتاب الفتن فصل اوّل صفحہ ۴۶۱ سطر ۸ کا ترجمہ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کھڑے ہوئے ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہونا۔ یعنی خطبہ پڑھا اور وعظ فرمایا۔

اور خبر دی ان فتنوں کی کہ ظاہر ہوں گے۔ نہیں چھوڑی کوئی چیز
کہ واقع ہونے والی تھی اس مقام میں قیامت تک۔ مگر کہ بیان فرمایا
اس کو یاد رکھا۔ اُس شخص نے جس نے یاد رکھا۔ اور بھول گیا اس
کو جو شخص اس کو بھول گیا۔ یعنی بعضوں نے یاد رکھا۔ اور بعضوں نے
بھُلا دیا۔ کہا حذیفہ نے کہ تحقیق جانتا ہے۔ اس قصہ کو میرے ان
یاروں نے یعنی جو موجود تھے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم سے اور بعضے
نہیں جانتے ہیں۔ اس کو مفصّل اس لئے کہ واقع ہوُا ہے۔ ان کو
کچھُ نسیان جو خواص انسان سے ہے۔ اور میں بھی انہی میں سے
ہوں۔ کہ جو کچھُ بھول گئے ہیں۔ جیسے کہ بیان کیا اپنے حال کو اور
تحقیق شان یہ ہے۔ کہ البتہ واقع ہوئیں ان چیزوں میں سے کہ خبر
دی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چیز کہ تحقیق بھول گیا ہوں
میں اس کو۔ پس دیکھتا ہوں مَیں اُس چیز کو۔ پس یاد میں لاتا ہوں
مَیں اس کو جیسے کہ یاد لاتا ہے شخص چہرہ شخص کا۔ یعنی بطریق اجمال و
ابہام کے جبکہ غائب ہوتا ہے۔ اس سے اور فراموش کرتا ہے۔ اس
کو ساتھ تفصیل و تشخیص کے پھر جبکہ دیکھتا ہے۔ اس کو پہچان لیتا
ہے۔ اس کو شخص یعنی ایسے ہی میں وہ باتیں بھولا ہوُا ہوں۔ لیکن جبکہ
کوئی بات ان سے واقع ہوتی ہے۔ تو پہچان لیتا ہوں۔ کہ یہ وہی ہے
کہ جس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ نقل کیا
اس کو بخاری اور مسلم نے۔ اور اسی طرح یہ حدیث کتاب مظاہر الحق
صہ ۱۳۱۲ سطر ۱۳ میں درج پائی گئی ہے۔ اور کچھُ الفاظ کی کمی سے اسی
مضمون کی حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح

مسلم جلد دوم صٓ۳۹ سطر ۱۰ میں ہے۔ اور کتاب اشعتہ اللمعات شرح مشکواۃ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی جلد چہارم صٓ۲۹۶ سطر ۱۰ میں بھی یوں ہی ہے۔ اور اسی کی فارسی شرح کی عبارت یوں ہے۔ روایت از حذیفہ است کہ گفت ایستاد درما آنحضرت یعنی خطبہ خواند و وعظ گفت۔ ایستادنی کہ نگذاشت چیزے کہ باشد۔ وقوع یا بدنی درآں مقامے کہ ایستادہ بود تا روز قیامت یعنی نگذاشت دریں مقام چیزے از ماوقائع کہ شدنی است تا روز قیامت۔

حدیث۔(۵)۔ کتاب صحیح بخاری جلد چہارم باب الاعتصام بالکتب والسنتہ صٓ۱۰۵ سطر ۱۹ کا ترجمہ۔ حضرت ظہری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ مجھ کو خبر دی انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے تحقیق حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت سورج ڈھلا۔ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے۔ اور نماز ظہر پڑھی اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اور قیامت کے آنے کا حال بیان فرمایا۔ اور فرمایا کہ اس سے پہلے بڑے بڑے اہم امور ہونیوالے ہیں۔ پھر فرمایا کوئی شخص ہے۔ کہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے۔ پس پوچھ لے مجھ سے قسم ہے اللہ کی جو کچھ خبر بھی پوچھو گے۔ میں بتاؤں گا۔ جب تک میں یہاں کھڑا ہوں۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ لوگ بہت روئے۔ اور بہت دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ سوال کرو مجھ سے۔ حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ ایک آدمی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہوا۔ اس نے پوچھا میرے داخل ہونے کی جگہ کہاں ہے۔ فرمایا حضورؐ نے کہ تیری جگہ دوزخ میں ہے۔ پھر اٹھا عبداللہ بن حذافہ اور سوال کیا۔ کہ یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تیرا باپ حذافہ ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ اور پوچھو مجھ سے آخر حدیث تک فقط۔

حدیث۔ (۶) مشکوٰۃ شریف باب المساجد صہ ۶۹ سطر ۲ کا ترجمہ۔ عبدالرحمٰن بن عائش سے مروی ہے۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے اپنے رب عزوجل کو اچھی صورت میں دیکھا۔ فرمایا رب نے کہ ملائکہ کس بات میں جھگڑا کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ تو ہی خوب جانتا ہے۔ فرمایا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پھر میرے رب عزوجل نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے شانوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اُس کے وصولِ فیض کی ٹھنڈی اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان پائی۔ پس جان لیا میں نے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال کے مطابق یہ آیت تلاوت فرمائی وکذالک نری ابراھیم۔ یعنی دکھائے ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملک آسمانوں اور زمینوں کے۔ تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اس عبارت میں وضع کف مزید فضل اور نہایت تحقیق اور ایصال فیض اور عنایت وکرم اور تائید و انعام سے کنایہ ہے۔ اور ٹھنڈی پانا دونوں چھاتیوں میں وصول اثر فیض اور حصول علوم سے کنایہ ہے۔ اس حدیث شریف سے آفتاب کی طرح روشن ہو گیا۔ کہ ہمارے مولٰی و آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کا علم مرحمت ہوا۔

حدیث (۷) صحیح بخاری مصری جلد چہارم کتاب الفتن صہ ۱۶۲ سطر ۱۴ کا ترجمہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یا اللہ ہمارے ملک شام میں برکت فرما اور اے اللہ ہمارے یمن میں برکت دے۔ اور کہا نجد والوں نے کہ ہمارے ملک نجد کے واسطے بھی

برکت کی دعا فرمائیے۔ پھر دوبارہ فرمایا۔ حضور علیہ السلام نے کہ یا اللہ ہمارے ملک شام میں برکت عطا فرما۔ اور ہمارے ملک یمن میں برکت دے پھر نجدی بولے کہ ہمارے ملک نجد میں بھی برکت ہو۔ پس راوی کا گمان ہے کہ یہ دعا تین دفعہ مانگی گئی۔ اور نجد والوں کے حق میں فرمایا۔ کہ وہاں زلزلے اور فتنے پیدا ہوں گے۔ اور وہاں ایک شیطان کا سینگ نکلے گا۔ یہ حدیث شریف بطور پیش گوئی کے ہے۔ جس پر علمائے و محدثین متفق ہیں۔ کہ اس کا ظہور ۱۲۰۰ھ میں ہو چکا ہے۔ تفصیل واقعہ کے لئے دیکھو کتاب ردالمختار شامی کے باب البغات میں اس کی مکمل تشریح ہے۔

حدیث (۸) مواہب اللدنیہ میں طبرانی سے بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ مروی ہے۔ فرمایا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ جلشانہ نے میرے لئے دُنیا کو ظاہر فرمایا۔ پس میں دُنیا کی طرف اور جو کچھ اس میں تاقیامت ہونیوالا ہے۔ سب کی طرف اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کی طرف۔

علامہ زرقانی شرح مواہب قسطلانی جلد ۷ صک۲۳ میں لکھتے ہیں۔ کہ اللہ جلشانہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دنیا ظاہر فرمائی۔ حضور علیہ السلام نے تمام اس میں کے حالات و حقائق کا احاطہ فرما لیا۔ اور یہ ارشاد کرنا کہ میں اس کو اور جو کچھ قیامت تک ہونیوالا ہے۔ سب کو مثل اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کے دیکھ رہا ہوں۔ اور ملاحظہ فرما رہا ہوں۔ اس سے حقیقتاً دیکھنا آنکھ کا مراد ہے۔ نہ کہ نظر کے مجازی معنی فرمائے گئے ہیں۔

الغرض - احادیث کی تعداد اس حد تک ہے ۔ کہ اگر ان سب کو یہاں ذکر کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب علیحدہ تیار ہو جائے ۔ اصلاح عقیدہ اور درستئی ایمان کے لئے جو نقل کر دی ہیں ۔ یہی کافی ہیں ۔ اور خدا کے فضل سے ہمارے مفہوم کی پوری پوری وضاحت فرماتی ہیں ۔ اور ان سے یہ ثابت ہو گیا ہے ۔ کہ احادیث مندرجہ کے تمام ارشادات و ملفوظات میں حضور علیہ السلام والتحیۃ کا آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے ۔ جان لینے کا ارشاد تمام علوم جزوی و کلی کے حاصل ہونے اور احاطہ کرنے کا بیّن ثبوت ہے ۔ اور یہ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم گذشتہ اور آئندہ تم سے پہلوں اور تم سے بعد والوں ۔ دُنیا اور عقبیٰ کے جمیع احوال کی آسمانوں اور زمینوں کے مُغیبات کی خبر دیتے ہیں ۔ مگر اس سبحانہٗ جلشانہ کے علم سے کوئی برابری نہیں ۔ اور نہ ہی اہل سنت اس کے قائل ہیں فالحمد للہ ۔ جیسا کہ حضرت ابوالدرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔ کہ نبی کریم صلوٰۃ اللہ علیہ نے ہم سے ایسے وقت میں مفارقت فرمائی ۔ کہ کوئی پرندہ ایسا نہیں ۔ کہ اپنے بازوؤں کو ہلائے ۔ مگر حضور علیہ السلام نے ہم سے اس کا بھی بیان فرما دیا ہے ۔ کیا اب بھی شبہ ہو سکتا ہے ۔ کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا دیا ہوا بھی علمِ غیب نہیں ۔ اور جو مانے وہ مُشرک ہے یا یہ ماننا پڑیگا ۔ کہ سرکارِ مدینہ کی وسعت علم کو خبث باطنی نہیں تسلیم کرنے دیتا ۔ اگر یہ خیال نہ ہوتا ۔ کہ لوگ بڑی کتاب کا مطالعہ نہیں کرتے اور مختصر لکھنے کی ضرورت ہے ۔ تو بفضلہٖ تعالےٰ اس مضمون کو اتنا طویل لکھتا کہ مخالفین کی آنکھیں انوارِ نبوت کو دیکھکر روشن ہو جاتیں ۔ شعر ؎

وہ اندھے ہیں جو ہیں منکر نبی کی غیب دانی کے
اندھیرے میں ہیں اب تک شمع کافوری کے پروانے

مختصر عقائدِ دیوبندیہ

چونکہ بعض ہمارے سُنی حنفی بھائی غیر مقلدوں اور دیوبندیوں کے مذبذب اعتقاد سے واقف نہیں ہیں۔ اور ان کی چکنی چپڑی باتوں سے نہیں سمجھ سکتے۔ کہ وہ حلوے میں زہر دیکر کیونکر ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ اس لئے فقیر اس مختصر باب میں ان کے مختصر عقائد کا مختصر اشارات کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ جو اہل سنت والجماعت متقدمین و متاخرین کے خلاف ان کے اماموں پیشواؤں یعنی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی۔ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہم نے لکھ کر اپنی توحید پرستی اور عشق رسالت کا پرچار کیا ہے۔ بفضلہٖ تعالےٰ کوئی بات ان کے ذمہ ایسی نہ لکھی جائے گی۔ جس کا ثبوت مع کتاب۔ صفحہ۔ سطر ساتھ نہ لکھا جائے گا۔ تاکہ کسی کو مجال انکار نہ ہو۔ اور ہمارے سادہ لوح حنفی سنی بھائی ان عقائد کے معلوم کرنے کے بعد اُن کی حنفیت ظاہرہ کے فریب میں نہ آئیں۔ اور یہ خوب سمجھ لیں۔ کہ آخر علمائے عرب و عجم میں سے کسی نے ان کی تکفیر کسی نے ان کی تضلیل اور کسی نے تفسیق جو کی ہے۔ وہ بلا وجہ تو نہیں۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ تمہارے علمائے کرام تو ان کو ان کی بد عقیدگی کی وجہ سے مومن نہ مانیں۔ (کیونکہ عقیدہ صحیح ہی ایمان کا نشان ہے) اور آپ ان کو صرف مومن ہی نہیں۔ بلکہ ساتھ رہنما ہونے کا شبہ بھی کرنے لگیں۔ دیکھئے مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر

مکی علیہ الرحمتہ (جن کو مولوی رشید احمد و خلیل احمد براہین قاطعہ کے صفحہ ۱۸ سطر ۴ میں ہمارے شیخ الہند اور صفحہ ۲۷ سطر ۲ میں تمام علمائے مکہ پر فائق اور اعلم بتلا رہے ہیں) بعد انکشاف حالات مولوی رشید احمد صاحب کی نسبت تقدیس الوکیل مطبوعہ مطبع صدیقی ۱۳۱۴ھ المقدس صفحہ ۳۰۷ سطر ۱۸ میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میں جناب رشید احمد کو رشید سمجھتا تھا۔ وہ میرے گمان کے خلاف کچھ اور ہی نکلے۔ (غیر رشید) جس طرف آئے ایسا تعصب برتا۔ کہ ابھی ان کی تقریر و تحریر دیکھنے سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔ پھر ان کی تمام باتیں بیان فرما کر صفحہ ۳۰۹ سطر ۱۹ میں لکھا ہے۔ کہ میں اپنے محبین کو منع کرتا ہوں۔ کہ حضرت مولوی رشید احمد اور ان کے چیلے و چانٹوں کے ایسے ارشادات نہ سنیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ مجھ پر کھلم کھلا تبرا ہوگا لیکن جب جمہور علمائے صالحین اور اولیائے کاملین اور رسول رب العالمین اور جناب باری جہاں آفرین ان کی زبان اور قلم سے نہ چھوٹے۔ تو مجھ کو کیا شکایت ہوگی پھر صفحہ ۳۱۱ سطر ۵ میں یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ میں اس زمانہ کی حالت اور مولوی رشید احمد صاحب اور ان کے چیلے چانٹوں کی تحریر اور تقریر سے پناہ مانگتا ہوں۔ پس اے میرے عزیز سنی بھائیو۔ تم کو بھی بعد معلوم ہو جانے ان چند عقائد کے بموجب ہدایت حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی ان کی ملمع شدہ باتوں کی طرف ہرگز ہرگز التفات نہیں کرنا چاہیئے۔ اور بموجب ارشادات مولوی صاحب ممدوح الصدر ان نام نہاد صوفیت کے حنفیوں اور سیرت کے وہابیوں سے اللہ تعالےٰ کے ساتھ پناہ مانگنی چاہیئے۔ اور ان کی صحبت سے بھاگنا چاہیئے کہ یہ ایک

فتنہ عظیم اور دین و ایمان کے لئے تباہ کُن گروہ ہے۔ یہ لوگ اپنے جدید عقائد و مذہب کی اشاعت میں ہر حیلے سے رات دن مصروف و مشغول ہیں۔ اور ہمارے سُنی بھائی بوجہ کم علمی ان کی گندم نمائی کا شکار ہو رہے ہیں۔ نہیں جانتے کہ دیوبندی مشین کس قدر سوت کات چکی ہے۔ اور اس کے تار و پود حنفیت کے پردے میں تیندوے کی طرح عوام کو پھانسنے میں کہاں تک پھیل چکے ہیں۔ کس کس قسم کی چالیں اختیار کر کے ہمارے مذہب حقہ حنفیہ میں رخنہ اندازی کی جا رہی ہے۔ ایسے لوگوں سے بچنے اور ان کی کید و مکر کو سمجھنے کی از حد ضرورت ہے۔ لہٰذا مندرجہ ذیل عقائد دیوبندیہ کو ہمیشہ سامنے رکھیں۔ اور ان لوگوں کے ایمان کا امتحان کیا کریں۔ جن سے کبھی مذہبی لگاؤ رکھنا ممکن معلوم ہوتا ہو۔

ہم نے اکثر دیکھا ہے۔ کہ بہت سے گلابی وہابی حنفیوں سُنیوں کی مساجد میں امامت کے خواہاں ہو کر آئے ہیں۔ اور وہاں رہ کر پھر انہوں نے تقیہ کر کے کچھ وقت گزار کر اپنے عقائد باطلہ کو فروغ دینا شروع کیا ہے۔ حالانکہ وہ عقائد ایسے ہیں۔ جن پر ممالک اسلامیہ کے اکثر علماء نے تکفیر کی ہے۔ اور صاف فرما دیا ہے۔ کہ ایسے عقیدہ والا آدمی یا ایسے عقیدے والوں کو اچھا جاننے والا قابل امامت نہیں۔ مگر ہمارے حنفی سُنی بھائی بغیر ان کے عقائد معلوم کئے کے ایسے لوگوں کو مسجدیں سپرد کر دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ بعد ازاں وہی فتنہ و فساد اور اپنی جماعت میں نفاق و انشقاق ہوتا ہے۔ جو اکثر مقامات پر دیکھا گیا ہے۔ اور یہی ان مبلغین کا شیوہ ہے۔ رب العزت ہمارے بھائیوں

کو وہ نظر اور مضبوطی عقیدہ کی توفیق عطا فرمائے۔ تا کہ ان سے واقف ہو کر اپنے ایمان کو محفوظ فرما سکیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں۔ کہ مندرجہ ذیل عقائد پر مطالعہ کرنے کے بعد ہر ذی علم خود اندازہ لگا کر اعتراف کریگا۔ کہ اہل سنت والجماعت کے یہ عقائد نہیں ہیں۔ انشاءاللہ۔

عقیدہ اوّل۔ فتاوے رشیدیہ حصہ اوّل مطبوعہ برقی پریس مراد آباد ۱۳۲۴ھ کے صفحہ ۹ سطر ۴ میں تحریر ہے۔ کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔ مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا ہے۔ اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی کا ہے۔ اور حصہ دوم کے صد۱۱ سطر ۷ میں درج ہے۔ کہ وہابی متبع سنت اور دیندار کو کہتے ہیں۔

مسلمانو! خود انصاف کو کام میں لاؤ۔ اور غور کرو۔ کہ دیوبندی اور وہابی میں کیا فرق ہے۔ جبکہ ان کے مفتی صاحب نے خود ہی فیصلہ کر دیا ہے۔ اور ان کے عقائد و معتقدین کو سراہا ہے۔ حالانکہ علماء اہلسنت والجماعت محمد بن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین کو خارج از اہلسنت والجماعت جانتے ہیں۔ دیکھو شامی باب البغات میں لکھا ہے۔ کہ حضور انور تاجدار کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی نسبت اور اس کے ملک کی نسبت یوں ارشاد فرمایا۔ ھناک الزلازل والفتن وبہا یطلع قرن الشیطان۔ یعنی نجد میں زلزلے

اور فتنے ہیں۔ اور وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔ یہ اس وقت کا ارشاد ہے۔ جب حضورؐ نے شام اور یمن کے لئے دعا فرمائی تھی۔ اور کسی شخص نے نجد کے لئے بھی دعا فرمانے کو عرض کی تھی۔ تو اس کو حضورؐ علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔ لہٰذا علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ دعا کے جواب میں مشار الیہ یہی محمد بن عبدالوہاب نجدی ہے چنانچہ فی زمانہ بھی اس کی اولاد نے حرمین شریفین پر مسلط ہو کر جو مقابر و مساجد کی بے حرمتی اور اماکن مقدسہ کی توہین کی ہے۔ اس سے دنیائے اسلام کا بچہ بچہ واقف ہے۔ دُنیا کے ہر گوشہ سے ان کی اس حرکت پر اظہار نفرت ہُوا۔ اور علمائے ربّانی نے ان کی تردید میں بے شمار رسائل لکھے۔ مگر دیوبندی جماعت کے امام و پیشوا مولوی رشید احمد صاحب ان کی تعریف فرما رہے ہیں۔ اور بہت سے ان کے اس عقیدہ کے حامی نجدیوں کے وظیفہ خوار ہیں کہ آٹھوں پہر اسی شغل میں گزارتے ہیں۔ اور ان کو پکّا اہلسنت والجماعت ثابت کرنے میں کوشاں رہتے ہیں۔ کیا اب بھی شک ہے۔ کہ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز کا مصداق یہ لوگ حنفی ہیں یا وہابی۔ حنفیوں کو ان کی حنفیت کا خیال نہ کرتے ہوئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہم مذہب ہی ہم مذہب کی تعریف کیا کرتا ہے۔

عقیدۂ دوم۔ تقویۃ الایمان مطبوعہ مطبع دبیر ہند پریس کے صفحہ ۰ا سطر ۱۸ میں ہے۔ کہ غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو۔ کہ جب چاہے دریافت کرلے۔ یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔

اس مسئلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کو بھی

وہابیوں کے نزدیک غیب کا علم نہیں البتہ چاہے تو دریافت کر سکتا ہے۔ اس کو بھی نعوذ باللہ بالفعل علم غیب حاصل نہیں۔ جب چاہے غیب کی باتیں دریافت کرے۔

عقیدہ سوم۔ براہین قاطعہ کے صہ۳ سطر ۹ میں ہے۔ کہ امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا ہے۔ بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے۔ اور وقوع کذب کے معنی درست ہونے کی تصریح بھی کردی ہے۔ چنانچہ رسالہ صیانتہ الناس عن وساوس الخناس کے اندر مطبوعہ فتوے موجود ہے۔ جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ مولوی رشید احمد صاحب نے وقوع کذب باری تعالے کے قائل کو ضال اور فاسق و کافر کہنے سے منع کیا ہے۔

یہ مسئلہ بھی عقائد اہلسنت کے بالکل خلاف ہے۔ دیکھو فتح المبین جس میں سینکڑوں علمائے بلاد اسلامیہ کی مواہیر و دستخط ثبت ہیں اور تقدیس الوکیل حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی بھی کہ اس مسئلہ میں وہ کس قدر مخالف ہیں۔ اور یہ ایسا کھلا ہوا مسئلہ ہے۔ کہ عالم تو عالم ایک جاہل بھی اپنے رب کریم کو کذب و دروغ جیسی قبیح صفت کے ساتھ متصف کرنا گوارا نہیں کرتا۔ جب مولا کریم کے لئے قادر کذب مانا جائے گا۔ تو اس کا کلام لامحالہ متحمل کذب ٹھیرے گا۔ اور کلام اللہ لائق حجت نہ رہے گا۔ اور جب کذب کو جو بالاتفاق عقلاء زمانہ عیب ونقص ہے۔ ممکن بالذات مانا اور اس کا صدور باری تعالے اعزاسمہ کے لئے محال نہ جانا۔ تو پھر جملہ عیوب ونقائص کا صدور بھی ممکن ماننا پڑیگا۔ اور یہ ممتنع بالشان باری تعالے ہے۔ مولا کریم اپنے

کرم سے ایسی بدعقیدگی سے محفوظ فرمائے۔ اس مسئلہ کی پوری پوری تشریح کتاب توضیح العقائد میں موجود ہے۔ جسے وضاحت کی ضرورت ہو۔ اس سے ملاحظہ فرمائے۔

عقیدہ چہارم۔ صراط مستقیم صفحہ ۹۵ مطبوعہ مجتبائی ۱۳۰۸ھ میں ہے۔ صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ و خر خود است

ترجمہ:۔ یعنی نماز میں پیر اور ان جیسے بزرگوں کی طرف خیال لے جانا اگرچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں کتنے ہی درجے اپنے گدھے اور گائے کے تصور میں ڈوب جانے سے بدتر ہے۔

یہ ناپاک کلمہ قابل غور ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال نماز میں گائے اور گدھے کے تصور میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ للہ انصاف کیجئے کہ ایسا کلمہ اسلامی زبان وقلم سے نکل سکتا ہے۔ ان کا یہ خیال اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے۔ جو آپ نے احیاء العلوم میں بیان فرمایا ہے۔ کہ واحضر فی قلبک النبی علیہ السلام وشخصہ الکریم وقل سلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یعنی التحیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دل میں حاضر کر اور حضور کی صورت پاک کا تصور باندھ پھر عرض کر السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کہاں حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کا یہ عقیدہ پاک اور کہاں یہ دیوبندیوں کی خرافات۔ العیاذاً باللہ۔

عقیدہ پنجم۔ براہین قاطعہ کے صہ۵۱ سطر۴ میں ہے کہ شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے۔ کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ دوسرے مقام پر اسی کتاب کے صفحہ ۴۶ پر دکھلایا ہے۔ کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ اس جماعت کا یہ حال ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تبلایا جاتا ہے۔ کہ دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں رکھتے اور شیطان کے لئے علم محیط زمین کا مان لیتے ہیں۔ شیطان کے لئے یہ وسعت جائز اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شرک ہے۔ سبحان اللہ یہ عجیب شرک ہے۔ کہ شیطان لعین کے ساتھ تو جائز۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ناجائز۔ کیا شرک میں بھی تقسیم ہے۔ اس جماعت کے نزدیک شیطان اور ملک الموت کی وسعت کی نصوص تو موجود ہیں۔ مگر حضور کی علمی وسعت کی نصوص نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئی۔ یعنی اے حبیب ہم نے آپ پر کتاب اُتاری جو ہر شے کا روشن بیان ہے۔ اور شے ہر موجود کو کہتے ہیں جس میں لوح محفوظ بھی داخل ہے جس کے بارے میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کل صغیر وکبیر مستطر کہ اس میں ہر چھوٹی بڑی چیز درج ہے۔ پس اللہ تعالےٰ کے ارشاد کے مطابق آپ کو جملہ موجودات کا

علم ہوا۔ اب حضور علیہ السلام کے اپنے ارشادات سے معلوم کیجئے۔ کہ حضور کو کسقدر علم ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے۔ کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد سے غروب آفتاب تک خطبہ فرمایا۔ اور درمیان میں ظہر اور عصر کی نمازوں کے سوا کوئی کام نہیں کیا۔ فاخبرنا بما هو کائن الیٰ یوم القیامۃ فاعلمنا احفظنا۔ یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا۔ کہ پس خبر دی ہم کو آپ نے جو کچھ قیامت تک ہونیوالا تھا۔ اب ہم میں سے زیادہ علم اُسے ہے۔ جسے زیادہ تر یاد رہا۔ ترمذی شریف میں معراج کے بیان میں ہے۔ کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فعلمت ما فی السمٰوات والارض۔ یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب میرے علم میں آگیا چنانچہ اس حدیث کے ماتحت حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ صاحب محدّث دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ پس دانستم ہرچہ در آسمانہا و ہرچہ در زمینہا بود۔ عبارت است از حصولِ تمامہ علوم جزوی و کلی و احاطہ آں۔ یعنے یہ عبارت ہے اس سے کہ حضور علیہ السلام کو علوم جزوی و کلی کا احاطہ حاصل ہے مگر افسوس کہ یہ لوگ شیطان کے احاطہ علمی کا اقرار کرتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام کے وسعت علم کی نفی کرتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ آخر شیطان لعین سے کیا الفت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اس کو اتنا بڑھاتے ہیں۔ اور اتنی فضیلت کے قائل ہیں۔ کہ اس کے علم کی وسعت کی تو نصوص بھی نظر آگیئں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو عالم علوم اوّلین و آخرین اور ماکان و مایکون ہیں)، کی وسعت علمی کی نصوص نظر نہ آسکیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

عقیدہ ششم۔ فتاوے رشیدیہ کے حصہ دوم صفحہ ۱۲ سطر ۱۵ میں ہے کہ رحمۃ للعٰلمین صفت خلاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے۔

لو۔ صریح نص قرآنی کے خلاف بھی اپنے دعوائے ایمانی کا اظہار کر دیا گیا ہے۔ اور جو کچھ حضور علیہ السلام کے متعلق دل کی گہرائیوں میں عقیدت پوشیدہ تھی۔ ظاہر ہو گئی۔ کہ سرکار کائنات مفخر موجودات علیہ التحیۃ والصلوات والتسلیمات کا تمام عالم کیواسطے جو رحمتہ العالمین ہونا ایک صفت مخصوصہ اور امت کیلئے خاصہ ایمان تھی۔ اس سے بھی انکار کر دیا اور وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین کی نص کلام اللہ کے بھی منکر بن گئے۔ یہ آیت کیا کسی اور کے حق میں بھی نازل ہوئی ہے۔ جو ان کو انکار کی گنجائش نظر آ رہی ہے۔

عقیدہ ہفتم۔ حفظ الایمان صفحہ ۷ سطر ۱۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی میں ہے۔ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو۔ تو دریافت طلب امر یہ ہے۔ کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضورؐ کی کیا تخصیص ایسا علم غیب تو زید عمر بلکہ ہر صبی مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس کا بطلان دلیل عقلی اور نقلی سے ثابت ہے۔ پھر فتاوی رشیدیہ جلد ۲ صفحہ ۱۶ میں ہے جو شخص اللہ کے سوا کسی دوسرے کو علوم غیب ثابت کرے۔ وہ بے شک کافر ہے۔

اس عقیدہ کی عبارت کا جواب علمِ غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بحث کرتے ہوئے فقیر نے اسی کتاب کے ایک جداگانہ باب میں لکھ دیا ہے۔ جس کو پڑھنے سے ہر منصف مزاج اور ذی علم مومن اس نتیجہ پر پہنچ سکے گا۔ کہ حضور علیہ السلام کو کس قدر علم غیب ہے۔ اور اس پر کیونکر ایمان رکھنا ضروری ہے۔ ہر ذی علم مسلمان یہ جانتا ہے۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کل علوم الٰہیہ تو حاصل نہیں۔ مگر بعض علوم عطیۂّ الٰہی سے وہ حاصل ہیں جن کی مماثلت آپ کے غیر میں ناممکن ہے۔ مگر مولوی اشرف علی صاحب نے لکھا ہے۔ کہ اس میں حضورؐ کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔ معاذ اللہ۔ یہ جمیع حیوانات و بہائم اور ہر بچے اور پاگل کی تشبیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کس قدر کھلی ہوئی توہین اور گستاخی ہے۔ جو صریح کفر ہے۔ اگر یہی کلمات اُن کے یا ان کے کسی مشہور بزرگ کے حق میں کہے جائیں۔ اور ان کے کسی قول یا فعل یا صفت سے کسی کتے یا کسی گدھے کو مشابہت کرائی جائے۔ تو کتنے چراغ پا ہوں مگر حضورؐ کی توہین کی پرواہ نہیں۔ کوئی مشرک ہندو۔ یا سکھ یا عیسائی ایسے کلمات توہین کُن حضورؐ کی شان میں استعمال کرے۔ تو اس کے لئے ایجی ٹیشن شروع ہو جائے۔ اور گردن زدنی ٹھیرے۔ مگر یہ ہر طرح اپنی تحریروں اور تقریروں میں پیچیدہ عبارتوں کے ماتحت اس کا ارتکاب علانیہ کریں۔ تو نہ گنہگار ٹھیریں اور نہ موجب پرسش۔ بلکہ مولوی مولانا حکیم امت اور رہنماؤ پیشوا تسلیم کئے جائیں۔ یہ ہے سرکارِ دوجہاں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ان مدعیان ایمان کی

محبت قلبی و ایمانی جو آپ نے پڑھی۔ نعوذ باللہ العظیم۔
عقیدہ ہشتم۔ تقویۃ الایمان کے صفحہ ۲۶ میں ہے کہ اللہ سے زبردست کے ہوتے ہوئے ایسے عاجز لوگوں کا پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ محض بے انصافی ہے۔ کہ ایسے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارے لوگوں کو ثابت کیجئے۔ پھر اسی کتاب میں انبیاء اولیاء کو پکارنے کے سلسلہ میں لکھا۔ کہ ہمارا جب خالق اللہ ہے۔ تو ہم کو چاہیئے۔ کہ ہر کاموں میں اسی کو پکاریں۔ اور کسی سے ہم کو کیا کام جیسے جو ایک بادشاہ کا غلام ہو۔ وہ اپنے کام کا علاقہ دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا۔ کسی چوہڑے چمار کا تو کیا ذکر ہے۔ پھر دوسری جگہ لکھا کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔
قارئین کرام نے اس گستاخانہ مثال کو پڑھ لیا ہے کہ غلام دوسرے بادشاہ سے بھی علاقہ نہیں رکھتا۔ چوہڑے چمار کا تو کیا ذکر ہے۔ گویا اللہ کے یہ مقبول بندے اور انبیاء اولیاء نعوذ باللہ من ذالک چوہڑوں چماروں کے مانند ہوئے۔ حالانکہ رب العزت نے اپنی عزت کے ساتھ ان کی عزت کا ذکر فرمایا ہے۔ وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین کے ماتحت عزت افزائی کے لقب سے یاد فرمایا۔ اور یہ بندگانِ حرص وہوا ان کو چوہڑے چمار جیسے غیر مہذب الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔ ان مقبولانِ بارگاہ کے درجات و کمالات اللہ تعالےٰ ہی کے اخلاق و کمالات کے پرتو اور عکس ہیں۔ سرکارِ

مدینہ رؤف رحیم کی وصاف ان لوگوں کی فہم نارسا میں نہیں آتیں۔ آئینہ میں بادشاہ کے عکس کو دیکھ کر یہ کہنا کہ بادشاہ کے آگے چمار اور چوہڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ کہاں تک قوت ایمانی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالےٰ کسی مسلمان کو ایسی گستاخی کی توفیق رفیق نہ فرمائے۔ اور نہ یہ ایمان سوز عقیدہ عطا کرے۔ ایسی بے شمار گستاخیاں معلوم کرنی ہوں تو کتاب کشف ضلال دیوبندی کا مطالعہ فرمائیے۔

عقیدہ نہم۔ براہین قاطعہ صفحہ ۱۴۱ و ۱۴۸ سطر ۱۴ مطبوعہ مطبع ہلالی سٹیم پریس ساڈھورہ میں ہے۔ کہ اب ہر روز کونسی ولادت مقرر ہوتی ہے۔ پس یہ ہر روز اعادہ ولادت تو مثل ہنود کے سانگ کنہیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں۔ یا مثل روافض کے کہ نقل شہادت اہل بیت ہر سال بناتے ہیں۔ معاذ اللہ سانگ آپ کی ولادت کا ٹھیرا اور خود یہ حرکت قبیحہ قابل لوم وحرام وفسق ہے۔ بلکہ یہ لوگ اس قوم سے بڑھ کر ہوئے۔ وہ تاریخ معین پر کرتے ہیں۔ ان کے یہاں کوئی قید ہی نہیں۔ جب چاہیں یہ خرافات فرضی بناتے ہیں۔ اور فتاوے رشیدیہ صفحہ ۵ سطر ۶ میں تحریر ہے۔ کہ عقد مجلس مولود اگرچہ اس میں کوئی امر غیر مشروع نہ ہو۔ مگر اہتمام اور تداعی اس میں بھی موجود ہے۔ لہذا اس زمانہ میں درست نہیں۔ پھر براہین قاطعہ کے صفحہ ۱۴۲ سطر ۹ میں درج ہے۔ کہ یہ قیام صورت اولے میں بدعت ومنکر اور دوسری صورت میں حرام وفسق اور تیسری صورت میں کفر وشرک اور چوتھی صورت میں اتباع

ہوا اور کبیرہ ہوتا ہے۔ پس کسی وجہ سے مشروع و جائز نہیں۔
مسلمانو! اس دریدہ دہنی کو ملاحظہ فرماؤ۔ کہ کہاں محفل میلاد شریف
اور کہاں کنہیا کا سانگ۔ نعوذ باللہ العظیم۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب
مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ انہی گنگوہی صاحب کے پیر و مرشد فیصلہ ہفت مسئلہ
میں مولود اور قیام کو بدلائل قاطعہ و حجج باہرہ سے ثابت فرما کر صفحہ ۵
سطر ۸ میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔ مشرب فقیر کا یہ ہے۔ کہ محفل مولد شریف
میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور
قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔ پیر و مرشد کا یہ عقیدہ ہے۔ اور مریدین
ہنود اور روافض سے بڑھ کر بتلا رہے ہیں۔ اب ان مریدان با اخلاص
کی زبانی ہی فیصلہ فرمایئے۔ کہ حضرت پیر و مرشد بزرگوار کیا ٹھہرے۔ اور
اسی طرح بے شمار علما و صالحین و اولیاء مقبولین جو صدیوں سے اس
فعل مستحسن کے عامل اور پابند چلے آئے ہیں۔ بموجب تحریر گنگوہیوں
اور انبیٹھویوں کے کیسے ہوئے۔ بلکہ تمام اہل اسلام محفل میلاد النبی کا
انعقاد کرنیوالے حرام و فسق کے عامل ہو جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من
ذالک۔ مواہب اللدنیہ میں علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی شارح
صحیح بخاری یوں فرماتے ہیں۔ لا زال اھل الاسلام یحتفلون بشھر
مولد النبی علیہ السلام یعنی ہمیشہ سے اہل اسلام آپ کے پیدائش
کے مہینہ میں محفلیں منعقد کرتے چلے آئے ہیں۔ پس یہ سب مصنف براہین
قاطعہ کی بنا پر کون ہوئے۔ بصد افسوس یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ یہ جرأت
و سوء ادبی صرف انہی مومنوں کا حصہ ہے۔ خداوند تعالےٰ ان لوگوں کو
توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ ایک گروہ ان میں سے وہ ہے۔ جو کسی

نیک کام کرنے کی تاریخ معیّن کرنے کو گناہ سمجھتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو میلادالنبی کی تاریخ معیّن نہ کرنے کو ہندوؤں سے بدتر جانتا ہے کہیں مدرسہ دیوبند میں جلسہ دستار بندی کے اندر اہتمام و تداعی جائز اور کہیں ذکر الہٰی اور ذکر جناب رسالت پناہی کے لئے اہتمام و تداعی حرام۔ اپنے گھر میں نہ بدعت بدعت نظر آئے اور نہ گناہ کبیرہ بھی گنہگار کرے۔ شریعت خانہ ساز اسی کا نام ہے۔ دُنیا جانتی ہے۔ کہ بلا اہتمام و تداعی کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ خواہ دنیا کا ہو یا دین کا۔ اگر کسی شخص کی دعوت کی جاتی ہے۔ تو لامحالہ وقت معیّن اور مقام معیّن کرنا پڑتا ہے۔ شادی کی جائے۔ تو پہلے لوگوں کو دن اور تاریخ معیّن کرکے مدعو کیا جاتا ہے۔ اگر اتنا ہی کہہ دینا۔ ان کے مذہب میں کافی ہوگا۔ کہ آپ کی دعوت ہے۔ تو بیچارے مہمان کیلئے عجیب مصیبت ہے۔ کہ کس جگہ اور مکان اور کس وقت پر آئے۔ اور اگر دریافت کرلے۔ تو مولوی دیوبندی صاحب کی جان کے لالے پڑ جاویں۔ کیونکہ دن۔ وقت یا تاریخ معیّن کرتے ہیں۔ تو کافر یا مُشرک ہوتے ہیں اور کھانا کھلانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یہ ہے ان کا بے ڈھنگا محققانہ اسلام جس کا نہ سر نہ پاؤں۔ کبھی متقدمین کا فعل حرام کیا جا رہا ہے۔ اور کبھی کسی شئے کا رواج عام ہو جانا مسنون بنا دیا جاتا ہے بفرض محال نقل کفر کفر نباشد سمجھ کر مان ہی لیا جائے۔ کہ محفلِ میلاد بدعت ہے۔ تو ان کے فتوے کے موجب جب عام رواج ہو گیا۔ تو جائز ہو جانا چاہیئے تھا۔ کیونکہ فتاوی رشیدیہ کے حصہ دوم میں ایک سائل کا سوال اور جواب یوں درج ہے۔ کہ کسی سائل نے سوال کیا۔ کہ نعلین چوبی یعنی کھڑاؤں کو مولوی عبدالحی صاحب نے بدعت لکھا ہے۔

اتخاذ النعل من الخشب بدعة کما فی القنیہ والجمان یہ۔ اس کا جواب صفحہ ۳۸ پر یوں درج ہے۔ الجواب کسی وقت ناجائز تھی۔ اب درست ہو گئی ہے۔ کہ اس کا عام استعمال ہو گیا ہے۔ پس معلوم ہُوا۔ کہ ان علماء دیوبندیہ کے نزدیک کوئی ناجائز چیز بھی رواج زیادہ ہو جانے سے جائز ہو جایا کرتی ہے۔ تو پہلے اگر انہوں نے مولود شریف کو ناجائز تسلیم کر رکھا۔ تو اب جائز ہو جانا چاہیئے تھا۔ کیونکہ آجکل مسلمانوں میں نہایت زور شور سے رواج ہو گیا ہے۔ آجکل تو وہ پُرانے وہابی بھی جو اس مجلس کے نام سے گھبراتے تھے۔ جلسوں اور جلوسوں میں یا رسول اللہ کے نعرے لگاتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ کھڑاویں یعنے استعمال نعلین چوبی ناجائز ہو کر بھی رواج عام کے ماتحت جائز ہو جاوے۔ مگر محفل میلاد و قیام کے جواز کی کوئی صورت ہی نہ نکل سکے۔ افسوس کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے سوائے عناد کے اور ان کو کچھ بھی یاد نہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

عقیدہ دہم۔ فتاوی رشیدیہ حصہ دوم کے صفحہ ۱۲ سطر ۵ میں درج ہے۔ کہ جو شخص صحابہؓ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے وہ ملعون ہے۔ ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے۔ اور وہ اپنے اس کبیرہ کے سبب سے اہل سنت و جماعت سے خارج نہ ہو گا۔

گویا دیوبندی وہابیوں کے نزدیک اہل سنت والجماعت میں سے صحابی کو کافر کہہ دینے والا بھی سُنّی ہی رہتا ہے۔ حالانکہ تمام اہل سنت اس بات کو موجب امتیاز رافضی۔ خارجی و سُنی جانتے ہیں۔ اور تمام کے

نزدیک کسی صحابی کو کافر کہنے والا ہرگز سُنی نہیں۔ وہ پکّا رافضی یا خارجی ہے۔ لا تسبوا اصحابی۔ یعنی میرے صحابہؓ کو بُرا مت کہو۔ حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور رافضی خارجی ہی صحابہؓ کرام کو بُرا کہتے ہیں۔ سُنی کسی صحابی کو بُرا نہیں کہتے۔ چہ جائیکہ نعوذ باللہ کافر کہیں۔

عقیدہ یازدھم۔ فتاوی رشیدیہ کے حصہ دوم صفحہ ۱۰۳ سطر ۵ میں درج ہے۔ کہ ختم تیجہ۔ دسواں وغیرہ سب بدعت و ضلالت ہیں۔ اور صفحہ ۸۰ میں ہے عرس کے باب میں بھی جواب یہ ہے۔ کہ منع ہے۔

اس عام اور مشہور مسئلہ میں بھی یہ بالکل طریقۂ سلف صالحین اہل سنت والجماعت کے بالکل خلاف ہو گئے ہیں۔ حالانکہ باجماع اہلسنت والجماعت ایصال ثواب مطلقاً جائز ہے۔ خواہ کسی وقت ہو۔ گویا ان اوقات میں بھی جائز ہوا جن میں کوئی نفسی بغض سے ممانعت کرے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کی ممانعت کی منکرین کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے اُحد کے مزاروں پر ہر سال کے شروع میں تشریف لے جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ عبد العزیزؒ صاحب نے زبدۃ النصائح میں اس کو لکھا ہے۔ بخاری شریف میں ہے۔ کان عبد اللہ یذکر الناس فی کل خمیسین۔ کہ حضرت عبد اللہ ہر جمعرات کو لوگوں میں وعظ فرماتے تھے۔ حالانکہ تبلیغ احکام الٰہی ہر دن جائز ہے مگر خصوصیت حضورؐ کے فعل شہدائے اُحد کے مزاروں پر تشریف لیجانے کی شروع سال اور حضرت عبد اللہؓ کے ہر جمعرات کے دن معیّن طور پر وعظ فرمانے کی دیکھئے پس بنابر مصلحت یا بآسانی کار کسی امر کے لئے

کوئی خاص وقت یا دن مقرر کر لیتے ہیں کوئی ہرج نہیں خود مولوی رشید احمد صاحب فتاوے رشیدیہ جلد اول صفحہ ۸۷ میں لکھتے ہیں۔ کہ سالگرہ یاد داشت عمر اطفال کے لئے کچھ ہرج نہیں معلوم ہوتا مقام تعجب ہے۔ کہ بچوں کی سالگرہ جائز۔ اور سالانہ محفل میلاد۔ گیارھویں عرس یا ختم۔ درود۔ دسواں۔ تیجہ سب ناجائز و بدعت ہو گئے۔ حالانکہ یہ بھی مقررہ ایام بطریق یاد داشت فاتحہ کو یاد دلانے کے لئے ہی ہوتے ہیں چنانچہ اسی حکمت کے ماتحت تعیین یوم عرس بزرگان کے لئے شاہ عبد العزیز صاحب فتاوی عزیزیہ صہ۵۲ جلد اوّل میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ تعیّن روز عرس برائے آنست کہ اں روز مذکر انتقال ایشاں مے باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود۔ موجب فلاح ونجات است یعنی عرس کے دن کی تعیّن اس لئے ہے۔ کہ یہ دن انتقال کو یاد دلانے والا ہے۔ ورنہ ہر دن کہ یہ عمل واقع ہو موجب فلاح ونجات ہے۔ پس ثابت ہوا۔ کہ ان ایام کی تخصیص میں بھی کوئی ہرج نہیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب بھی جو مولوی رشید احمد صاحب کے بزرگ اور پیر و مرشد ہیں۔ وہ بھی فیصلہ ہفت مسئلہ میں ان تمام امور کو جائز لکھ رہے ہیں۔ پس بالاتفاق یہ تمام طریق ایصال ثواب کے جائز ہوئے۔ فقیر نے اس مسئلہ کو اسی کتاب میں ایک مستقل باب کی صورت میں کسی دوسری جگہ بالوضاحت ذکر کر دیا ہے۔

عقیدہ دوازدھم۔ فتاوے رشیدیہ کے حصہ دوم صفحہ ۱۲۵ سطر ۲ میں اس سوال پر کہ جس جگہ زاغ معروفہ (کوّے) کو

حرام جانتے ہوں۔ اور کھانے والوں کو بُرا کہتے ہوں۔ تو ایسی جگہ اس کوّا کھانے والے کو کچھ ثواب نہ ہوگا۔ نہ عذاب پھر سطر ۸ میں اس کا جواب ہے۔ کہ ثواب ہوگا۔

یہ مسئلہ بالکل علمائے احناف متقدمین و متاخرین کے فتوے کے خلاف بیان کیا گیا ہے۔ دیکھو رد زلیغ زاغمین چالیس سوال مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے خود گنگوہی صاحب کی خدمت میں اس کے متعلق بذریعہ رجسٹری روانہ کئے۔ انہوں نے ایک کا بھی جواب نہ دیا۔ تو قول الصواب مولانا مولوی محمد عبداللہ ٹونکی صاحب نے جس پر بہت سے علما کے مواہیر ثبت ہیں۔ اس کی تردید میں طبع کرایا اور بیسیوں فتوے ہر علاقے میں اس زاغ (کوّے) کی حرمت میں لکھے گئے موضح القرآن میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ صاحب برادر خورد حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور ترجمہ کنز الدقائق مسئلے یہ احسن المسائل میں مولوی محمد احسن صاحب نانوتوی بھی اس کوّے کو حرام لکھ رہے ہیں۔

عقیدہ سیزدھم۔ فتاوے رشیدیہ حصہ سوم صفحہ ۱۰۵ سطر ۷ میں ہے۔ سوال گائے کی اوجھری اور بکرے کے کپورے کھانے درست ہیں یا نہیں۔ جواب۔ درست ہیں۔

علمائے اہل سنت و الجماعت کے نزدیک حرام ہے چنانچہ فتوے عالمگیری میں ہے۔ کہ ما یحرم اکلہ من اجزاء الحیوان سبعۃ الدم المسفوح والذکر والانثیان والقبل والغدۃ والمثانۃ والمرارۃ کذا فی البدائع۔ ترجمہ۔ وہ چیزیں جن کا کھانا اجزائے حیوان سے حرام ہے۔ وہ سات ہیں۔ خون بہتا ہوا۔ ذکر (نر کی پیشاب

دونو خصیے ۔ مادہ کی پیشاب گاہ ۔ غدہ ۔ مثانہ ۔ پتہ ۔

عقیدہ چہار دھم ۔ براہین قاطعہ صفحہ ۲۶ مدرسہ دیوبند کے تعلق سے فخر دو عالم سید اولاد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُردو بولنی آگئی ۔ چنانچہ لکھا ہے ۔ کہ ایک صالح فخر عالم علیہ السلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوئے ۔ تو آپ کو اُردو میں کلام کرتے دیکھکر پوچھا ۔ کہ آپؐ کو یہ کلام کہاں سے آگئی آپ نے عربی میں فرمایا ۔ کہ جب سے علمائے دیوبند سے ہمارا معاملہ ہوا ہے ۔ ہم کو یہ زبان آگئی ہے ۔ سبحان اللہ اس سے رُتبہ اس مدرسہ کا معلوم ہوا ۔

کس قدر ڈھٹائی کہ بات کرتا ہے ۔ نہ پاس خاطر رسولؐ نہ ادب رسالت اُردو بولنی تاجدارِ کائناتؐ کی مدرسہ دیوبند کے تعلق سے ہے حالانکہ اکثر احادیث اس امر میں وارد ہوئی ہیں ۔ کہ سرکارِ انبیاء علیہ السلام تمام زمانہ کی زبانوں کے ایسے اعلم تھے ۔ کہ کسی اہل زبان سے بامحاورہ گفتگو فرمانے میں اہل زبان بھی دنگ رہ جاتے ۔ ہر زبان میں ہر ملک کے آنیوالے سے ایسی فصاحت سے کلام فرماتے ۔ جیسے اپنی مادر زبان عربی میں ۔ حالانکہ غیر زبان رکھنے والا خواہ کتنی ہی سعی کرے ۔ مادری زبان دانوں کے مقابلے میں صحت الفاظ ۔ درستئ کلام ۔ ادائے کلمات میں برابر نہیں ہو سکتا ۔ چونکہ آپؐ تمام کائنات کے اور تمام بنی آدم اسود و احمر کے نبی تھے ۔ اور آپ کی نبوت قیامت تک کے لئے تمام جہاں والوں کے واسطے تھی ۔ اس لئے چاہیئے بھی یہی تھا ۔ کہ آپ تمام جہان کی زبانوں بلکہ چرند و پرند ۔ حیوانات

و نباتات و جمادات سب کی زبان اور سب کے بیان سے واقف ہوتے چنانچہ بہت سی حدیثوں میں غیر ممالک کے افراد کے ساتھ اُن کی زبانوں میں گفتگو فرمانے کا تذکرہ ہے۔ برخلاف اس کے کہ اُردو زبان بقول دیوبندی صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدرسہ دیوبند کے تعلق کی وجہ سے سیکھی ہو۔ نعوذ باللہ ھذہ الخرافات۔

عقیدہ پانزدھم۔ تحذیر الناس صفحہ ۵ مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی میں ہے۔ انبیاء اپنی اُمت سے اگر ممتاز ہوتے تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں۔ باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر اُمتی مساوی ہو جاتے ہیں۔ بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔

اس عقیدہ میں انبیاء علیہم السلام کے عمل کو اُمت سے کم بتانا مقصود سمجھا گیا ہے۔ جو بالکل خلاف شریعت ہے۔ کیونکہ امت اور امتیوں کے تمام اعمال صالحہ اور مدارج و مراتب انبیاء علیہم السلام کی ہی طفیل ہوتے ہیں۔ اور نبوت اور اس کے علوم و اعمال اس بلندئ شان کے حامل ہوتے ہیں۔ کہ کبھی بھی اُمتی ان میں مطابقت نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کو برابری کی توفیق رفیق ہو سکتی ہے۔ یہ نبوت کی بے ادبی و بے حرمتی ہے۔ کہ ایک غلام کو عمل میں آقا کا مثیل یا اس سے بڑھ کر تسلیم کیا جائے۔

عقیدہ شانزدھم۔ فتاوی رشیدیہ جلد سوم صفحہ ۶ میں ہے۔ کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا اگرچہ ولی ہو یا نبی شرک ہے۔ پھر صفحہ ۸ پر ہے کہ یا رسول اللہ کہنا کفر ہے۔ اگر یہ سمجھے کہ آپ کی ذات سُن لیتی ہے۔ اگر یہ نہیں تو مشابہ بہ کفر ہے

اس عقیدہ کی بنا پر یہ لوگ اہل سنت والجماعت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا وہ بزرگان دین جنھوں نے حضور علیہ السلام کو اسی عقیدہ پر پکارا اور ان کا پکارنا سُنا بھی گیا۔ نعوذ باللہ کفر کا ارتکاب کرتے رہے۔ حالانکہ حدیث میں بعض دعائیں ایسی ارشاد ہوئی ہیں۔ جن میں حضورؐ کو پُکارنے کا مفہوم ہے۔ اور غلاموں نے پکار کر نفع بھی اُٹھایا ہے۔ متقدمین اہلسنت والجماعت مثلاً حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں نے تو پکارنا در کنار عقیدہ ہی یہ بیان فرمایا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو حاضر و ناظر جانو۔ تاکہ پکارنے کی حاجت ہی نہ رہے۔ اور یہاں کفر نظر آتا ہے۔

یہ ہیں ان کے مختصر عقائد جو درج کتاب ہذا مُشتے نمونہ از خروارے لکھے گئے ہیں۔ اور ایسے بے شمار کلمات ہیں۔ جن سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جو فقیر نے بوجہ طوالت کتاب ہذا چھوڑ دی ہیں۔ بندہ اپنے سُنی حنفی بھائیوں سے گزارش کرتا ہے۔ کہ زمانہ پُر فتن ہے۔ بہت سے شکاری پرہیزگاری کے لباس میں نظر آ رہے ہیں۔ لہٰذا اپنے ایمانوں کو بچائیے۔ ایسا نہ ہو کہ دین و ایمان کی پونجی برباد ہو کر رہ جائے ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

مسلمانو! مسلمان کے لئے ایمان سے زیادہ کوئی شے محبوب نہیں۔ ذرا ٹھنڈے دل سے زید۔ بکر۔ عمر جن کو نافہمی میں مبتلا ہو کر تم نے راہنما بنا لیا ہے، کی محبت نکال کر اپنے ایمانوں کا امتحان

تو کرو۔ کیا ان عبارات مذکورہ میں حضور علیہ السلام کی توہین نہیں۔ اگر ہے۔ اور یقیناً ہے۔ تو پھر وہ کونسی چیز ہے۔ جو تم میں سے بعض کو ان عبارات کے برحق جاننے پر مجبور کر رہی ہے۔ کہاں ہیں تمہارے وہ الفاظ کہ مسلمان دنیا کی ہر بات کو برداشت کر سکتا ہے۔ مگر اپنے مولا و آقا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نہیں برداشت کر سکتا۔ خدا کیلئے خوابِ غفلت سے بیدار ہو۔ اور نیکی و بدی میں تمیز کرتے ہوئے اسلامی زندگی گزارو۔ ایک دن رب العزت کے حضور میں پیش ہونا ہے۔ اور اس امر کی جواب دہی کرنا ہے۔ کہ تم نے اس کے محبوب کو کیا پہچانا۔ اور اس کے حکم کے ماتحت کون سے اعمال صالحہ کئے۔ بے ادب کو میدان محشر میں اُس اپنے پاک و مختار نبی علیہ السلام سے شفاعت کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ جس نے زید و عمر کی محبت میں آ کر معرفت و محبت نبوی ہی کو ترک کر دیا۔ اور چند دُنیا کے بندوں کی طرفداری اس کو ہمیشہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت کرنے میں حائل رہی۔

ومن یتولھم منکم فانہ منھم ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین۔

ختم شد

انتباہ

عوام الناس کی موجودہ مذہبی خامیوں اور اعتقادی کمزوریوں سے چشم پوشی نہ کرتے ہوئے۔ اگر غور کیا جائے۔ تو یہ الحاد و دہریت اور لامذہبی و بدعقیدگی تمام تر اس بات کا نتیجہ نظر آتی ہے۔ کہ علمائے سوٗ کی عنایتوں اور فراخ دلیوں سے مسلمان احکام الٰہی اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلوں سے محو کر چکے ہیں۔ زن اور زر پرستی نے ان فلسفے اور تہذیب جدید کے حامیوں کی وہ حالت کر دی ہے۔ کہ یورپ کی روشن خیالی نے قرآن کریم کے تاثرات ان کے قلوب سے نسیاً منسیاً کر کے ایسی تسخیر سے کام لیا ہے۔ کہ وہ حق بات سننا گوارا ہی نہیں کرتے۔ خداوند جل وعلا شانہٗ اور اس کے محبوب پاک علیہ السلام کی ہدایت کے خلاف ضلالت کو ہدایت اور بطالت کو صراط مستقیم سمجھنے لگے ہیں۔

چونکہ انسان ہمیشہ اُس راہ کو جلدی قبول کیا کرتا ہے جو اس کی خواہشات بہیمیہ کی اعانت کرتے ہوئے نفس امارہ پر کوئی پابندی عائد نہ کرے۔ اور دنیوی لذات میں مانع نہ ہو کر منفعت نفسانی کی ہر پہلو میں اجازت دیتا ہو۔ اسلئے ایسے خطرناک مواقع میں نفس اور شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے رب العزت نے اُسے عقل عطا فرمائی ہے۔ کہ وہ اس سے اپنے انجام کو سوچے۔ اور بے راہ رو

ہو کر اندھا دھند کسی کی اطاعت کو اختیار نہ کر لے۔ مگر ہم نے دیکھا ہے۔ اور سخت حیرانی ہوتی ہے۔ کہ بعض انسان مشیت ایزدی و رضامندئ نبویؐ کو حاصل کرنے میں کسی زید۔ عمر۔ بکر کے بہکاوے سے حق و صداقت کے پیچھے بھی لٹھ لئے پھرتے ہیں۔ اور بدعقیدگی کی زہر افگن ہوا ان کے دلوں میں اس قدر سرایت کر چکی ہوتی ہے۔ کہ وہ مولا کریم جل شانہ اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین تو گوارا کر لیتے ہیں۔ مگر اپنے نام نہاد رہنماؤں کے حق میں ایک لفظ بھی سچائی کا سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اور نہ انہوں نے کبھی یہ بھی باور کرنے کی زحمت اٹھائی ہے۔ کہ تحقیق حق کو اپنا شعار بنا کر مولا کریم سے صراط مستقیم کے طالب ہوں۔ اور نہ ہی ان پر کسی کی نصیحت کارگر ہوتی ہے۔ گویا ختم اللہ علی قلوبھم کا صحیح مصداق وہی ہیں۔ اللھم اھد ھم فانھم قوم لا یفقھون۔ فقط۔

تمام شد۔